قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِىْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ

سیرت المہدی

(حصہ دوم)

تالیف لطیف حضرت صاحبزادہ میرزا بشیر احمد صاحب ایم اے

جسے

مینیجر بک ڈپو تالیف و اشاعت قادیان دارالامان

نے

ماہ دسمبر سنہ ۱۹۲۷ء میں شائع کیا ❖

اسلامیہ سٹیم پریس ریلوے روڈ لاہور میں باہتمام محمد حمید الزمان منیجر کے چھپا

بینفات حضرت خلیفۃ المسیح ثانی

ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز

نمبر شمار	نام کتاب	قیمت	نمبر شمار	نام کتاب	قیمت
۱	منصب خلافت	۱ر	۱۵	حقیقت الامر	۲ر
۲	برکاتِ خلافت	۴ر	۱۶	حقیقت النبوۃ	عہ۸ر
۳	انوار خلافت	۱۲ر	۱۷	آئینہ صداقت	عہ۸ر
۴	حقیقت الرویار	۱۲ر	۱۸	کلام محمود (نظم)	۱۰ر
۵	ذکر الٰہی	۱۰ر	۱۹	گلزار معرفت "	۵ر
۶	عرفانِ الٰہی	۱۰ر	۲۰	ترک موالات	۸ر
۷	تقدیر الٰہی	عہ ر	۲۱	ہستی باری تعالیٰ	عہ۸ر
۸	ملائکۃ اللہ	۱۰ر	۲۲	صادقوں کی روشنی	عہ۸ر
۹	اسلام اور دیگر مذاہب	۴ر	۲۳	مدارج تقویٰ	۲ر
۱۰	اسلام میں اختلاف کا آغاز	۱۱ر	۲۴	خدا کے کام کون روک سکتا ہے	۰ر
۱۱	رایات زرّین	۱۰ر	۲۵	چشمہ توحید اردو	۲ر
۱۲	خطباتِ محمود	۱۴ر	۲۶	تحفہ شہزادہ ویلز باتصویر مجلد	عہ۹ر
۱۳	تحفۃ الملوک درجہ اول	عہ۸ر	۲۷	" " غیر مجلد	عہ ر
	" " درجہ دوم	۱۲ر	۲۸	نجات حصہ اوّل	۱۳ر
۱۴	القول الفصل			یعنی تقاریر جلسہ سالانہ ۱۹۲۲ء	

ملنے کا پتہ

منیجر بک ڈپو تالیف و اشاعت قادیان دارالامان

تصانیف حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام

نمبر شمار	نام کتاب	قیمت	نمبر شمار	نام کتاب	قیمت
۱	براہین احمدیہ ہر چہار حصّہ	۸ر عہ	۲۰	نور القرآن حصّہ اوّل	۲ر
۲	سُرمہ چشم آریہ	۴ر عہ	۲۱	ست بچن	۱۲ر
۳	فتح اسلام	۳ر	۲۲	آریہ دھرم	۵ر
۴	توضیح مرام	۳ر	۲۳	اسلامی اصول کی فلاسفی	۵ر
۵	آسمانی فیصلہ	۳ر	۲۴	انجام آتھم	عہ ر
۶	نشان آسمانی	۴ر	۲۵	ضمیمہ انجام آتھم	
۷	برکات الدعاء	۳ر	۲۶	استفتاء	۰۱ر
۸	حجۃ الاسلام	۲ر	۲۷	سراج منیر	۵ر
۹	سچائی کا اظہار	۱ر	۲۸	تحفہ قیصریہ	۰۴ر
۱۰	تحفہ بغداد		۲۹	حجۃ اللہ	
۱۱	کرامات الصادقین		۳۰	سراج الدین عیسائی کے چار سوالوں کا جواب	[illegible]
۱۲	شہادت القرآن	۱۰ر	۳۱	فریاد درد البلاغ	۸ر
۱۳	نور الحق حصّہ اوّل	۸ر	۳۲	نجم الہدیٰ	لعہ ر
۱۴	” ” دوم	۶ر	۳۳	ضرورت الامام	۰۴ر
۱۵	اتمام الحجۃ		۳۴	راز حقیقت	۰۲ر
۱۶	سر الخلافہ		۳۵	ایام الصلح فارسی	۸ر
۱۷	انوار الاسلام	۴ر	۳۶	حقیقۃ المہدی	۰۱ر
۱۸	منن الرحمٰن	۱۲ر	۳۷	مسیح ہندوستان میں	۵ر
۱۹	ضیاء الحق	۲ر	۳۸	تریاق القلوب	۴ر عہ

نمبرشمار	نام کتاب	قیمت	نمبرشمار	نام کتاب	قیمت
۳۹	تحفہ غزنویہ	۴ر	۶۰	الوصیت	۲ر
۴۰	لجۃ النور	۶ر	۶۱	چشمۂ مسیحی	۳ر
۴۱	اربعین کامل	۱۲ر	۶۲	قادیان کے آریہ اور ہم	۳ر
۴۲	تحفہ گولڑویہ	۱ر۴	۶۳	حقیقۃ الوحی	صر
۴۳	خطبہ الہامیہ	۱ر۴	۶۴	چشمۂ معرفت	عار۸
۴۴	اعجاز المسیح		۶۵	پیغام صلح	۲ر
۴۵	دافع البلاء	۳ر	۶۶	جنگ مقدس	۱۲ر
۴۶	الہدیٰ		۶۷	تصدیق النبی	۵ر
۴۷	نزول المسیح	۱۲ر	۶۸	دُرِّ مکنون فارسی	عہ ر
۴۸	کشتی نوح	۶ر	۶۹	آمین حضرت فضل عمرؓ	؎ ر
۴۹	تحفۃ الندوہ	؍	۷۰	" حضرت صاحبزادگان	؎ ر
۵۰	اعجاز احمدی	۴ر	۷۱	رپورٹ ۱۹۱۵ء	۸ر
۵۱	ریویو بر مباحثہ بٹالوی و چکڑالوی	؍	۷۲	تقریر جلسۂ دعا	۱ر
۵۲	مواہب الرحمان	۶ر	۷۳	تقریریں	۳ر
۵۳	نسیم دعوت	۶ر	۷۴	بحرالعرفان	۶ر
۵۴	سناتن دھرم	۱ر	۷۵	رہنمائے خاتون	۲ر
۵۵	تذکرۃ الشہادتین	۱۲ر	۷۶	مکتوبات احمدیہ جلد ۱ تا ۵ فی	۸ر
۵۶	سیرۃ الابدال		۷۷	تبلیغ رسالت (مجموعہ اشتہارات	
۵۷	لیکچر لاہور	۲ر		حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام)	
۵۸	" سیالکوٹ	۴ر		جلد اول عہ ر دوم عہ ر سوم	عار
۵۹	براہین احمدیہ حصہ پنجم معہ ضمیمہ	عہ ر		چہارم عہ ر پنجم ۸ر ششم	عہ ر

ملنے کا پتہ:- مینجر بک ڈپو تالیف و اشاعت قادیان دارالامان پنجاب۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

وعلیٰ عبدہ المسیح الموعود

عن عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال سمعت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم یقول انما الاعمال بالنیات و انما لکل امرئٍ مانویٰ (رواہ البخاری)۔

سیرۃ المہدی کا حصہ اوّل طبع ہوکر ہدیہ ناظرین ہو چکا ہے۔ اس میں بوجہ سہو کاتب نیز بوجہ اسکے کہ جلدی کی وجہ سے بعض روایات کی پوری طرح نظر ثانی نہیں ہوسکی۔ بعض خفیف خفیف غلطیاں رہ گئی ہیں جن کی اصلاح انشاء اللہ اس حصہ یعنی حصہ دوم میں کردی جائے گی۔ اب آج بتاریخ ۲۷ رمضان ۱۳۴۳ھ مطابق ۲ مئی ۱۹۲۴ء بروز جمعہ یہ خاکسار سیرۃ المہدی کے حصہ دوم کو شروع کرتا ہے۔ تکمیل کی توفیق دینا باری تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ انسان ضعیف البنیان کا ارادہ کچھ حقیقت نہیں رکھتا۔ پس میری دعا اور التجا اسی ذات سے ہے کہ اسے ضرورت زمانہ کے علیم اور میرے دل کے خبیر تجھے سب قدرت حاصل ہے۔ مجھے توفیق دے کہ تیرے مسیح و مہدی کے سوانح و سیرت و اقوال و احوال وغیرہ کو جمع کروں تاکہ اس ہدایت کے آفتاب سے لوگوں کے دل منور ہوں اور تا اس چشمہ صافی سے تیرے بندے اپنی پیاس بجھائیں اور تا تیرے اس مامور و مرسل کے نمونہ پر چل کر تیرے متلاشی تجھ تک راہ پائیں اور تا تیرے برگزیدہ رسول نبیوں کے سرتاج محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس ظل کامل اور بروز اکمل کی بعثت کی غرض پوری ہو اور تیرے بندے بس تیرے ہی بندے ہوکر زندگی بسر کریں۔ اللھم آمین۔

(۳۰۵) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ مولوی شیر علی صاحب نے مجھ سے بیان کیا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام بیان فرماتے تھے کہ ایک دفعہ جب میں لدھیانہ میں تھا اور چہل قدمی کیلئے باہر راستہ پر جا رہا تھا تو ایک انگریز میری طرف آیا اور سلام کہکر مجھ سے پوچھنے لگا کہ میں نے

سُنا ہے کہ آپ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ خدا آپ کے ساتھ کلام کرتا ہے۔ میں نے کہا "ہاں" اس پر اس نے پوچھا کہ وہ کس طرح کلام کرتا ہے؟ میں نے کہا اسی طرح جس طرح اس وقت آپ میری ساتھ باتیں کر رہے ہیں۔ اس پر اس انگریز کے منہ سے بے اختیار نکلا" سبحان اللہ" اور پھر وہ ایک گھڑی فکر میں پڑ کر آہستہ آہستہ چلا گیا۔ مولوی صاحب کہتے تھے کہ اس کا اس طرح سبحان اللہ کہنا مجھکو بہت عجیب اور بھلا معلوم ہوا تھا۔ اسی لئے آپ نے یہ واقعہ بیان کیا۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ میں جب حضرت مسیح موعود کے دعویٰ کو دیکھتا ہوں تو دل سرور سے بھر جاتا ہے۔ بھلا جس طرح یہ شیر خدا کا مردِ میدان بنکر گرجا ہے کسی کی کیا مجال ہے کہ اس طرح اس میدان میں بقائمی ہوش و حواس افترا کے طور پر قدم دھرے اور پھر لو تقوّل علینا بعض الاقاویل لاخذنا منہ بالیمین ثم لقطعنا منہ الوتین کے وعید کی آگ اسے جلا کر راکھ نہ کر دے۔ مگر یہ یاد رکھنا چاہئیے کہ خدائی قانون میں ہر جرم کی الگ الگ سزا ہے اور لو تقوّل علینا کے ماتحت صرف وہی شخص سزا پا سکتا ہے جو خدائے خالق ومالک کی طرف جسے وہ ذات وصفات ہر دو میں اپنی ذات وصفات بلکہ جمیع مخلوقات سے واضح طور پر غیر اور ممتاز ومتباین یقین کرتا ہو۔ بطریق افترا بقائمی ہوش وحواس الفاظ معیّنہ کی صورت میں کوئی قول یا اقوال منسوب کر کے اس بات کا دعویٰ شائع کرے کہ یہ کلام خدا نے مجھے الہام کیا ہے۔ اور وہ خدائی کلام کو خود اپنے کلام اور خیالات سے ہر طرح ممتاز ومتباین قرار دیتا ہو۔ یعنی کسی خاص مقام یا خاص حالت یا خاص قسم کے دل کے خیالات کا نام الہام الٰہی رکھنے والا نہ ہو۔ اور نہ خود خدائی کا دعوےٰ دار بنتا ہو جیسا کہ نیچریوں یا برہمو سماجیوں یا بہائیوں کا خیال ہے۔ اگر یہ شرائط جو آیت لو تقوّل سے ثابت ہیں۔ مفقود ہوں تو خواہ ایک شخص تیئیس ۲۳ سال چھوڑ کر دو سو سال بھی زندگی پائے وہ لو تقوّل علینا کے وعید کے ماتحت سزا نہیں پائیگا۔ گو وہ اور طرح مجرم ہو اور دوسری سزائیں بھگتے۔ جیسا کہ مثلاً وہ شخص جو خواہ ساری عمر چوری یا دھوکا یا فریب یا اکل بالباطل وغیرہ کے جرائم میں ماخوذ ہو کر ان جرموں کی سزائیں پاتا رہا ہو۔ اگر وہ ڈاکہ زن نہیں ہے تو وہ کبھی بھی ڈاکہ کے جرم کی سزا نہیں پا سکتا۔ فافہم۔

(۳۰۶) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ حضرت مولوی نورالدین صاحب خلیفہ اوّل رضی اللہ عنہ بیان فرماتے تھے کہ ایک دفعہ کسی بحث کے دوران میں حضرت مسیح موعود سے کسی مخالف نے کوئی

حوالہ طلب کیا۔ اسوقت وہ حوالہ حضرت کو یاد نہیں تھا اور آپ   ہیں سے کسی اور کو یاد تھا لہذا شماتت کا اندیشہ پیدا ہوا۔ مگر حضرت صاحب نے.   لگایا اور یونہی اسکی ورق گردانی شروع کردی اور جلد جلد ایک ایک ورق اس کا الٹا۔   تک جگہ پہنچکر آپ ٹھہر گئے اور کہا کہ لو یہ لکھ لو۔ دیکھنے والے سب حیران ۔۔   یہ ماجرا ہے۔ اور کسی نے حضرت صاحب سے دریافت بھی کیا۔ جسپر حضرت صاحب نے فرمایا کہ جب مینے کتاب ہاتھ میں لے کر ورق اُلٹانے شروع کئے تو مجھے کتاب کے صفحات ایسے نظر آتے تھے کہ گویا وہ خالی ہیں اور ان پر کچھ نہیں لکھا ہوا اسی لئے میں ان کو جلد جلد الٹاتا گیا۔ آخر مجھے ایک صفحہ ملا جس پر کچھ لکھا ہوا تھا۔ اور مجھے یقین ہوا کہ یہ وہی حوالہ ہے جس کی مجھے ضرورت ہے۔ گویا اللہ تعالےٰ نے ایسا تصرف کیا کہ سوائے اس جگہ کے کہ جسپر حوالہ درج تھا باقی تمام جگہ آپ کو خالی نظر آئی۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ حضرت خلیفہ اوّل سے اس روایت کے سننے کے بعد ایک دفعہ خاکسار نے ایک مجمع میں یہ روایت زیادہ تفصیلی طور پر مفتی محمد صادق صاحب سے بھی سُنی تھی۔ مفتی صاحب نے بیان کیا کہ یہ واقعہ لدھیانہ کا ہے اور اسوقت حضرت صاحب کو غالباً نون ثقیلہ یا خفیفہ کی بحث میں حوالہ کی ضرورت پیش آئی تھی۔ سو اوّل تو بخاری ہی نہیں ملتی تھی اور جب ملی تو حوالہ کی تلاش مشکل تھی اور اعتراض کرنے والے مولوی کے سامنے حوالہ کا جلد رکھا جانا ازبس ضروری تھا۔ اس پر آپ نے بخاری اپنے ہاتھ میں لے کر اس کی ورق گردانی شروع کردی۔ اور چند چند صفحات کے بعد فرماتے تھے کہ یہ لکھ لو۔ اس جلدی کو دیکھ کر کسی خادم نے عرض کیا کہ حضور ذرا اطمینان سے دیکھا جاوے تو شائد زیادہ حوالے ملجاویں۔ آپ نے فرمایا کہ نہیں بس یہی حوالے ہیں جو میں بتا رہا ہوں۔ ان کے علاوہ اس کتاب میں کوئی حوالہ نہیں۔ کیونکہ سوائے حوالہ کی جگہ کے مجھے سب جگہ خالی نظر آتی ہے۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ آدمی اللہ کا ہو کر رہے۔ پھر وہ خود حقیقی ضرورت کے وقت اسکے لئے غیب سے سامان پیدا کر دیتا ہے۔ اور اگر اس وقت تقدیر عام کے ماتحت اسباب میسر نہ آسکتے ہوں۔ اور ضرورت حقیقی ہو۔ تو تقدیر خاص کے ماتحت بغیر مادی اسباب کے اس کی دستگیری فرمائی جاتی ہے بشرطیکہ وہ اسکا اہل ہو۔ مگر وہ شخص جس کی نظر عالم مادی سے آگے نہیں جاتی۔ اس حقیقت سے ناآشنا رہتا ہے۔ مولانا رومی نے خوب فرمایا ہے:۔

فلسفی کو منکر حنانہ است ۔ از حواس انبیاء بیگانہ است

(۳۰۷) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ خاکسار کے ماموں ڈاکٹر میر محمد اسماعیل صاحب نے مجھ سے بیان کیا کہ ایک دفعہ گھر میں ایک مرغی کے چوزہ کے ذبح کرنے کی ضرورت پیش آئی۔ اور اس وقت گھر میں کوئی اور اس کام کو کرنے والا نہ تھا اسلئے حضرت صاحب اس چوزہ کو ہاتھ میں لے کر خود ذبح کرنے لگے مگر بجائے چوزہ کی گردن پر چھری پھیرنے کے غلطی سے اپنی انگلی کاٹ ڈالی جس سے بہت خون گیا اور آپ توبہ توبہ کرتے ہوئے چوزہ کو چھوڑ کر اُٹھ کھڑے ہوئے۔ پھر وہ چوزہ کسی اور نے ذبح کیا۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ حضرت صاحب کی عادت تھی کہ جب کوئی چوٹ وغیرہ اچانک لگتی تھی تو جلدی جلدی توبہ توبہ کے الفاظ منہ سے فرمانے لگجاتے تھے۔ دراصل جب انسان کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو وہ عموماً کسی قانون شکنی کا نتیجہ ہوتی ہے۔ خواہ وہ قانون شریعت ہو یا قانون نیچر یعنی قانونِ قضا و قدر یا کوئی اور قانون، پس ایک صحیح الفطرت آدمی کا یہی کام ہونا چاہیئے کہ وہ ہر قسم کی تکلیف کے وقت توبہ کی طرف رجوع کرے۔ اور یہی مفہوم انا للہ وانا الیہ راجعون کہنے کا ہے جس کی کہ قرآن شریف تعلیم دیتا ہے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے چونکہ کبھی جانور وغیرہ ذبح نہ کئے تھے۔ اسلئے بجائے چوزہ کی گردن کے اپنی انگلی پر چھری پھیر لی۔ اور یہ نتیجہ تھا۔ اس بات کا کہ آپ قانون ذبح کے عملی پہلو سے واقف نہ تھے۔ واللہ اعلم۔

(۳۰۸) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ پیر سراج الحق صاحب نعمانی نے مجھ سے بیان کیا کہ ایک دفعہ چند احباب نے حضرت اقدس سے دریافت کیا کہ یہ جو مشہور ہے کہ آنحضرت صلعم پر بادل کا سایہ رہتا تھا۔ یہ کیا بات ہے؟ آپ نے جواب میں فرمایا کہ ہر وقت تو بادل کا سایہ رہنا ثابت نہیں۔ اگر ایسا ہوتا تو کوئی کافر کافر نہ رہتا۔ سب لوگ فوراً یقین لے آتے کیونکہ ایسا معجزہ دیکھ کر کون انکار کر سکتا تھا۔ دراصل سنت اللہ کے مطابق معجزہ تو وہ ہوتا ہے کہ جس میں ایک پہلو خفاء کا بھی ہو اور فرمایا کہ ہر وقت بادل کا سایہ رہنا تو موجب تکلیف بھی ہے۔ علاوہ ازیں اگر ہر وقت بادل کا سایہ رہتا تو کیوں گرمی کے وقت حضرت ابوبکرؓ آپ پر چادر تان کر سایہ کرتے اور ہجرت کے سفر میں آپ کے لئے کیوں سایہ دار جگہ تلاش کرتے؟ ہاں کسی خاص وقت کسی حکمت کے ماتحت آپ کے سر پر بادل نے آکر سایہ کیا ہو تو تعجب نہیں۔ چنانچہ ایک دفعہ ہمارے ساتھ بھی ایسا واقعہ ہوا تھا

پھر آپ نے وہ واقعہ سنایا جو بٹالہ سے قادیان آتے ہوئے آپ کو پیش آیا تھا۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ یہ واقعہ حصہ اوّل میں درج ہو چکا ہے۔

(۳۰۹) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ پیر سراج الحق صاحب نعمانی نے مجھ سے بیان کیا کہ جب پہلے دن لودہانہ میں بیعت ہوئی تو سب سے پہلے حضرت مولوی نورالدین صاحب نے بیعت کی۔ ان کے بعد میر عباس علی نے اور پھر قاضی خواجہ علی صاحب مرحوم نے کی۔ اسی دن میاں عبداللہ صاحب سنوری اور شیخ حامد علی صاحب مرحوم اور مولوی عبداللہ صاحب جو خوست کے رہنے والے تھے اور بعض اور آدمیوں نے بیعت کی۔ میں موجود تھا مگر میں نے اس دن بیعت نہیں کی کیونکہ میرا منشا قادیان کی مسجد مبارک میں بیعت کرنے کا تھا جسے آپ نے منظور فرمایا۔ حضرت مولوی عبدالکریم صاحب بھی موجود تھے مگر انہوں نے بھی اس وقت بیعت نہیں کی بلکہ کئی ماہ بعد بیعت کی۔

(۳۱۰) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ پیر سراج الحق صاحب نعمانی نے مجھ سے بیان کیا کہ حضرت صاحب کے سونے کی کیفیت یہ تھی کہ تھوڑے تھوڑے عرصہ کے بعد آپ جاگ اُٹھتے تھے۔ اور منہ سے آہستہ آہستہ سبحان اللہ سبحان اللہ فرمانے لگ جاتے تھے اور پھر سو جاتے تھے۔

(۳۱۱) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ سیرۃ المہدی کے حصہ اوّل میں بعض غلطیاں واقع ہو گئی ہیں جن کی اصلاح ضروری ہے:۔

(۱) صفحہ ۷، روایت نمبر ۱۰ (صحیح نمبر ۱۱) میں الفاظ "پیدا ہونے لگی تو منگل کا دن تھا اسلئے حضرت صاحب نے دعا کی کہ منگل گذرنے کے بعد پیدا ہو چنانچہ وہ منگل گذرنے کے بعد بدھ کی رات کو پیدا ہوئی" کی بجائے الفاظ "پیدا ہونے لگی تو منگل کا دن تھا اسلئے حضرت صاحب نے دعا کی کہ خدا اسے منگل کے تکلیف دہ اثرات سے محفوظ رکھے" سمجھے جاویں۔

(۲) صفحہ ۵۸۔ روایت نمبر ۸۷ (صحیح نمبر ۸۹) میں الفاظ "اپنی جگہ جاکر بیٹھ گئے اور فرمایا" کے بعد الفاظ "آپ ہمارے مہمان ہیں اور" لکھنے سے رہ گئے ہیں۔ زائد کئے جاویں۔

(۳) صفحہ ۶۶ روایت نمبر ۹۸ (صحیح نمبر ۱۰۰) میں الفاظ "پھر اسی طرح لیٹ گئے" کی بجائے الفاظ "نے پھر اسی طرح اپنی کہنی رکھ لی" سمجھے جاویں۔

(۴) صفحہ ۶۶۔ روایت نمبر ۹۸ (صحیح نمبر ۱۰۰) میں "اسی سرخی کا ایک اور بڑا قطرہ" کے بعد

"کر نہ پر" کے الفاظ لکھنے سے رہ گئے ہیں، زائد کئے جاویں۔

(۵) صفحہ ۱۲۱۔ روایت نمبر ۱۳۳ (صحیح نمبر ۱۳۶) میں "کاپی مذکور میں" کے الفاظ کے بعد بجائے "ام بارچ" کے الفاظ "تو ، بارچ" سمجھے جاویں۔ نیز "مربی ام" کی بجائے .... الفاظ "مربی ابنہ" اور "دودھ" کی بجائے لفظ "شیر" سمجھے جاویں۔

(۶) صفحہ ۱۲۴ روایت نمبر ۱۳۷ (صحیح نمبر ۱۴۰) میں "مگر ایک دفعہ جب حضرت صاحب کہیں قادیان سے باہر گئے ہوئے تھے ... (تا) ... پولیس نے اس بلوہ کی تحقیقات شروع کردی تھی" کے الفاظ کی بجائے مندرجہ ذیل عبارت سمجھی جاوے "مگر ایک دفعہ ایسا اتفاق ہوا کہ ایک غریب احمدی نے اپنے مکان کے واسطے ڈھاب سے کچھ بھرتی اٹھائی تو سکھ وغیرہ ایک بڑا جتھہ بنا کر اور لاٹھیوں سے مسلح ہو کر اسکے مکان پر حملہ آور ہو گئے۔ پہلے تو احمدی بچتے رہے۔ لیکن جب انہوں نے بے گناہ آدمیوں کو مارنا شروع کیا اور مکان کو بھی نقصان پہنچانے لگے تو بعض احمدیوں نے بھی مقابلہ کیا۔ جس پر طرفین کے آدمی زخمی ہوئے اور بالآخر حملہ آوروں کو بھاگنا پڑا چنانچہ یہ پہلا موقعہ تھا کہ قادیان کے غیر احمدیوں کو عملاً پتہ لگا کہ احمدیوں کا ڈر ان سے نہیں بلکہ اپنے امام سے ہے۔ اسکے بعد پولیس نے اس واقعہ کی تحقیقات شروع کی۔"

(۷) صفحہ ۱۲۶ روایت نمبر ۱۳۸ (صحیح نمبر ۱۴۱) میں "امرت سر سے آدمی اور چھپر" کے بعد الفاظ "کا سامان" زائد کئے جاویں۔

(۸) صفحہ ۲۴۲ روایت نمبر ۲۶۶ (صحیح نمبر ۲۷۲) میں "عیسائی ہو جاؤں گا اور بھی بہت سی لوگ عیسائی ہو جائیں گے" کی بجائے الفاظ "حق کو قبول کر لونگا اور بھی بہت سے لوگ حق کو قبول کریں گے" سمجھے جاویں۔

اسکے علاوہ روایات کے نمبر میں بھی غلطی ہو گئی ہے جو درج ذیل ہے:-

(۱) صفحہ ۳ پر روائت نمبر ۵ کے بعد کی روایت بلا نمبر لکھی گئی ہے اس کا نمبر ۶ سمجھا جانا چاہیئے۔

(۲) صفحہ ۴۱ پر روایت نمبر ۶۰ کی بعد کی روایت کا نمبر نہیں لکھا گیا۔ اسکا نمبر ۶۱۔ اور صحیح نمبر ۶۲ سمجھا جانا چاہیئے۔

(۳) صفحہ ۱۴۲ روایت نمبر ۱۴۸ کے بعد کی روایت کا نمبر درج نہیں۔ اسکا نمبر ۱۴۸/۱ اور صحیح نمبر ۱۵۲ سمجھا جانا چاہیئے؛

(۴) صفحہ ۱۶۴ پر روایت نمبر ۱۶۵ کی بعد کی روایت کا نمبر درج نہیں۔ اسکا نمبر ۱۶۶۔ اور صحیح نمبر ۱۷۰ سمجھا جانا چاہیئے؛

(۵) صفحہ ۱۹۶ پر روایت نمبر ۱۷۹ کے بعد کی روایت کا نمبر دوبارہ نمبر ۱۷۹ لکھا گیا ہے۔ اسکا نمبر ۱۷۹/۱ اور صحیح نمبر ۱۸۴ سمجھا جانا چاہیئے؛

(۶) اس طرح سیرۃ المہدی حصہ اوّل کی کل روایات کا نمبر ۲۹۹ کی بجائے ۳۰۴ بنتا ہے؛ چنانچہ اسی کو ملحوظ رکھکر حصہ دوئم کی پہلی روایت کو ۳۰۵ کا نمبر دیا گیا ہے؛

(۳۱۲) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ پیر سراج الحق صاحب نعمانی نے مجھ سے بیان کیا کہ جب آتھم کی پیشگوئی کی میعاد قریب آئی تو اہلیہ صاحبہ حضرت مولوی نورالدین صاحب نے خواب میں دیکھا کہ کوئی ان سے کہتا ہے کہ ایک ہزار ماش کے دانے لے کر ان پر ایک ہزار دفعہ سورہ الم ترکیف پڑھنی چاہیئے اور پھر ان کو کسی کنوئیں میں ڈالدیا جاوے اور پھر واپس منہ پھیر کر نہ دیکھا جاوے۔ یہ خواب حضرت خلیفہ اوّل رض نے حضرت صاحب کی خدمت میں عرض کیا۔ اسوقت حضرت مولوی عبدالکریم صاحب بھی موجود تھے اور عصر کا وقت تھا۔ حضرت اقدس علیہ السلام نے فرمایا۔ کہ اس خواب کو ظاہر میں پورا کر دینا چاہیئے۔ کیونکہ حضرت کی عادت تھی کہ جب کوئی خواب خود آپ یا احباب میں سے کوئی دیکھتے تو آپ اسے ظاہری شکل میں بھی پورا کرنے کی سعی فرماتے تھے۔ چنانچہ اس موقعہ پر بھی اسی خیال سے حضرت نے ایسا فرمایا۔ اس پر حضرت مولوی عبدالکریم صاحب نے میرا اور میاں عبداللہ صاحب سنوری کا نام لیا اور حضرت نے پسند فرمایا اور ہم دونوں کو ماش کے دانوں پر ایک ہزار دفعہ سورہ الم ترکیف پڑھنے کا حکم دیا۔ چنانچہ ہم نے عشاء کی نماز کے بعد سے شروع کر کے رات کے دو بجے تک یہ وظیفہ ختم کیا۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ یہ روایت حصہ اوّل میں میاں عبداللہ صاحب سنوری کی زبانی بھی درج ہو چکی ہے۔ اور مجھے میاں عبداللہ صاحب والی روایت سُنکر تعجب ہوا تھا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے یہ فعل کس حکمت کے ماتحت کیا ہے۔ کیونکہ اس قسم کی کارروائی بظاہر آپ کے طریق عمل کے خلاف ہے

لیکن اب پیر صاحب کی روایت سے یہ عقدہ حل ہوگیا ہے کہ آپ کا یہ فعل دراصل ایک خواب کی بنا پر تھا جسے آپ نے ظاہری شکل میں بھی پورا فرمادیا۔ کیونکہ آپ کی یہ عادت تھی کہ حتی الوسع خوابوں کو ان کی ظاہری صورت میں بھی پورا کرنے کی کوشش فرماتے تھے۔ بشرطیکہ ان کی ظاہری صورت شریعت اسلامی کے کسی حکم کے خلاف نہ ہو۔ اور اس خواب میں حکمت یہ معلوم ہوتی ہے کہ جس طرح اصحاب فیل (جو عیسائی تھے) کے حملہ سے خدا نے کعبہ کو محفوظ رکھا اور اپنے پاس سے سامان پیدا کر کے ان کو ہلاک و تباہ کیا اسی طرح آتھم کی پیشگوئی والے معاملہ میں بھی عیسائیوں کا اسلام پر حملہ ہوگا اور ان کو ظاہراً اسلام کے خلاف شور پیدا کرنے کا موقعہ مل جائیگا۔ لیکن بالآخر اللہ تعالےٰ اپنے پاس سے ان کی شکست و ہزیمت کا سامان پیدا کر دے گا اور یہ کہ مومنوں کو چاہیئے کہ اس معاملہ میں خدا پر بھروسہ کریں اور اسی سے مدد کے طالب ہوں اور اس وقت کو یاد رکھیں کہ جب مکہ والے کمزور تھے اور ان پر ابرھہ کا لشکر حملہ آور ہوا تھا اور پھر خدا نے ان کو بچایا۔ نیز خاکسار عرض کرتا ہے کہ پیر صاحب اور میاں عبداللہ صاحب کی روایتوں میں بعض اختلافات ہیں جو دونوں میں سے کسی صاحب کے نسیان پر مبنی معلوم ہوتے ہیں۔ مثلاً میاں عبداللہ صاحب نے اپنی روایت میں بجائے ماش کے چنے کے دانے بیان کئے ہیں۔ مگر خواہ ان میں سے کوئی ہو ماش اور چنے ہر دو کی تعبیر علم الرویا کے مطابق غم و اندوہ کی ہے جس میں یہ اشارہ ہے کہ آتھم والے معاملہ میں بظاہر کچھ غم پیش آئیگا۔ مگر یہ غم و اندوہ سورہ الفیل کے اثر کے ماتحت بالآخر تاریک کنوئیں میں ڈال دیا جاوے گا۔ واللہ اعلم۔

(۳۱۳) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ پیر سراج الحق صاحب نے مجھ سے بیان کیا کہ حضرت اقدس علیہ السلام بیان فرماتے تھے کہ ایک دفعہ ایک خون کے مقدمہ میں میں اسیسر مقرر ہوا تھا چنانچہ آپ اسیسر بنے۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ مرزا سلطان احمد صاحب کی روائیت سے پتہ لگتا ہے کہ آپ اسیسر نہیں بنے تھے بلکہ انکار کر دیا تھا۔ سو یا تو کسی صاحب کو ان میں سے نسیان ہوا ہے یا ہر دو روایتیں دو مختلف واقعات کے متعلق ہیں۔ واللہ اعلم۔

(۳۱۴) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ پیر سراج الحق صاحب نعمانی نے مجھ سے بیان کیا کہ یہ جو سیرۃ المھدی حصہ اوّل میں میاں عبداللہ صاحب سنوری کی روایت سے حضرت کا الہام

درج ہوا ہے کہ سلطنت برطانیہ تا ہفت سال۔ بعدازاں باشد خلاف و اختلال۔ اور حاجی المجید صاحب کی یہ روایت درج ہوئی ہے کہ سلطنت برطانیہ تاہشت سال۔ بعدازاں ایام ضعف و اختلال۔ یہ میرے خیال میں درست نہیں ہے۔ مینے حضرت سے یہ الہام اس طرح پر سُنا ہے۔ قوت برطانیہ تا ہشت سال۔ بعدازاں ایام ضعف و اختلال۔ مینے اسکے متعلق حضرت سے عرض کیا کہ اس میں روحانی اور مذہبی طاقت کا ذکر معلوم ہوتا ہے یعنی ہشت سال کے بعد سلطنت برطانیہ کی مذہبی طاقت یعنی عیسائیت میں ضعف رونما ہوجائیگا۔ اور سچے مذہب یعنی اسلام اور احمدیت کا غلبہ شروع ہوجائے گا۔ حضرت نے فرمایا کہ جو ہوگا وہ ہورہیگا ہم پیش از وقت کچھ نہیں کہہ سکتے۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ میری رائے میں الفاظ الہام کے متعلق پیر صاحب کی روایت درست معلوم ہوتی ہے۔ واللہ اعلم۔

۳۱۴) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ مولوی فضل دین صاحب پلیڈر قادیان نے مجھ سے بیان کیا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے یہ لکھا ہے کہ ایک دفعہ محکمہ ڈاک کی طرف سے میرے خلاف مقدمہ ہوا تھا جس میں فیصلہ کا سارا دارومدار میرے بیان پر تھا۔ یعنی اگر میں سچ بول کر صحیح واقعہ بتا دیتا تو قانون کی رو سے یقیناً میرے لئے سزا مقدر تھی۔ اور اگر جھوٹ بول کر واقعہ سے انکار کردیتا تو محکمہ ڈاک کسی اور ذریعہ سے میرے خلاف الزام ثابت نہیں کرسکتا تھا۔ چنانچہ میرے وکیل نے بھی مجھے یہ مشورہ دیا کہ اگر بچنا چاہتے ہیں تو انکار کردیں۔ مگر مینے یہی جواب دیا کہ خواہ کچھ ہوجاوے میں خلاف واقعہ بیان نہیں کروں گا اور جھوٹ بول کر اپنے آپ کو نہیں بچاؤنگا۔ وغیرہ وغیرہ۔ مولوی صاحب نے کہا کہ حضرت صاحب کے اس بیان کے خلاف بعض غیر احمدیوں نے بڑے زور شور کے ساتھ یہ شائع کیا ہے کہ یہ ساری بات بنا دی گئی ہے۔ ڈاک خانہ کا کوئی ایسا قاعدہ نہیں ہے جو بیان کیا جاتا ہے۔ اور گویا نعوذ باللہ یہ سارا قصہ مقدمہ کا اپنی راست گفتاری ثابت کرنے کے لئے بنایا گیا ہے۔ ورنہ ڈاک خانہ کا وہ قاعدہ پیش کیا جائے۔ مولوی صاحب کہتے ہیں کہ مجھے اس اعتراض کی فکر تھی اور مینے محکمہ ڈاک کے پرانے قوانین کی دیکھ بھال شروع کی تو ۱۸۶۶ء کے ایکٹ نمبر ۱۴ دفعہ ۱۲ و ۵۶۔ اور نیز گورنمنٹ آف انڈیا کے نوٹیفکیشن نمبر ۲۴۴۲ مورخہ

۷ردسمبر ۱۸۷۷ء دفعہ ۴۳ میں صاف طور پر یہ حوالہ نکل آیا کہ فلاں فعل کا ارتکاب جرم ہے جس کی سزا یہ ہے یعنی وہی جو حضرت صاحب نے لکھی تھی اور اسپر مزید علم یہ حاصل ہوا کہ ایک عینی شہادت اس بات کی مل گئی کہ واقع میں حضرت صاحب کے خلاف محکمہ ڈاک کی طرف سے ایسا مقدمہ ہوا تھا۔ اور وہ اس طرح پر کہ میں اس حوالہ کا ذکر گورداسپور میں ملک مولا بخش صاحب احمدی کلرک آف دی کورٹ کے ساتھ کر رہا تھا کہ اوپر سے شیخ نبی بخش صاحب وکیل آگئے جو کہ گورداسپور کے ایک بہت پرانے وکیل ہیں اور سلسلہ احمدیہ کے مخالفین میں سے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے مولوی کرم دین جہلمی والے مقدمہ میں بڑی سرگرمی سے حضرت صاحب کے خلاف مقدمہ کی پیروی کی تھی۔ انہوں نے مجھ سے بیان کیا کہ یہ مقدمہ میرے سامنے گورداسپور میں ہوا تھا اور مرزا صاحب کی طرف سے شیخ علی احمد وکیل مرحوم نے پیروی کی تھی۔ چنانچہ مولوی فضل دین صاحب بیان کرتے ہیں کہ میرے کہنے پر شیخ نبی بخش صاحب نے مجھے ایک تحریری شہادت لکھ دی جس کی عبارت یہ ہے:۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ مرزا صاحب پر ڈاک خانہ والوں نے مقدمہ فوجداری دائر کیا تھا اور وہ پیروی کرتے تھے۔ مرزا صاحب کی طرف سے شیخ علی احمد وکیل پیروکار تھے۔ میں اور شیخ علی احمد کچہری میں اکٹھے کھڑے تھے جبکہ مرزا صاحب (ان کو) اپنا مقدمہ بتا رہے تھے۔ خواہ مقدمہ کم محصول کا تھا یا لفافہ (میں) مختلف مضامین کے کاغذات (ڈالنے) کا تھا۔ بہرحال اسی قسم (کا) تھا۔ چونکہ میں نے پیروی نہیں کی اسلئے دفعہ یاد نہیں رہی۔ فقط نبی بخش ۲۲-جنوری ۱۹۲۲ء۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس مقدمہ کا ذکر آئینہ کمالات اسلام میں کیا ہے۔

(۳۱۵) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ میر عنایت علی صاحب لدھیانوی نے مجھ سے بیان کیا کہ جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت صاحب کو بیعت لینے کا حکم آیا تو سب سے پہلی دفعہ لدھیانہ میں بیعت ہوئی۔ ایک رجسٹر بیعت کنندگان تیار کیا گیا جس کی پیشانی پر لکھا گیا "بیعت توبہ برائے حصول تقویٰ و طہارت" اور نام معہ ولدیت و سکونت لکھے جاتے تھے۔ اول نمبر حضرت مولوی نورالدین صاحب بیعت میں داخل ہوئے۔ دوئم میر عباس علی صاحب۔ ان کے بعد شائد خاکسار ہی سوئم نمبر پر جاتا لیکن میر عباس علی صاحب نے مجھ کو قاضی خواجہ علی صاحب کے بلانے کے لئے بھیجدیا کہ ان کو بلا لاؤ۔ غرض ہمارے دونوں کے آتے آتے سات آدمی بیعت میں داخل ہو گئے

ان کے بعد نمبر آٹھ پر قاضی صاحب بیعت میں داخل ہوئے اور نمبر نو میں خاکسار داخل ہوا۔ پھر حضرت نے فرمایا کہ شاہ صاحب اور کسی بیعت کرنے والے کو اندر بھیجدیں۔ چنانچہ مینے چودھری رستم علی صاحب کو اندر داخل کر دیا۔ اور دسویں نمبر پر وہ بیعت ہوگئے۔ اس طرح ایک ایک آدمی باری باری بیعت کے لئے اندر جاتا تھا اور دروازہ بند کر دیا جاتا تھا۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ بیعت اولی میں بیعت کرنے والوں کی ترتیب کے متعلق روایات میں کچھ اختلاف پایا جاتا ہے جو یا تو کسی راوی کے نسیان کی وجہ سے ہے اور یا یہ بات ہے کہ جس نے جو حصہ دیکھا اس کے مطابق روایت بیان کر دی ہے۔

(۳۱۶) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام بیان فرمایا کرتے تھے کہ ابھی ہماری عمر تیس سال کی ہی تھی کہ بال سفید ہونے شروع ہوگئے تھے اور میرا خیال ہے کہ پچپن سال کی عمر تک آپ کے سارے بال سفید ہو چکے ہوں گے۔ اسکے مقابلہ میں آنحضرت صلعم کے حالات زندگی کے مطالعہ سے پتہ لگتا ہے کہ وفات کے وقت آپ کے صرف چند بال سفید تھے۔ دراصل اس زمانہ میں مطالعہ اور تصنیف کے مشاغل انسان کی دماغی طاقت پر بہت زیادہ بوجھ ڈالتے ہیں۔ بایںہمہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے عام قوی آخر عمر تک بہت اچھی حالت میں رہے اور آپ کے چلنے پھرنے اور کام کاج کی طاقت میں کسی قسم کی انحطاط کی صورت رونما نہیں ہوئی۔ بلکہ مینے بھائی شیخ عبدالرحیم صاحب سے سُنا ہے کہ گو درمیان میں آپ کا جسم کسی قدر ڈھیلا ہوگیا تھا لیکن آخری سالوں میں پھر خوب سخت اور مضبوط معلوم ہوتا تھا۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ بھائی عبدالرحیم صاحب کو حضرت صاحب کے جسم کے دبانے کا کافی موقعہ ملتا تھا۔

(۳۱۷) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ میاں عبداللہ صاحب سنوری نے مجھ سے بیان کیا کہ ایک دفعہ اوائل زمانہ میں حضرت صاحب قادیان کے شمال کی طرف سیر کے لئے تشریف لے گئے۔ میں اور شیخ حامد علی مرحوم ساتھ تھے۔ میرے دل میں خیال آیا کہ سنا ہوا ہے کہ یہ لوگ دل کی باتیں بتادیتے ہیں۔ لاؤ میں امتحان لوں۔ چنانچہ میں نے دل میں سوال رکھنے شروع کئے۔ اور حضرت صاحب انہی کے مطابق جواب دیتے گئے یعنی جو سوال میں دل میں رکھتا تھا اسی کے مطابق بغیر میرے اظہار کے آپ تقریر فرمانے لگ جاتے تھے۔ چنانچہ چار پانچ دفعہ لگاتار اسی طرح ہوا۔ اس کے بعد میں نے حضرت صاحب

عرض کر دیا کہ میںنے یہ تجربہ کیا ہے۔ حضرت صاحب سُنکر ناراض ہوئے اور فرمایا تم شکر کرو تم پر اللہ کا فضل ہوگیا۔ اللہ کے مرسل اور اولیاء غیب دان نہیں ہوتے آئندہ ایسا نہ کرنا۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ میاں عبداللہ صاحب نے حضرت صاحب کو یہ نہیں بتایا تھا کہ میں دل میں کوئی سوال رکھ رہا ہوں۔ بلکہ آپ کے ساتھ جاتے جاتے خود بخود دل میں سوال رکھنے شروع کر دیئے تھے۔ نیز خاکسار عرض کرتا ہے کہ سچے اور جھوٹے مدعیوں میں ایک یہ بھی فرق ہوتا ہے کہ جھوٹا ہر بات میں اپنی بڑائی ڈھونڈتا اور بزرگی منوانا چاہتا ہے۔ اور سچے کا صرف یہ مقصود ہوتا ہے کہ راستی اور صداقت قائم ہو۔ چنانچہ ایک جھوٹا شخص ہمیشہ ایسے موقعہ پر ناجائز فائدہ اٹھا کر دوسروں کے دل میں اپنی بزرگی کا خیال پیدا کرنے کی کوشش کرتا ہے مگر سچا آدمی اپنی عزت اور بڑائی کی پروا نہیں کرتا بلکہ راستی کو قائم کرتا ہے۔ خواہ بظاہر اس میں اس کی بزرگی کو صدمہ ہی پہنچتا ہو۔

(۳۱۸) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ قاضی محمد یوسف صاحب پشاوری نے مجھے بذریعہ خط اطلاع دی ہے کہ میں جب شروع میں قادیان گیا تو ایک شخص نے اپنے لڑکے کو حضرت صاحب کے سامنے ملاقات کے لئے پیش کیا جس وقت وہ لڑکا حضرت صاحب کے مصافحہ کے لئے آگے بڑھا تو اظہار تعظیم کے لئے حضرت کے پاؤں کو ہاتھ لگانے لگا جس پر حضرت صاحب نے اپنے مبارک ہاتھوں سے اسے ایسا کرنے سے روکا اور میںنے دیکھا کہ آپ کا چہرہ سرخ ہوگیا اور آپ نے بڑے جوش میں فرمایا کہ انبیاء دنیا میں شرک مٹانے آتے ہیں اور ہمارا کام بھی شرک مٹانا ہے۔ نہ کہ شرک قائم کرنا۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ یوں تو اسلام کا لب لباب ہی ادب و احترام ہے۔ چنانچہ الطریقۃ کلھا ادب اسی حقیقت کو ظاہر کرتا ہے مگر جب کسی غیر اللہ کی تعظیم اس حد کو پہنچتی ہے جو صرف خدا کے شایان شان ہے تو وہ شرک کہلاتی ہے جو سب بدیوں سے بدتر بدی ہے اور دراصل الطریقۃ کلھا ادب کا بھی یہی منشاء ہے کہ ہر چیز کا اسکے مرتبہ کے مطابق ادب و احترام کیا جاوے نہ کم نہ زیادہ کیونکہ افراط و تفریط ہر دو ہلاکت کی راہیں ہیں۔

(۳۱۹) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ ڈاکٹر میر محمد اسمٰعیل صاحب نے مجھ سے بیان کیا کہ ۱۸۹۵ء میں مجھے تمام ماہ رمضان قادیان میں گذارنے کا اتفاق ہوا اور میںنے تمام مہینہ حضرت صاحب کے پیچھے نماز تہجد یعنی تراویح ادا کی۔ آپ کی یہ عادت تھی کہ وتر اول شب میں پڑھ لیتے تھے اور نماز

تہجد آٹھ رکعت ، دو دو رکعت کر کے آخر شب میں ادا فرماتے تھے جس میں آپ ہمیشہ پہلی رکعت میں آیت الکرسی تلاوت فرماتے تھے یعنی اللہ لا الٰہ الا ھو سے وھو العلی العظیم تک اور دوسری رکعت میں سورہ اخلاص کی قرأۃ فرماتے تھے اور رکوع اور سجود میں یا حی یا قیوم برحمتک استغیث اکثر پڑھتے تھے اور ایسی آواز سے پڑھتے تھے کہ آپکی آواز میں سن سکتا تھا نیز آپ ہمیشہ سحری نماز تہجد کے بعد کھاتے تھے اور اس میں اتنی تاخیر فرماتے تھے کہ بعض دفعہ کھاتے کھاتے اذان ہو جاتی تھی اور آپ بعض اوقات اذان کے ختم ہونے تک کھانا کھاتے رہتے تھے۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ دراصل مسئلہ تو یہ ہے کہ جب تک صبح صادق افق مشرق سے نمودار نہ ہو جائے سحری کھانا جائز ہے۔ اذان کے ساتھ اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ لیکن چونکہ صبح کی اذان کا وقت بھی صبح صادق کے ظاہر ہونے پر مقرر ہے اسلئے لوگ عموماً سحری کی حد اذان کو سمجھ لیتے ہیں۔ قادیان میں چونکہ صبح کی اذان صبح صادق کے پھوٹتے ہی ہو جاتی ہے بلکہ ممکن ہے کہ بعض اوقات غلطی اور بے احتیاطی سے اس سے بھی قبل ہو جاتی ہو اسلئے ایسے موقعوں پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام اذان کا چنداں خیال نہ فرماتے تھے اور صبح صادق کے تبین تک سحری کھاتے رہتے تھے اور دراصل شریعت کا منشاء بھی اس معاملہ میں یہ نہیں ہے کہ جب علمی اور حسابی طور پر صبح صادق کا آغاز ہو اسکے ساتھ ہی کھانا ترک کر دیا جاوے بلکہ منشاء یہ ہے کہ جب عام لوگوں کی نظر میں صبح کی سفیدی ظاہر ہو جاوے اس وقت کھانا چھوڑ دیا جائے چنانچہ تبیّن کا لفظ اسی بات کو ظاہر کر رہا ہے۔ حدیث میں بھی آتا ہے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ بلال رضؓ کی اذان پر سحری نہ چھوڑا کرو بلکہ ابن مکتوم رضؓ کی اذان تک بے شک کھاتے پیتے رہا کرو۔ چونکہ ابن مکتوم رضؓ نابینا تھے اور جب تک لوگوں میں شور نہ پڑ جاتا تھا کہ صبح ... ہو گئی ہے ... ہے اسوقت تک اذان نہ دیتے تھے

(۳۲۰) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ ... صاحب سنوری نے مجھ سے بیان کیا کہ جب حضرت مسیح موعود کو الہام الٰہی کے ذریعہ ... آپ اس صدی کے مجدد ہیں (ابھی تک آپ کو مسیحیت و مہدویت کا دعویٰ نہ تھا ... کے ذریعہ جا ... اردو اور انگریزی ہر دو زبانوں میں شائع کیا گیا تھا یہ اعلان ... نہ کا مجدد مقرر فرمایا ہے اور مجھے اس کام کے لئے مامور فرمایا ہے کہ ... دوسرے مذاہب کے ثابت و قائم

کروں اور نیز اصلاح اور تجدید دین کا کام بھی میرے سپرد فرمایا گیا ہے اور نیز آپ نے یہ بھی لکھا کہ میرے اندر روحانی طور پر مسیح بن مریم کے کمالات ودلیعت کئے گئے ہیں۔ اور آپ نے تمام دنیا کے مذاہب کے متبعین کو دعوت دی کہ وہ آپ کے سامنے آکر اسلام کی صداقت کا امتحان کریں اور اپنے روحانی امراض سے شفا پائیں۔ یہ اشتہار بیس ہزار کی تعداد میں شائع کیا گیا اور منشی عبداللہ صاحب سنوری بیان کرتے ہیں کہ پھر بڑے اہتمام کے ساتھ تمام دنیا کے مختلف حصوں میں بذریعہ رجسٹرڈ ڈاک اسکی اشاعت کی گئی۔ چنانچہ تمام بادشاہوں وفرماں روایانِ دول ووزراء ومدبرین ومصنفین وعلماء دینی ونوابوں وراجوں وغیرہ وغیرہ کو یہ اشتہار ارسال کیا گیا اور اس کام کے لئے بڑی محنت کے ساتھ پتے حاصل کئے گئے اور حتی الوسع دنیا کا کوئی ایسا معروف آدمی نہ چھوڑا گیا جو کسی طرح کوئی اہمیت یا اثر یا شہرت رکھتا ہو اور پھر اسے یہ اشتہار نہ بھیجا گیا ہو۔ کیونکہ حضرت صاحب نے فرمایا تھا کہ جہاں جہاں ہندوستان کی ڈاک پہنچ سکتی ہے وہاں وہاں ہم یہ اشتہار بھیجیں گے۔ نیز میاں عبداللہ صاحب بیان کرتے ہیں کہ اس کا اردو حصہ پہلے چھپ چکا تھا اور انگریزی بعد میں ترجمہ کرا کے اس کی پشت پر چھپوایا گیا۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ یہ اشتہار ابتداءً غالباً ۱۸۸۴ء میں شائع کیا گیا اور پھر بعد میں شحنہ حق" اور "آئینہ کمالات اسلام" اور "برکات الدعاء" کے ساتھ بھی اس کی اشاعت کی گئی۔ اور میاں عبداللہ صاحب بیان کرتے ہیں کہ حضرت صاحب نے اس کے ترجمہ کے لئے مجھے میاں الٰہی بخش اکونٹنٹ لاہور کے پاس بھیجا تھا اور فرمایا تھا کہ وہیں لاہور میں اس کا ترجمہ کرا کے چھپوا لیا جاوے۔

(۳۲۱) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ سیرۃ المہدی کے حصہ اول کی روایت نمبر ۶ میں جو سنگترہ کا واقعہ خاکسار نے لکھا ہے اسکے متعلق میرے ایک بزرگ نے مجھ سے فرمایا کہ میرے نزدیک یہ روایت قابل توجیہہ ہے اور مجھے ایسا خیال آتا ہے کہ چونکہ اس وقت حضرت میاں صاحب یعنی حضرت خلیفۃ المسیح ثانی ایدہ اللہ ابھی بالکل بچہ تھے اسلئے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کو خوش کرنے کے لئے بطور مزاح کے ایسا کیا ہوگا کہ چپکے سے اپنی جیب میں سے سنگترہ نکال کر درخت پر ہاتھ مارا ہوگا اور پھر ان کو وہ سنگترہ دیدیا ہوگا۔ ورنہ اگر واقعی ایسا خلق عادت امر ہیں آتا تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنی کسی تصنیف یا تقریر میں اسکا ذکر فرماتے جیسا کہ آپ نے کرم پر سرخی کے چھینٹے پڑنے کا ذکر فرمایا ہے۔ خاکسار اس رائے کو وقعت کی نظر سے

دیکھتا ہے اور عقلاً اس بات کو تسلیم کرتا ہے کہ ممکن ہے کہ ایسا ہی ہوا ور اسی لئے خاکسار نے جب یہ روایت لکھی تھی تو اسے بغیر نوٹ کے چھوڑ دیا تھا۔ لیکن خاکسار اس واقعہ کے ظاہر پہلو کو بھی ہرگز ناممکن الوقوع نہیں سمجھتا اور نہ میرے وہ بزرگ جنہوں نے یہ رائے ظاہر کی ہے ایسا خیال فرماتے ہیں۔ اور میرے نزدیک حضرت صاحب کے اسے شائع نہ کرنے سے بھی یہ استدلال یقینی طور پر نہیں ہوتا کہ یہ واقعہ حضرت کی طرف سے بچہ کو خوش کرنے کے لئے مزاحاً ظہور پذیر ہوا تھا۔ جہاں تک میں نے غور کیا ہے اللہ تعالیٰ کی یہ سنت ہے کہ جو نشانات وہ اپنے کسی نبی یا مامور کے ہاتھ پر ظاہر کرتا ہے وہ عموماً دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک وہ جو مخالفین کے لئے ظاہر کئے جاتے ہیں اور دوسرے وہ جو مومنین کے لئے ظہور پذیر ہوتے ہیں۔ اوّل الذکر قسم میں اخفاء کا پردہ زیادہ رکھا جاتا ہے اور احتمالات کے پہلو زیادہ کھلے رہتے ہیں۔ مگر ثانی الذکر قسم میں معاملہ اخفاء کم ہوتا ہے اور کچھ کچھ شہود کا پہلو غالب ہوتا جاتا ہے۔ یہ اسلئے کہ خداوند تعالےٰ نے اپنی نہائت حکیمانہ فعل سے یہ مقدر کیا ہے کہ ایمان کی ابتداء غیب سے شروع ہو اور پھر جوں جوں ایک انسان ایمان کے راستہ پر قدم اُٹھاتا جاتا ہے اسکے لئے علیٰ قدر مراتب شہود کے دروازے کھولے جاتے ہیں۔ میں یقین رکھتا ہوں اور میرے اس یقین کے میرے پاس وجوہ ہیں کہ کئی نشانات انبیاء و مرسلین پر ایسے ظاہر ہوتے ہیں کہ جن کا وہ کسی فرد بشر پر بھی اظہار نہیں کرتے۔ کیونکہ وہ محض ان کی ذات کے لئے ہوتے ہیں۔ اور ایسے نشانات میں ان کے مقام قرب و عرفان کے مطابق پورا پورا شہود کا رنگ ہوتا ہے۔ پس اگر کوئی خارق عادت امر حضرت مسیح موعود پر ظاہر ہوا ہو اور حضرت نے اسکو عام طور پر ظاہر نہ کیا ہو تو میرے نزدیک یہ بات ہرگز قابل تعجب نہیں ہے۔ واللہ اعلم۔ یہ حقیقت جو خاکسار نے بیان کی ہے آنحضرت صلعم (فداہٗ نفسی) کے حالات زندگی میں بھی واضح طور پر نظر آتی ہے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ تھوڑے کھانے سے زیادہ آدمیوں کے شکم سیر ہو جانے اور تھوڑے پانی سے ایک بڑی جماعت کے سیراب ہو جانے اور آپ کی انگلیوں سے پانی کے پھوٹ پھوٹ کر بہنے وغیرہ وغیرہ واقعات صرف صحابہ کی جماعت کے لئے ظاہر ہوئے اور مشرکین کو (جن کو بظاہر ان باتوں کی زیادہ ضرورت تھی) ان نشانات میں سے حصہ نہ ملا جس کی یہی وجہ تھی کہ جو نشانات مشرکین کو دکھائے گئے ان میں زیادہ اخفاء مقصود تھا۔ ہاں اس

موقعہ پر مجھے یہ بھی یاد آیا کہ خود حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ہاتھ پر کھانے کے زیادہ ہو جانے کا خارق عادت امر ظاہر ہوا مگر اسکے دیکھنے والے صرف آپ کے خاص خاص صحابہ تھے اور آپ نے کبھی ان باتوں کا عام طور پر اظہار نہیں فرمایا۔ اور کرتہ پر سرخی کے چھینٹے پڑنے کو جو آپ نے ظاہر فرمایا تو اوّل تو خود اسکے متعلق میاں عبداللہ صاحب کی روایت سے ظاہر ہے کہ ابتداءً آپ نے اسے مخفی رکھنے کی کوشش فرمائی تھی اور پھر میاں عبداللہ صاحب کے اصرار پر اسے بڑی لمبی چوڑی تمہید کے بعد ظاہر فرمایا تھا۔ علاوہ ازیں اسکے بیان کرنے میں خاص حکمت تھی اور وہ یہ کہ مسئلہ قدامت روح و مادہ کی بحث میں خلق مادہ کے اثبات کے لئے اس کے اظہار کی ضرورت پیش آگئی تھی۔ اور چونکہ کرتہ جس پر چھینٹے پڑے تھے موجود تھا اور اسکے ساتھ ایک دوسرے شخص کی (جو اس واقعہ کے وقت عاقل بالغ مرد تھا اور حضرت کے ساتھ کوئی دنیاوی یا جسمانی تعلق نہ رکھتا تھا) عینی شہادت بھی موجود تھی اس لئے آپ نے اس واقعہ کو خدمت اسلام اور جہاد فی سبیل اللہ کی غرض سے ظاہر فرمایا اور ایک آریہ معترض پر حجت پوری کی۔ واللہ اعلم۔ علاوہ ازیں یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ اس روایت میں حضرت والدہ صاحبہ بھی راویہ ہیں۔

(۳۲۲) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ سیرۃ المہدی کے حصہ اوّل کی روایت نمبر ۱۰ (صحیح نمبر ۱۱) میں خاکسار نے یہ لکھا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام منگل کے دن کو اچھا نہیں سمجھتے تھے۔ اس کا مطلب بعض لوگوں نے غلط سمجھا ہے۔ کیونکہ انہوں نے اس سے ایسا نتیجہ نکالا ہے کہ گویا منگل کا دن ایک منحوس دن ہے جس میں کسی کام کی ابتداء نہیں کرنی چاہئے۔ ایسا خیال کرنا درست نہیں۔ اور نہ حضرت صاحب کا یہ مطلب تھا۔ بلکہ منشاء یہ ہے کہ جیسا کہ حدیث سے ثابت ہے دن اپنی برکات کے لحاظ سے ایکدوسرے پر فوقیت رکھتے ہیں۔ مثلاً جمعہ کا دن مسلمانوں میں مسلمہ طور پر مبارک ترین دن سمجھا گیا ہے۔ اس سے اُتر کر جمعرات کا دن اچھا سمجھا جاتا ہے۔ چنانچہ آنحضرت صلعم عموماً اپنے سفروں کی ابتداء اس دن میں فرماتے تھے۔ خلاصہ کلام یہ کہ دن اپنی برکات و تاثیرات کے لحاظ سے ایک دوسرے پر فوقیت رکھتے ہیں اور اس توازن اور مقابلہ میں منگل کا دن گویا سب سے پیچھے ہے۔ کیونکہ وہ شدائد اور سختی کا اثر رکھتا ہے۔ جیسا کہ حدیث میں بھی مذکور ہے۔ نہ یہ کہ نعوذ باللہ منگل کوئی منحوس دن ہے۔

پس حتی الوسع اپنے اہم کاموں کی ابتداء کے لئے سب سے زیادہ افضال و برکات کے اوقات کا انتخاب کرنا چاہئے۔ لیکن ایسا بھی نہ ہو کہ اس غرض کو پورا کرنے کے لئے کوئی نقصان برداشت کیا جاوے یا کسی ضروری اور اہم کام میں توقف کو راہ دیا جاوے۔ ہر ایک بات کی ایک حد ہوتی ہے اور حد سے تجاوز کرنے والا شخص نقصان اُٹھاتا ہے اور میں نے دیکھا ہے کہ جو لوگ دنوں وغیرہ کے معاملہ میں ضرورت سے زیادہ خیال رکھتے ہیں۔ ان پر بالآخر توہم پرستی غالب آجاتی ہے۔ "گر حفظ مراتب نہ کنی زندیقی" کا اصول جیسا کہ اشخاص کے معاملہ میں چسپاں ہوتا ہے۔ ویسا ہی دوسرے امور میں بھی صادق آتا ہے۔ اور یہ سوال کہ دنوں کی تاثیرات میں تفاوت کیوں اور کس وجہ سے ہے یہ ایک علمی سوال ہے جس کے اُٹھانے کی اسجگہ ضرورت نہیں۔ نیز خاکسار عرض کرتا ہے کہ حصہ اوّل کی منگل والی روایت میں ایک غلطی واقع ہوگئی تھی جو اب حصہ دوئم کی روائت نمبر ۳۱۱ میں درست کر دی گئی ہے۔

(۳۲۳) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ اگر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اخلاق ذاتی کا مطالعہ کیا جاوے تو خدا اور اسکے رسول کی محبت ایک نہائت نمایاں حصہ لئے ہوئے نظر آتی ہے۔ آپ کی ہر تقریر و تحریر ہر قول و فعل ہر حرکت و سکون اسی عشق و محبت کے جذبہ سے لبریز پائے جاتے ہیں۔ اور یہ عشق اس درجہ کمال کو پہنچا ہوا تھا کہ تاریخ عالم میں اس کی نظیر نہیں ملتی۔ دشمن کی ہر سختی کو آپ اس طرح برداشت کر جاتے تھے کہ گویا کچھ ہوا ہی نہیں اور اس کی طرف سے کسی قسم کی ایذا رسانی اور تکلیف دہی اور بدزبانی آپ کے اندر جوش و غیظ و غضب کی حرکت نہ پیدا کر سکتی تھی مگر آنحضرت صلعم کے وجود باجود کے خلاف ذرا سی بات بھی آپ کے خون میں وہ جوش اور اُبال پیدا کر دیتی تھی کہ اسوقت آپ کے چہرہ پر جلال کیوجہ سے نظر نہ جم سکتی تھی۔ دشمن اور دوست، اپنے اور بیگانے سب اس بات پر متفق ہیں کہ جو عشق و محبت آپ کو سرور کائنات کی ذات والا صفات سے تھا اس کی نظیر کسی زمانہ میں کسی مسلمان میں نہیں پائی گئی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ آپ کی زندگی کا ستون اور آپ کی روح کی غذا بس یہی محبت ہے۔ جس طرح ایک عمدہ قسم کے اسفنج کا ٹکڑہ جب پانی میں ڈال کر نکالا جاوے تو اس کا ہر رگ و ریشہ اور ہر خانہ و گوشہ پانی سے بھر پور نکلتا ہے اور اس کا کوئی حصہ ایسا نہیں رہتا کہ جس میں پانی کے سوا کوئی اور چیز ہو۔ اسی طرح ہر دیکھنے والے کو نظر آتا تھا کہ آپ کے جسم اور روح مبارک کا ہر ذرہ عشق الٰہی اور عشق رسول سے ایسا بھرپور ہے کہ اس میں کسی اور چیز کی گنجائش

نہیں اللّٰھم صل علیہ وعلیٰ مطاعہ محمدؐ وبارک وسلم۔ واقعی جو ایمان محبت سے خالی ہے وہ ایک کوڑی کے مول کا نہیں۔ وہ ایک خشک فلسفیانہ عقیدہ ہے جس کا خدا کے دربار میں کچھ بھی وزن نہیں۔ اعمال کا ایک پہاڑ جو عشق و محبت سے معرّا ہے۔ محبت کے ایک ذرہ سے جو خواہ اعمال سے خالی ہو وزن میں کمتر ہے۔ مجھے وہ وقت کبھی نہیں بھولتا جب مینے حدیث میں یہ پڑھا کہ ایک شخص نے آنحضرت صلعم سے دریافت کیا کہ یارسول اللہ! قیامت کب آئیگی؟ آپ نے فرمایا کہ تم جو قیامت کا پوچھتے ہو تو اسکے لئے تم نے تیاری کیا کی ہے؟ اس شخص نے عرض کیا "یارسول اللہ نماز روزہ اور صدقہ وغیرہ کی تیاری تو زیادہ ہے نہیں۔ مگر ہاں اللہ اور اسکے رسول کی محبت دل میں رکھتا ہوں" مجھے وہ وقت نہیں بھولا کہ جب مینے اس شخص کا یہ قول پڑھا اور میری خوشی کی کوئی حد نہ رہی اور میں اس خوشی کو کبھی نہیں بھولوں گا اور نہ بھول سکتا ہوں کہ جب میری نظر آنحضرت صلعم (فداہ نفسی) کے اس جواب پر پڑی کہ انت مع من احببت یعنی "تسلی رکھ تو وہیں رکھا جاویگا جہاں تیرے محبوب لوگ ہوں گے"۔ ایک اور دوسرے موقع پر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ المرأ مع من احب یعنی انسان کو اس کے محبوب لوگوں کے پاس رکھا جاوے گا۔ میرا یہ مطلب نہیں حاشا وکلّا کہ اعمال کے پہلو کو کمزور کرکے دکھاؤں۔ قرآن شریف نے مومن کی شان میں جہاں جہاں بھی ایمان کا ذکر کیا ہے وہاں لازماً ساتھ ہی اعمال صالح کا بھی ذکر کیا ہے۔ اور یہ بات عقلاً بھی محال ہے کہ محبت اور ایمان تو ہو مگر اعمال صالح کے بجالانے کی خواہش اور کوشش نہ ہو۔ عملی کمزوری ہو جانا ایک علیحدہ امر ہے مگر سنت نبوی کی اتباع اور اعمال صالح کے بجالانے کی خواہش اور کوشش کبھی ایمان سے جدا نہیں ہو سکتے۔ اور جو شخص محبت کا مدعی ہے اور اپنے محبوب کے احکام اور منشاء کے پورا کرنے کی کوشش نہیں کرتا وہ اپنے دعویٰ میں جھوٹا ہے۔ پس میرے اس بیان سے ہرگز یہ مراد نہیں کہ اعمال کی اہمیت کو کم کرکے دکھاؤں بلکہ مطلب یہ ہے کہ اخلاص و محبت کی اہمیت کو واضح کروں اور اس حقیقت کی طرف اشارہ کروں کہ خشک ملانوں کی طرح آنکھیں بند کرکے محض شریعت کے پوست پر چنگل مارے رکھنا ہرگز فلاح کا رستہ نہیں ہے۔

(۳۲۴) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ حضرت والدہ صاحبہ نے مجھ سے بیان کیا کہ ایک دفعہ تمہارے بھائی مبارک احمدؐ مرحوم سے بچپن کی بے پروائی میں قرآن شریف کی کوئی بے حرمتی

ہوگئی اس پر حضرت مسیح موعود کو اتنا غصہ آیا کہ آپ کا چہرہ سرخ ہوگیا اور آپ نے بڑے غصہ میں مبارک احمد کے شانہ پر ایک طاچپہ مار اجس سے اس کے نازک بدن پر آپ کی انگلیوں کا نشان اُٹھ آیا اور آپ نے اس غصہ کی حالت میں فرمایا کہ اسکو اسوقت میرے سامنے سے لے جاؤ۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ مبارک احمدؒ مرحوم ہم سب بھائیوں میں سے عمر میں چھوٹا تھا اور حضرت صاحب کی زندگی میں ہی فوت ہوگیا تھا۔ حضرت صاحب کو اس سے بہت محبت تھی چنانچہ اس کی وفات پر جو شعر آپ نے کتبہ پر لکھے جانے کے لئے کہے اس کا ایک شعر یہ ہے ؎

جگر کا ٹکڑا مبارک احمدؒ جو پاک شکل اور پاک خو تھا
وہ آج ہم سے جدا ہوا ہے ہمارے دل کو حزیں بنا کر

مبارک احمدؒ بہت نیک سیرت بچہ تھا اور وفات کے وقت اس کی عمر صرف کچھ اوپر آٹھ سال کی تھی۔ لیکن حضرت صاحب نے قرآن شریف کی بے حرمتی دیکھ کر اس کی تادیب ضروری سمجھی ۔

(۳۲۵) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ میاں بنی بخش صاحب متوطن بن باجوہ ضلع سیالکوٹ نے مجھ سے بیان کیا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت بابرکت میں میں نے عرض کیا کہ میں حضور کے واسطے ایک انگوٹھی بنا کر پیش کرنا چاہتا ہوں اسکے نگینہ پر کیا الفاظ لکھے جاویں؟ حضرت صاحب نے فرمایا "مولابس" کے الفاظ لکھ دیں۔ چنانچہ میں نے ایک چاندی کی انگوٹھی بنا کر حضور کی خدمت میں پیش کر دی۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ یہ وہی انگوٹھی ہے جس کا سیرۃ المہدی حصہ اوّل کی روائت نمبر ۱۵ (صحیح نمبر ۱۶) میں ذکر گذر چکا ہے۔ نیز خاکسار عرض کرتا ہے کہ "مولابس" کے الفاظ گویا ایک طرح الیس اللہ بکاف عبدہٗ کا ترجمہ ہیں۔ اور اس حالت رضا و فنا کو ظاہر کر رہے ہیں جو حضرت مسیح موعود کے قلب صافی پر ہر وقت طاری رہتی تھی۔

(۳۲۶) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ ڈاکٹر میر محمد اسماعیل صاحب نے مجھ سے بیان کیا کہ میں نے کئی دفعہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اُترے ہوئے کپڑوں کو ناک کے ساتھ لگا کر سونگھا ہے مجھے کبھی بھی ان میں پسینہ کی بو نہیں آئی۔ یہ خیال مجھے اس طرح آیا کہ میں نے اپنی والدہ صاحبہ (خاکسار کی نانی اماں) سے یہ سنا تھا کہ جس طرح اور لوگوں کے کپڑوں میں پسینہ کی بو ہوتی ہے

اس طرح حضرت صاحب کے کپڑوں میں بالکل نہیں ہوتی۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ ظاہری صفائی کے متعلق اسلام میں بڑی تاکید کے ساتھ احکام پائے جاتے ہیں اور غسل کرنے اور کپڑے صاف رکھنے اور خوشبو لگانے کی بہت تاکید آئی ہے۔ کیونکہ علاوہ طبی طور پر مفید ہونے کے ظاہری صفائی کا باطنی صفائی پر بھی اثر پڑتا ہے۔ اور روح کی شگفتگی اور بشاشت جسم کی طہارت اور پاکیزگی سے متاثر ہوتی ہے۔ اس وجہ سے انبیاء اور مرسلین کو خصوصاً ظاہری صفائی کا بہت خیال رہتا ہے۔ اور وہ اپنے بدن اور کپڑوں کو نہائت پاک وصاف حالت میں رکھتے ہیں اور کسی قسم کی عفونت اور بدبو کو اپنے اندر پیدا نہیں ہونے دیتے۔ کیونکہ ان کو ہر وقت خدا کے دربار میں کام پڑتا ہے اور فرشتوں سے ملاقات رہتی ہے جہاں کسی قسم کی بدبودار چیز کو رسائی نہیں ہو سکتی۔ نیز خاکسار عرض کرتا ہے کہ حافظ روشن علی صاحب نے مجھ سے بیان کیا کہ میں نے کئی دفعہ دیکھا ہے کہ جس جگہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام جمعہ کے دن نماز میں سجدہ کیا کرتے تھے وہاں سے کئی کئی دن تک بعد میں خوشبو آتی رہتی تھی۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ اس کی بھی یہی وجہ ہے کہ حضرت مسیح موعود بہت کثرت کے ساتھ خوشبو کا استعمال فرماتے تھے ورنہ جیسا کہ بعض وقت عوام سمجھنے لگ جاتے ہیں۔ یہ کوئی معجزہ نہیں ہوتا۔ اور نہ کوئی خارق عادت بات ہوتی ہے۔ بلکہ غیر معمولی صفائی اور طہارت کے نتیجے میں یہ حالت پیدا ہو جاتی ہے۔ مگر افسوس کہ آجکل کے مسلمان جہاں اور خوبیوں کو کھو بیٹھے ہیں وہاں صفائی اور طہارت کی خوبی سے بھی الا ماشاء اللہ معرا ہیں اور جن لوگوں کو کچھ تھوڑا بہت صفائی کا خیال رہتا ہے ان کی نظر بھی صرف سطحی صفائی تک محدود رہتی ہے۔ یعنی اوپر کے کپڑے جو نظر آتے ہیں وہ تو صاف رکھے جاتے ہیں۔ لیکن بدن اور بدن کے ساتھ کے کپڑے نہائت درجہ میلے اور متعفن حالت میں رہتے ہیں۔

(۳۲۷) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ حضرت خلیفۃ المسیح ثانی ایدہ اللہ بنصرہ نے بیان فرمایا کہ جب میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زندگی میں حضرت مولوی نورالدین صاحب خلیفہ اوّل رضی اللہ عنہ سے حدیث پڑھتا تھا تو ایک دفعہ گھر میں مجھ سے حضرت صاحب نے دریافت فرمایا کہ میاں تم آجکل مولوی صاحب سے کیا پڑھا کرتے ہو؟ میں نے کہا بخاری پڑھتا ہوں!

آپ نے مسکراتے ہوئے فرمایا کہ مولوی صاحب سے یہ پوچھنا کہ بخاری میں نہانے کا ذکر بھی کہیں آتا ہے یا نہیں؟ خاکسار عرض کرتا ہے کہ حضرت مولوی صاحب نہانے وغیرہ کے معاملہ میں کچھ بے پروائی فرماتے تھے اور کپڑوں کے صاف رکھنے اور جلدی جلدی بدلنے کا بھی چنداں خیال نہ رکھتے تھے اسلئے ان کو متوجہ کرنے کے لئے حضرت صاحب نے یہ الفاظ فرمائے ہونگے۔

(۳۲۸) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ ایک دفعہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام لاہور تشریف لے گئے تو شیخ رحمت اللہ صاحب مرحوم لاہوری نے اپنے مکان پر حضرت صاحب کو دعوت دی چنانچہ حضرت صاحب ان کی کوٹھی پر تشریف لے گئے۔ اس موقعہ پر مستری محمد مہدی صاحب نے حضرت صاحب سے سوال کیا کہ حضور لوگوں میں مشہور ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بدن مبارک پر مکھی نہیں بیٹھتی تھی اور آپ جب پاخانہ کرتے تھے تو زمین اسے فوراً نگل لیتی تھی، کیا یہ درست ہے؟ حضرت صاحب نے فرمایا کہ یہ فضول باتیں ہیں جو یونہی بعد میں لوگوں نے بنالی ہیں۔ اور پھر آپ نے چند منٹ تک اس قسم کے مسئلوں کے متعلق ایک مختصر سی اصولی تقریر فرمائی جس کا ماحصل یہ تھا کہ انبیاء اپنے جسمانی حالات میں دوسرے لوگوں کی طرح ہوتے ہیں، اور خدا کے عام قانون کے باہر ان کا طریق نہیں ہوتا۔ میں اسوقت بچہ تھا مگر یہ باتیں اور اس مجلس کا نقشہ اب تک میرے ذہن میں اسی طرح تازہ ہے۔

(۳۲۹) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ ڈاکٹر میر محمد اسماعیل صاحب نے مجھ سے بیان کیا کہ میں نے کبھی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زبان سے غصہ کی حالت میں بھی گالی یا گالی کا ہمرنگ لفظ نہیں سُنا۔ زیادہ سے زیادہ بیوقوف یا جاہل یا احمق کا لفظ فرمادیا کرتے تھے اور وہ بھی کسی ادنیٰ طبقے کے ملازم کی کسی سخت غلطی پر شاذ و نادر کے طور پر۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ مجھے جہاں تک یاد ہے حضرت صاحب کسی ملازم کی سخت غلطی یا بیوقوفی پر جانور کا لفظ استعمال فرماتے تھے، جس سے منشاء یہ ہوتا تھا کہ تم نے جو یہ فعل کیا ہے۔ یہ انسان کے شایان شان نہیں۔ بلکہ جانوروں کا سا کام ہے۔

(۳۳۰) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ مکرم ڈاکٹر میر محمد اسماعیل صاحب نے مجھ سے بیان کیا کہ مجھے پچیس سال تک حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عادات و اطوار اور شمائل کو

بغور دیکھنے کا موقعہ ملا ہے۔ گھر میں بھی اور باہر بھی۔ میںنے اپنی ساری عمر میں آجتک کامل طور پر تصنع سے خالی سوائے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے کسی کو نہیں دیکھا۔ حضور کے کسی قول یا فعل یا حرکت وسکون میں بناوٹ کا شائبہ تک بھی میںنے کبھی محسوس نہیں کیا۔

(۳۳۱) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ ڈاکٹر میر محمد اسماعیل صاحب نے مجھ سے بیان کیا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کبھی کبھی اپنے بچّوں کو پیار سے چھیڑا بھی کرتے تھے اور وہ اس طرح سے کہ کبھی کسی بچّہ کا پہنچہ پکڑ لیا۔ اور کوئی بات نہ کی خاموش ہو رہے یا بچّہ لیٹا ہوا ہو تو اس کا پاؤں پکڑ کر اسکے تلوے کو سہلانے لگے۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ میر صاحب کی اس روایت نے میرے دل میں ایک عجیب دردآمیز مسرت وامتنان کی یاد تازہ کی ہے۔ کیونکہ یہ پہنچہ پکڑ کر خاموش ہو جانے کا واقعہ میرے ساتھ بھی (ہاں اس خاکسار عاصی کے ساتھ جو خدا کے مقدس مسیح کی جوتیوں کی خاک جھاڑنے کی بھی قابلیت نہیں رکھتا) کئی دفعہ گذرا ہے۔ وذٰلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء۔ ورنہ "ہم کہاں بزم شہریار کہاں"۔

(۳۳۲) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ ڈاکٹر میر محمد اسماعیل صاحب نے مجھ سے بیان کیا کہ ابتدائی ایام کا ذکر ہے کہ والد بزرگوار (یعنی خاکسار کے نانا جان حضرت میر ناصر نواب صاحب مرحوم) نے اپنا ایک بانات کا کوٹ جو مستعمل تھا ہمارے خالہ زاد بھائی سید محمد سعید کو جو ان دنوں میں قادیان میں تھا کسی خادمہ عورت کے ہاتھ بطور ہدیہ بھیجا۔ محمد سعید نے نہائت حقارت سے وہ کوٹ واپس کر دیا۔ اور کہا کہ میں مستعمل کپڑا نہیں پہنتا۔ جب وہ خادمہ یہ کوٹ واپس لا رہی تھی تو رستہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس سے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ اسنے جواب دیا کہ میر صاحب نے یہ کوٹ محمدّ سعید کو بھیجا تھا مگر اسنے واپس کر دیا ہے کہ میں اُترا ہوا کپڑا نہیں پہنتا۔ حضرت صاحب نے فرمایا کہ اس سے میر صاحب کی دل شکنی ہوگی۔ تم یہ کوٹ ہمیں دے جاؤ ہم پہنینگے اور ان سے کہدینا کہ میںنے رکھ لیا ہے۔

(۳۳۳) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ ڈاکٹر میر محمد اسماعیل صاحب نے مجھ سے بیان کیا کہ مولوی عبدالکریم صاحب مرحوم فرماتے تھے کہ ایک دفعہ دوپہر کے وقت میں مسجد مبارک میں داخل ہوا تو اسوقت حضرت مسیح موعودؑ اکیلے گنگناتے ہوئے حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کا

یہ شعر پڑھ رہے تھے اور ساتھ ساتھ ٹہلتے بھی جاتے تھے :-

كنت السواد لناظري فعمي عليك الناظر

من شاء بعدك فليمت فعليك كنت احاذر

میری آہٹ سنکر حضرت صاحب نے چہرے پر سے رومال والا ہاتھ اُٹھالیا تو میں نے دیکھا کہ آپ کی آنکھوں سے آنسو بہ رہے تھے۔ خاکسار عرض کرتا ہے حضرت حسان آنحضرت صلعم کے صحابہ میں سے تھے اور گویا آپ کے درباری شاعر تھے۔ انہوں نے آنحضرت صلعم کی وفات پر یہ شعر کہا تھا جس کا ترجمہ یہ ہے کہ "تو میری آنکھ کی پتلی تھا پس تیری موت سے میری آنکھ اندھی ہوگئی۔ اب تیرے بعد جو چاہے مرے مجھے پروا نہیں کیونکہ مجھے تو بس صرف تیری ہی موت کا ڈر تھا جو واقع ہو چکی :- اِس شعر کہنے والے کی محبت کا اندازہ کرنا بھی کوئی آسان کام نہیں۔ مگر اُس شخص کے سمندر عشق کی تہ کو کون پہنچے کہ جو اس واقعہ کے تیرہ سو سال بعد تنہائی میں جب کہ اسے خدا کے سوا کوئی دیکھنے والا نہیں، یہ شعر پڑھتا ہے اور اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کا تار بہ نکلتا ہے اور وہ شخص ان لوگوں میں سے نہیں ہے جن کی آنکھیں بات بات پر آنسو بہانے لگ جاتی ہیں بلکہ وہ شخص ہے کہ جس پر اس کی زندگی میں مصائب کے پہاڑ ٹوٹے اور غم والم کی آندھیاں چلیں مگر اس کی آنکھوں نے اسکے جذبات قلب کی کبھی غمازی نہیں کی :-

(۳۴۴) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ ماسٹر محمد نذیر احمد خان صاحب متوطن نادون ضلع کانگڑہ نے مجھ سے بیان کیا کہ میں امتحان انٹرنس پاس کرنے کے بعد کچھ عرصہ کے لئے دھرم سالہ میں ڈپٹی کمشنر کے دفتر میں امیدوار محرر ہوا تھا۔ ان دنوں کا واقعہ ہے کہ میں دفتر میں بیٹھا تھا اور میرے ہاتھ میں ریویو آف ریلیجنز کا پرچہ تھا کہ دھرم سالہ کے ڈسٹرکٹ بورڈ کا ہیڈ کلرک جس کا نام پنڈت مولا رام تھا دفتر ضلع میں کسی کام کے لئے آیا۔ جب اسکی نظر ریویو آف ریلیجنز پر پڑی تو اسنے حیران ہو کر مجھ سے پوچھا کہ کیا آپ بھی احمدی ہیں؟ میں نے کہا ہاں میں احمدی ہوں۔ اسنے کہا تو پھر میں آپ کو ایک واقعہ سناتا ہوں جو حضرت مرزا صاحب کے ساتھ میرا گذرا ہے۔ چنانچہ اسنے بیان کیا کہ میں ایک مذہبی خیال کا آدمی ہوں اور چونکہ مرزا صاحب کی مذہبی امور میں بہت شہرت تھی میں نے ان کے ساتھ بعض مذہبی مسائل میں خط و کتابت شروع کی۔ اسی خط و کتابت

کے دوران میں میں نے ان کی خدمت میں ایک خط لکھا جس میں بعض اعتراضات تھے۔ حضرت
مرزا صاحب کا جو جواب میرے پاس اس خط کا آیا اس میں میرے اعتراضات کے متعلق کچھ جوابات
لکھ کر پھر مرزا صاحب نے یہ لکھا تھا کہ پنڈت صاحب! آپ ان باتوں میں اُلجھے ہوئے ہیں حالانکہ
میں دیکھتا ہوں کہ خدا کا غضب آسمان پر بھڑک رہا ہے اور اس کا عذاب سالوں میں نہیں مہینوں
میں نہیں۔ دنوں میں نہیں، گھنٹوں میں نہیں، منٹوں میں نہیں، بلکہ سیکنڈوں میں زمین پر نازل
۱ ہونے والا ہے"۔ ان الفاظ کو پڑھ کر مجھ پر بہت اثر ہوا اور میں نے دل میں کہا کہ خواہ کچھ بھی ہو مرزا صاحب
ایک نیک آدمی ہیں ان کی بات یونہی رائگان نہیں جا سکتی۔ چنانچہ میں ہر لحظہ اسی انتظار میں تھا کہ
دیکھئے اب کیا ہوتا ہے۔ اور میں نے اسی خیال میں اس رات کو سوتے ہوئے مرزا صاحب کا یہ خط
اپنے سرہانے کے نیچے رکھ لیا۔ صبح کو جب میں اُٹھا تو میں حسب عادت اشنان کی تیاری کرنے لگا
اور اپنے ملازم کو میں نے بازار سے دہی لانے کے لئے بھیجا اور آپ مکان میں اِدھر اُدھر ٹہلنے
لگا۔ اس وقت اچانک زلزلے کا ایک سخت دھکا آیا اور اسکے بعد پیہم اس طرح دھکوں کا سلسلہ شروع
ہوا کہ میرے دیکھتے دیکھتے آناً فاناً دھرم سالہ کی تمام عمارتیں ریزہ ریزہ ہو کر خاک میں مل گئیں۔
اس وقت حضرت مرزا صاحب کے اس خط کا مضمون میری آنکھوں کے سامنے پھر رہا تھا اور میرے
منہ سے بے اختیار نکل رہا تھا کہ واقعی یہ دنوں اور گھنٹوں اور منٹوں کا عذاب نہیں بلکہ سیکنڈوں
کا عذاب ہے جس نے ایک آن کی آن میں تمام شہر کو خاک میں ملا دیا ہے۔ اور اسکے بعد میں حضرت
مرزا صاحب کا بہت معتقد ہو گیا۔ اور میں ان کو ایک واقعی خدا رسیدہ انسان اور مصلح سمجھتا ہوں۔

ماسٹر نذیر خان صاحب بیان کرتے ہیں کہ جب وہ یہ قصہ کر چکا تو دفتر ضلع کے ایک ہندو کلرک
نے بطور اعتراض کے کہا کہ مرزا صاحب پر ایک جرم کی سزا میں جرمانہ بھی تو ہوا تھا۔ ابھی میں نے
اس کا جواب نہیں دیا تھا کہ پنڈت مولا رام خود بخود بولا کہ ہاں ایک بیوقوف نے جرمانہ کر دیا تھا مگر
عدالت اپیل میں وہ بری ہو گئے تھے۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ یہ وہی زلزلہ ہے جو ۴۔ اپریل ۱۹۰۵ء
کو آیا تھا اور جس کا حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی تحریرات میں متعدد جگہ ذکر کیا ہے۔ یہ
زلزلہ ہندوستان کی تاریخ میں بے مثال تھا۔ چنانچہ میں نے انسائکلوپیڈیا میں پڑھا ہے
کہ اس زلزلہ میں علاوہ لاکھوں کروڑوں روپیہ کے نقصان کے پندرہ ہزار جانوں کا بھی نقصان

ہوا تھا۔

(۳۳۵) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ قاضی محمد یوسف صاحب پشاوری نے مجھ سے بذریعہ خط بیان کیا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زبان میں کسی قدر لکنت تھی اور آپ پرنالے کو پنالہ فرمایا کرتے تھے اور کلام کے دوران میں کبھی کبھی جوش کی حالت میں اپنی ٹانگ پر ہاتھ بھی مارا کرتے تھے۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ قاضی صاحب کی یہ روایت درست ہے، مگر یہ لکنت صرف کبھی کبھی کسی خاص لفظ کے تلفظ میں ظاہر ہوتی تھی ورنہ ویسے عام طور پر آپ کی زبان بہت صاف چلتی تھی۔ اور ٹانگ پر ہاتھ مارنے کے صرف یہ معنی ہیں کہ کبھی کبھی جوش تقریر میں آپ کا ہاتھ اُٹھ کر آپ کی ران پر گرتا تھا۔

(۳۳۶) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ قاضی محمد یوسف صاحب پشاوری نے مجھ سے بذریعہ خط بیان کیا کہ ایک دفعہ میں اور عبدالرحیم خان صاحب پسر مولوی غلام حسن خان صاحب پشاوری مسجد مبارک میں کھانا کھا رہے تھے جو حضرت کے گھر سے آیا تھا۔ ناگاہ میری نظر کھانے میں ایک مکھی پر پڑی۔ چونکہ مجھے مکھی سے طبعًا نفرت ہے میں نے کھانا ترک کر دیا۔ اس پر حضرت کے گھر کی ایک خادمہ کھانا اُٹھا کر واپس لے گئی۔ اتفاق ایسا ہوا کہ اسوقت حضرت اقدس اندرون خانہ کھانا تناول فرما رہے تھے۔ خادمہ حضرت کے پاس سے گذری تو اسنے حضرت سے یہ ماجرا عرض کر دیا۔ حضرت نے فورًا اپنے سامنے کا کھانا اُٹھا کر اس خادمہ کے حوالہ کر دیا کہ یہ لے جاؤ۔ اور اپنے ہاتھ کا نوالہ بھی برتن میں ہی چھوڑ دیا۔ وہ خادمہ خوشی خوشی ہمارے پاس وہ کھانا لائی اور کہا کہ لو حضرت صاحب نے اپنا تبرک دیدیا ہے۔ اسوقت مسجد میں سید عبدالجبار صاحب بھی جو گذشتہ ایام میں کچھ عرصہ بادشاہ سوات بھی رہے ہیں، موجود تھے۔ چنانچہ وہ بھی ہمارے ساتھ شریک ہو گئے۔

(۳۳۷) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ قاضی محمد یوسف صاحب پشاوری نے مجھ سے بذریعہ خط بیان کیا کہ ۱۹۰۴ء میں جب کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام مقدمہ کی پیروی کے لئے گورداسپور میں قیام فرما تھے ایک دفعہ رات کو بارش ہونی شروع ہو گئی۔ اسوقت حضرت اقدس مکان کی چھت پر تھے جہاں پر کہ ایک برساتی بھی تھی۔ بارش کے آنے پر حضور اس برساتی میں داخل ہونے لگے۔ مگر اس کے عین دروازے میں مولوی عبداللہ صاحب متوطن حضرو ضلع کیمبل پور

سان تہجد پڑھ رہے تھے۔ انہیں دیکھ کر آپ دروازہ کے باہر کھڑے ہوگئے اور اسی طرح بارش میں کھڑے رہے حتیٰ کہ مولوی عبداللہ صاحب نے اپنی نماز ختم کرلی۔ پھر آپ برساتی میں داخل ہوئے۔

(۳۳۸) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ میر عنایت علی صاحب لدھیانوی نے مجھ سے بیان کیا کہ اوّل ہی اوّل جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام زمانہ مجددیت میں لدھیانہ تشریف لے گئے اسوقت سوائے ایک شخص یعنی میر عباس علی صاحب جو اس عاجز کے خسر اور چچا تھے کوئی اور حضرت کی صورت سے آشنا نہ تھا۔ اس سفر میں تین آدمی حضرت صاحب کے ہمراہ تھے۔ مولوی جان محمد صاحب اور حافظ حامد علی صاحب اور لالہ ملاوامل صاحب۔ میر عباس علی صاحب اور ان کے ساتھ کئی ایک اور آدمی پلیٹ فارم کا ٹکٹ لیکر حضرت صاحب کے استقبال کے لئے سٹیشن پر گئے اور گاڑی میں آپ کو ادھر ادھر تلاش کرنے لگے۔ لیکن حضرت صاحب کہیں نظر نہ آئے۔ کیونکہ آپ گاڑی کے پہنچتے ہی نیچے اُتر کر سٹیشن سے باہر تشریف لے آئے تھے اور پھاٹک کے پاس کھڑے تھے۔ خوش قسمتی سے میں بھی اسوقت وہیں کھڑا تھا۔ کیونکہ مجھے خیال تھا کہ حضرت صاحب ضرور اسی رستہ سے آئینگے۔ میں نے اس سے قبل حضرت صاحب کو دیکھا ہوا نہیں تھا۔ لیکن جونہی کہ میری نظر آپ کے نورانی چہرہ پر پڑی میرے دل نے کہا کہ یہی حضرت صاحب ہیں اور میں نے آگے بڑھ کر حضرت صاحب سے مصافحہ اور دست بوسی کرلی۔ اسکے بعد میر عباس علی صاحب وغیرہ بھی آگئے اسوقت حضور کی زیارت کے لئے سٹیشن پر بہت بڑا مجمع تھا جن میں نواب علی محمد صاحب رئیس جھجر بھی تھے۔ نواب صاحب مذکور نے میر صاحب سے کہا کہ میر صاحب! میری کوٹھی قریب ہے اور اس کے گرد باغ بھی ہے، بہت لوگ حضرت مرزا صاحب کی ملاقات کے لئے آئیں گے اسلئے اگر آپ اجازت دیں تو حضرت صاحب کو یہیں ٹھہرالیا جاوے۔ میر صاحب نے کہا کہ آج کی رات تو ان مبارک قدموں کو میرے غریب خانہ میں پڑنے دیں۔ کل آپ کو اختیار رہے۔ نواب صاحب نے کہا کہ ہاں بہت اچھا۔ غرض حضرت صاحب کو قاضی خواجہ علی صاحب کی شکرم میں بٹھا کر ہمارے محلہ صوفیاں میں ڈپٹی امیر علی صاحب کے مکان میں اتارا گیا۔ نماز عصر کا وقت آیا تو حضرت صاحب نے اپنی جرابوں پر مسح کیا۔ اسوقت مولوی محمد موسیٰ صاحب اور مولوی عبدالقادر صاحب دونوں باپ بیٹا موجود تھے ان کو مسح کرنے پر شک گذرا تو حضرت صاحب سے

دریافت کیا کہ حضرت کیا یہ جائز ہے ؟ آپ نے فرمایا ہاں جائز ہے۔ اس کے بعد مولوی محمد موسیٰ صاحب نے عرض کیا کہ حضور نماز پڑھائیں۔ حضرت صاحب نے فرمایا کہ مولوی عبدالقادر صاحب پڑھائیں پھر اسکے بعد مولوی عبدالقادر صاحب ہی نماز پڑھاتے رہے۔ اس موقعہ پر حضرت صاحب غالباً تین دن لدھیانہ میں ٹھہرے۔ بہت لوگ ملاقات کے لئے آتے جاتے تھے اور حضرت صاحب جب چہل قدمی کے لئے باہر تشریف لے جاتے تھے تو اس وقت بھی بڑا مجمع لوگوں کا ساتھ ہوتا تھا۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ یہ سفر غالباً ۱۸۸۴ء کے قریب کا ہوگا۔ میر عباس علی صاحب جنکا اس روایت میں ذکر ہے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے پرانے ملنے والے تھے۔ مگر افسوس کہ دعویٰ مسیحیت کے وقت ان کو ٹھوکر لگی اور وہ زمرہ مخالفین میں شامل ہوگئے اور پھر جلد ہی اس دنیا سے گذر گئے۔ نواب علی محمد صاحب رئیس جھجر لدھیانہ میں رہتے تھے اور حضرت صاحب سے بہت اخلاص رکھتے تھے۔ مگر افسوس کہ اوائل زمانہ میں ہی فوت ہو گئے۔ قاضی خواجہ علی صاحب بھی بہت پرانے اور مخلص لوگوں میں سے تھے اور اب فوت ہو چکے ہیں۔ مولوی عبدالقادر صاحب بھی جو حکیم محمد عمر صاحب کے والد تھے کچھ عرصہ ہوا فوت ہو چکے ہیں اور ان کے والد مولوی محمد موسیٰ صاحب تو اوائل زمانہ میں ہی فوت ہو گئے تھے۔ مولوی جان محمد جو حضرت صاحب کے ہمراہ لدھیانہ گئے تھے قادیان کے رہنے والے تھے اور حضرت صاحب کے ایک مخلص خادم تھے۔ ان کے لڑکے عرف میاں بگا کو ہمارے اکثر دوست جانتے ہوں گے میاں غفار ایکہ بان جو کچھ عرصہ ہوا فوت ہو چکا ہے۔ مولوی جان محمد کا بھائی تھا۔

(۳۳۹) بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ میر عنائت علی صاحب نے مجھ سے بیان کیا کہ ایک دفعہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام مالیر کوٹلہ بھی تشریف لے گئے تھے۔ قریب آٹھ دس آدمی حضور کے ہمراہ تھے۔ اس وقت تک ابھی مالیر کوٹلہ کی ریل جاری نہیں ہوئی تھی۔ میں بھی حضور کے ہمرکاب تھا۔ حضرت صاحب نے یہ سفر اسلئے اختیار کیا تھا کہ بیگم صاحبہ یعنی والدہ نواب ابراہیم علی خان صاحب نے اپنے اہل کاروں کو لدھیانہ بھیجکر حضرت صاحب کو بلایا تھا کہ حضور مالیر کوٹلہ تشریف لاکر میرے لڑکے کو دیکھیں اور دعا فرمائیں۔ کیونکہ نواب ابراہیم علی خان صاحب کو عرصہ سے خلل دماغ کا عارضہ ہو گیا تھا۔ حضرت صاحب لدھیانہ سے دن کے دس گیارہ بجے فٹن

خواجہ علی صاحب کی شکرم میں بیٹھکر تین بجے کے قریب مالیر کوٹلہ پہنچے اور ریاست کے مہمان ہوئے۔ جب صبح ہوئی تو بیگم صاحبہ نے اپنے اہل کاروں کو حکم دیا کہ حضرت صاحب کے لئے سواریاں لے جائیں تاکہ آپ باغ میں جاکر نواب صاحب کو دیکھیں۔ مگر حضرت اقدس نے فرمایا کہ ہمیں سواری کی ضرورت نہیں ہم پیدل ہی چلیں گے۔ چنانچہ آپ پیدل ہی گئے۔ اسوقت ایک بڑا ہجوم لوگوں کا آپکے ساتھ تھا۔ جب آپ باغ میں پہنچے تو مع اپنے ساتھیوں کے ٹھہر گئے۔ نواب صاحب کوٹھی سے باہر آئے اور پہلی دفعہ حضرت صاحب کو دیکھ کر پیچھے ہٹ گئے۔ لیکن پھر آگے بڑھ کر آئے اور حضرت سے سلام علیکم کیا اور کہا کہ کیا براہین کا چوتھا حصہ چھپ گیا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ ابھی تو نہیں چھپا مگر انشاء اللہ عنقریب چھپ جائیگا۔ اسکے بعد نواب صاحب نے کہا کہ آئیے اندر بیٹھیں۔ چنانچہ حضرت صاحب اور نواب صاحب کوٹھی کے اندر چلے گئے اور قریبًا آدھ گھنٹہ اندر رہے۔ چونکہ کوئی آدمی ساتھ نہ تھا اسلئے ہمیں معلوم نہیں ہوا کہ اندر کیا کیا باتیں ہوئیں۔ اسکے بعد حضرت صاحب مع سب لوگوں کے پیدل ہی جامع مسجد کی طرف چلے آئے اور نواب صاحب بھی سیر کے لئے باہر چلے گئے۔ مسجد میں پہنچکر حضرت صاحب نے فرمایا کہ سب لوگ پہلے وضو کریں اور پھر دو رکعت نماز پڑھ کر نواب صاحب کی صحت کے واسطے دعا کریں۔ کیونکہ یہ تمہارے شہر کے والی ہیں اور ہم بھی دعا کرتے ہیں۔ غرض حضرت اقدس نے مع سب لوگوں کے دعا کی اور پھر اس کے بعد فورًا ہی لدھیانہ واپس تشریف لے آئے اور باوجود اصرار کے مالیر کوٹلہ میں اَور نہ ٹھہرے۔

(۳۴۰) بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ خواجہ عبدالرحمن صاحب متوطن کشمیر نے مجھ سے بذریعہ خط بیان کیا کہ میں جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زندگی میں قادیان کے سکول میں پڑھتا تھا تو اس زمانہ میں جو لوگ حضور کے لئے کوئی پھل وغیرہ بطور ہدیہ لاتے تھے تو بعض اوقات میرے ہاتھ اندرون خانہ حضور کو بھجواتے تھے۔ عمومًا حضور کچھ پھل بندہ کو بھی عطا فرمادیتے تھے اور بعض دفعہ تحریر کے کام میں اس قدر استغراق ہوتا تھا کہ بغیر میری طرف نظر اُٹھانے کے فرمادیتے تھے کہ رکھدو۔ میں رکھکر چلا آتا تھا۔

(۳۴۱) بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ خواجہ عبدالرحمن صاحب متوطن کشمیر نے مجھ سے بذریعہ خط بیان کیا کہ ایک دفعہ ایک بڑا موٹا کتا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے گھر میں گھس آیا اور ہم بچوں نے

اسے دروازے بند کر کے مارنا چاہا۔ لیکن جب کتے نے شور مچایا تو حضرت صاحب کو بھی پتہ لگ گیا اور آپ ہم پر ناراض ہوئے چنانچہ ہم نے دروازے کھول کر کتے کو چھوڑ دیا۔

(۳۴۱) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ خواجہ عبدالرحمٰن صاحب متوطن کشمیر نے مجھ سے بذریعہ خط بیان کیا کہ مکرمی لسی ڈار ساکن آسنور علاقہ کشمیر اپنے بھائی حاجی عمر ڈار صاحب سے روایت کرتے تھے کہ جب میں (عمر ڈار صاحب) پہلی دفعہ قادیان میں بیعت کے لئے آیا۔ تو میرے یہاں پہنچنے کے بعد جو پہلی تقریر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمائی وہ حقوق اقربار کے متعلق تھی۔ چونکہ میں نے اپنے بھائی (لسی ڈار) کا کچھ حق دبایا ہوا تھا۔ میں سمجھ گیا اور کشمیر پہنچکر ان کا حق ان کو ادا کر دیا۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ چونکہ اللہ تعالےٰ نے انبیاء و مرسلین سے اصلاح خلق کا کام لینا ہوتا ہے اسلئے وہ عموماً ایسا تصرف کرتا ہے کہ جو کمزوریاں لوگوں کے اندر ہوتی ہیں۔ انہی کے متعلق ان کی زبان پر کلام جاری کرا دیتا ہے جس سے لوگوں کو اصلاح کا موقعہ مل جاتا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے حالات زندگی میں بہت سے ایسے واقعات ملتے ہیں اور حدیث سے پتہ لگتا ہے کہ آنحضرت صلعم کی زبان مبارک پر بھی بسا اوقات آپ کے مخاطب لوگوں کے حالات اور ضروریات کے مطابق کلام جاری ہوتا تھا نیز خاکسار عرض کرتا ہے کہ حاجی عمر ڈار صاحب مرحوم آسنور کشمیر کے ایک بہت مخلص احمدی تھے اور اپنے علاقہ کے رئیس تھے اور اب ان کے لڑکے بھی سلسلہ کے ساتھ خوب اخلاص رکھتے ہیں۔

(۳۴۲) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ خواجہ عبدالرحمٰن صاحب متوطن کشمیر نے مجھ سے بذریعہ خط بیان کیا کہ میرے والد میاں حبیب اللہ صاحب بیان کرتے تھے کہ ایک دفعہ مجھے نماز میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ساتھ کھڑے ہونے کا موقعہ ملا اور چونکہ میں احمدی ہونے سے قبل وہابی (اہلحدیث) تھا میں نے اپنا پاؤں حضرت مسیح علیہ السلام کے پاؤں کے ساتھ ملانا چاہا۔ مگر جب میں نے اپنا پاؤں آپ کے پاؤں کے ساتھ رکھا تو آپ نے اپنا پاؤں کچھ اپنی طرف سرکا لیا جس پر میں بہت شرمندہ ہوا اور آئندہ کے لئے اس طریق سے باز آ گیا۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ فرقہ اہل حدیث اپنی اصل کے لحاظ سے ایک نہائت قابل قدر فرقہ ہے۔ کیونکہ اس کی وجہ سے بہت سے مسلمان بدعات سے آزاد ہو کر اتباع سنت نبوی سے مستفیض ہوئے ہیں۔ مگر انہوں نے بعض باتوں

پر اس قدر نامناسب زور دیا ہے اور اتنا مبالغہ سے کام لیا ہے کہ شریعت کی اصل روح سے وہ باتیں باہر ہوگئی ہیں۔ اب اصل مسئلہ تو یہ ہے کہ نماز میں دو نمازیوں کے درمیان یونہی فالتو جگہ نہیں پڑی رہنی چاہئے بلکہ نمازیوں کو مل کر کھڑا ہونا چاہئے تاکہ اوّل تو بے فائدہ جگہ ضائع نہ جاوے۔ دوسرے بے ترتیبی واقع نہ ہو تیسرے بڑے آدمیوں کو یہ بہانہ نہ ملے کہ وہ بڑائی کی وجہ سے اپنے سے کم درجہ کے لوگوں سے ذرا ہٹ کر الگ کھڑے ہوسکیں وغیرذالک۔ مگر اس پر اہلحدیث نے اتنا زور دیا اور اس قدر مبالغہ سے کام لیا ہے کہ یہ مسئلہ ایک مضحکہ خیز بات بن گئی۔ اب گویا ایک اہل حدیث کی نماز ہو نہیں سکتی جبتک وہ اپنے ساتھ والے نمازی کے کندھے سے کندھا اور ٹخنہ سے ٹخنہ اور پاؤں سے پاؤں رگڑاتے ہوئے نماز ادا نہ کرے حالانکہ اس قدر قرب بجائے مفید ہونے کے نماز میں خواہ مخواہ پریشانی کا موجب ہوتا ہے۔

(۳۴۳) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ حافظ محمد ابراہیم صاحب نے مجھ سے بیان کیا کہ ۱۹۰۳ء کا واقعہ ہے کہ میں ایک دن مسجد مبارک کے پاس والے کمرہ میں بیٹھا ہوا تھا کہ مولوی عبدالکریم صاحب مرحوم تشریف لائے اور اندر سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام بھی تشریف لے آئے اور تھوڑی دیر میں مولوی محمد احسن صاحب امروہی بھی آگئے۔ اور آتے ہی حضرت مسیح موعود سے حضرت مولوی نورالدین صاحب خلیفہ اوّل کے خلاف بعض باتیں بطور شکایت بیان کرنے لگے۔ اس پر مولوی عبدالکریم صاحب کو جوش آگیا۔ اور نتیجہ یہ ہوا کہ ہر دو کی ایک دوسرے کے خلاف آوازیں بلند ہوگئیں اور آواز کمرے سے باہر جانے لگے۔ اس پر حضرت اقدس نے فرمایا۔ لا ترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی۔ (یعنے اے مومنو اپنی آوازوں کو نبی کی آواز کے سامنے بلند نہ کیا کرو) اس حکم کے سنتے ہی مولوی عبدالکریم صاحب تو فوراً خاموش ہوگئے اور مولوی محمد احسن صاحب تھوڑی دیر تک آہستہ آہستہ اپنا جوش نکالتے رہے اور حضرت اقدس وہاں سے اٹھکر ظہر کی نماز کے واسطے مسجد مبارک میں تشریف لے آئے۔

(۳۴۴) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ میاں غلام نبی صاحب سیٹھی نے مجھ سے بیان کیا کہ ایک دفعہ جبکہ میں قادیان میں تھا اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام "آئینہ کمالات اسلام" تصنیف فرما رہے تھے۔ حضرت صاحب نے جماعت کے ساتھ مشورہ فرمایا کہ علماء اور گدی نشینوں کے لئے تبلیغ

ہونی چاہیئے۔ اسکے متعلق باہم تبادلہ خیالات شروع ہوا۔ حضرت نے فرمایا کہ ان لوگوں کے لئے عربی زبان میں کوئی تصنیف ہونی چاہیئے مگر مشکل یہ ہے کہ میں کوئی ایسی اچھی عربی جانتا نہیں ہوں۔ ہاں میں اردو میں مضمون لکھ لاتا ہوں اور پھر مل ملا کر عربی کر لینگے۔ چنانچہ حضرت صاحب اندرون خانہ تشریف لے گئے اور پھر جب حضور باہر تشریف لائے تو کچھ عربی لکھکر ساتھ لائے جسے دیکھ کر مولوی نورالدین صاحب اور مولوی عبدالکریم صاحب حیران رہگئے حتیٰ کہ مولوی عبدالکریم صاحب نے فرمایا کہ مینے عربی کا بہت مطالعہ کیا ہے لیکن ایسی عمدہ عربی میں نے کبھی نہیں دیکھی۔ حضور نے فرمایا کہ مینے اللہ تعالےٰ کے حضور اسکے متعلق دعا کی تھی سو خدا کی طرف سے مجھے چالیس ہزار مادہ عربی زبان کا سکھایا گیا ہے۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ عربی زبان کا علم معجزانہ طور پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو دیا گیا تھا حتیٰ کہ آپ نے یہ اعلان فرمایا کہ خواہ ساری دنیا کے علماء اور عرب اور مصر اور شام کے ادیب باہم مل کر میرا مقابلہ کرنا چاہیں مگر خدا ان کو عربی کی تصنیف میں میرے مقابلہ میں ذلت کی شکست دیگا۔ اور وہ ہرگز میرے جیسا پُر مغز اور لطیف اور ملیح اور فصیح اور بلیغ کلام تصنیف نہیں کر سکیں گے۔ چنانچہ باوجود آپ کے متعدد مرتبہ چیلنج دینے کے کسی کو آپ کے مقابلہ میں آنے کی جرأت نہیں ہوئی کیونکہ سب کے دل محسوس کرتے تھے کہ آپ کا عربی کلام اپنی معنوی اور ادبی خوبیوں کی وجہ سے ان کے دائرہ قدرت سے باہر ہے اور یہ سب کچھ ایسے شخص کے ہاتھ پر ظہور پذیر ہوا جس کا مطالعہ جہاں تک ادب عربی کی درسی تعلیم کا تعلق ہے بالکل معمولی تھا اور جس نے صرف عام معروف درسی کتب اوائل عمر میں استاد سے پڑھی تھیں اور بس مگر جب خدا نے اپنے پاس سے اپنی تقدیر خاص کے ماتحت اسے علم عطا کیا تو پھر وہی تھا کہ عرب و عجم کو للکارتا تھا کہ کوئی میرے مقابلہ میں آئے مگر کسی کو سر اٹھانے کی جرأت نہ ہوتی تھی۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے ؏ "جے تُوں اُسدا ہو رہیں تے سب جگ تیرا ہو۔"

(۴۴۵) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ حافظ نور محمد صاحب ساکن فیض اللہ چک نے مجھ سے بذریعہ خط بیان کیا کہ میں ابھی بالکل نوجوان تھا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ملاقات کا شرف مجھے نصیب ہوا۔ اور وہ اس طرح پر کہ حافظ حامد علی صاحب مرحوم جو ہمارے گاؤں کے پاس موضع تہ غلام نبی کے رہنے والے تھے وہ بعارضہ اسہال یعنی سنگرہنی سخت بیمار

ہو گئے اور علاج کے لئے قادیان آئے اور پھر قادیان میں ہی رہنے لگ گئے۔ ان کی زبانی مجھے معلوم ہوا کہ حضرت صاحب بہت بزرگ آدمی ہیں اور ان کو الہام بھی ہوتا ہے۔ یہ اس زمانہ کی بات ہے کہ جب پٹھانکوٹ کی ریلوے لائن ابھی جاری ہوئی تھی۔ حافظ حامد علی صاحب کی بات سُنکر مجھے حضرت کی ملاقات کا شوق پیدا ہوا اور میں نے اپنے والد صاحب سے اجازت لی۔ انہوں نے خوشی سے اجازت دی اور کہا کہ مرزا صاحب بہت بزرگ آدمی ہیں تم ان کے پاس بے شک جاؤ۔ چنانچہ میں حضرت صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا۔ انہی دنوں میں مسجد مبارک کی بنیاد رکھی گئی تھی مگر ابھی مسجد تعمیر نہ ہوئی تھی۔ چونکہ میں حافظ قرآن تھا حضرت صاحب نے مجھے قرآن شریف سُنانے کے لئے فرمایا۔ جسے سُنکر آپ بہت خوش ہوئے۔ پھر دو ایک دن ٹھہر کر میں چلا آیا اور حضرت صاحب نے مجھ سے فرمایا کہ زندگی کا اعتبار نہیں ہے جلدی جلدی آکر ملنا چاہئے۔ اسکے بعد میں ہفتہ عشرہ کے بعد حضور کی خدمت میں حاضر ہوتا رہتا تھا۔ ان دنوں میں میں نے دیکھا کہ حضور کی زبان مبارک پر سبحان اللہ اور سبحان اللہ وبحمدہ کے الفاظ اکثر رہتے تھے۔ اور ایک دفعہ آپ نے مجھ سے فرمایا کہ قناعت سے انسان خوش رہتا ہے۔ اس زمانہ میں حضور کے پاس سوائے دو تین خادموں کے اور کوئی نہ ہوتا تھا پھر بعد میں آہستہ آہستہ دو دو چار چار آدمیوں کی آمد و رفت شروع ہو گئی۔ ان دنوں میں میرے ایک عزیز دوست حافظ نبی بخش صاحب بھی جن کی عمر اسوقت دس بارہ سال کی تھی میرے ہمراہ قادیان جایا کرتے تھے۔ رات ہوتی تو حضرت صاحب ہم سے فرماتے کہ آپ کہاں سوئینگے۔ ہم حضور سے عرض کرتے کہ حضور ہی کے پاس سو رہیں گے اور دل میں ہمارے یہ ہوتا تھا کہ حضور جب تہجد کے لئے رات کو اُٹھیں گے تو ہم بھی ساتھ ہی اُٹھیں گے مگر آپ اُٹھکر تہجد کی نماز پڑھ لیتے تھے اور ہم کو خبر بھی نہ ہوتی تھی۔ جب آپ اُٹھتے تھے تو چراغ روشن فرما لیتے تھے۔ مگر جب لیٹتے تو چراغ گل کر لیتے تھے بعض اوقات ہم آپ کو چراغ گل کرتے دیکھتے تو دل میں بہت شرمندہ ہوتے تھے۔ ان دنوں میں حضرت صاحب بعد نماز عصر سیر کے لئے باہر تشریف لیجایا کرتے تھے اور کوس کوس دو دو کوس نکل جایا کرتے تھے بعض وقت مغرب کی نماز باہر ہی پڑھ لیا کرتے تھے اور مجھے امام کر لیتے تھے اور آپ خود مقتدی ہو جاتے تھے۔ ایک دن آپ نے فرمایا کہ آج کس طرف سیر کو چلیں؟ میں نے عرض کیا کہ حضرت! آج تتلے کی

نہر کی طرف چلیں۔ حضور مسکرانے لگے اور فرمایا کہ کسی نے ایک بھوکے سے پوچھا تھا کہ ایک اور ایک کتنے ہوتے ہیں؟ تو اس نے جواب دیا کہ دو روٹیاں۔ سو میاں نور محمدؐ کا بھی یہی مطلب ہے کہ اسی راستے سے اپنے گاؤں کی طرف نکل جائیں۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ حافظ نور محمدؐ صاحب پرانے اور مخلص آدمی ہیں۔ ان کا گاؤں فیض اللہ چک قادیان سے قریباً چار پانچ میل کے فاصلہ پر جانب شمال مغرب آباد ہے اور موضع تتلہ جس کا اس روایت میں ذکر ہے قادیان سے ڈیڑھ دو میل کے فاصلہ پر ایک گاؤں ہے جو فیض اللہ چک کے رستہ میں پڑتا ہے۔ حافظ نور محمدؐ صاحب کی قادیان میں ابتدائی آمد کا زمانہ ۱۸۸۴ء کے قریب کا معلوم ہوتا ہے۔ واللہ اعلم۔

(۳۴۶) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ حافظ نور محمدؐ صاحب نے مجھ سے بیان کیا کہ جن ایام میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام ہوشیارپور جا کر ٹھہرے تھے اور ماسٹر مرلی دھر آریہ کے ساتھ آپ کا مباحثہ ہوا تھا۔ آپ شیخ مہر علی صاحب رئیس ہوشیارپور کے مکان پر ٹھہرے تھے شیخ صاحب حضرت صاحب سے بہت ادب کے ساتھ پیش آتے تھے۔ ان دنوں میں آپ نے یہ رویا دیکھا تھا کہ شیخ مہر علی صاحب کے مکان کے فرش کو آگ لگ گئی ہے۔ اور آپ نے خود پانی لیکر اسے بجھایا ہے اور آپ نے اس کی تعبیر یہ فرمائی تھی کہ شیخ صاحب پر کوئی بلا آنے والی ہے۔ چنانچہ آپ نے قادیان واپس آکر شیخ مہر علی صاحب کو ایک خط کے ذریعہ اس بات کی اطلاع بھی دیدی تھی کہ میں نے ایسا خواب دیکھا ہے۔ آپ بہت توبہ و استغفار کریں۔ اسکے بعد شیخ صاحب کے خلاف ایک سنگین فوجداری مقدمہ شروع ہوگیا اور ان پر یہ الزام لگایا گیا کہ ہندو اور مسلمانوں میں جو ہوشیارپور میں بلوہ ہوا تھا اسکے شیخ صاحب ذمہ دار ہیں۔ چنانچہ شیخ صاحب ماخوذ کر لئے گئے۔ اس زمانہ میں جب ہم حضرت صاحب کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے تو حضور فرمایا کرتے تھے کہ شیخ مہر علی کے واسطے دعا کیا کریں۔ اور اگر کسی کو ان کے متعلق کوئی خواب آوے تو بتلاوے اور صبح کے وقت دریافت فرمایا کرتے تھے کہ کوئی خواب دیکھا ہے یا نہیں؟ اور فرماتے تھے کہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم بھی صحابہ سے اسی طرح دریافت فرمایا کرتے تھے۔ ایک دفعہ جو ہم گئے تو فرمایا کہ شیخ صاحب کے واسطے دعا کر کے سونا۔ حافظ نبی بخش صاحب نے ہنسکر عرض کیا کہ یہ (یعنے خاکسار نور محمدؐ) بہت وظیفہ پڑھتے رہتے ہیں۔ میں نے عرض کیا کہ حضور میں تو وظیفہ نہیں کرتا صرف قرآن شریف ہی پڑھتا ہوں۔

آپ مسکرا کر فرمانے لگے کہ تمھاری تو یہ مثال ہے کہ کسی شخص نے کسی کو کہا کہ یہ شخص بہت عمدہ کھانا کھایا کرتا ہے تو اسنے جواب میں کہا کہ میں تو کوئی اعلےٰ کھانا نہیں کھاتا صرف پلاؤ کھایا کرتا ہوں پھر آپ نے فرمایا کہ قرآن شریف سے بڑھکر اور کونسا وظیفہ ہے۔ یہی بڑا اعلےٰ وظیفہ ہے۔

(۳۴۷) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ حافظ نور محمد صاحب نے مجھ سے بیان کیا کہ ایک دفعہ جب میں اور حافظ نبی بخش صاحب حضرت صاحب کی ملاقات کے لئے گئے تو آپ نے عشاء کے بعد حافظ نبی بخش صاحب سے مخاطب ہو کر مسکراتے ہوئے فرمایا کہ "میاں نبی بخش آپ کہاں لیٹیں گے؟ میاں نور محمد تو لحد کی مشق کر رہے ہیں" بات یہ تھی کہ اس وقت میں جہاں لیٹا ہوا تھا میرے نیچے ایک ٹکڑا سرکنڈے کا پڑا تھا جو قد آدم لمبا تھا۔ اسے دیکھ کر آپ نے بطور مزاح ایسا فرمایا۔ کیونکہ دستور ہے کہ مردہ کو کسی سرکنڈہ سے ناپ کر لحد کو اسکے مطابق درست کیا کرتے ہیں۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی طبیعت نہایت با مذاق واقع ہوئی تھی اور بعض اوقات آپ اپنے خدام کے ساتھ بطریق مزاح بھی گفتگو فرمالیتے تھے۔ دراصل حد اعتدال کے اندر جائز خوش طبعی بھی زندہ دلی کی علامت ہے۔ اور حدیث شریف میں آتا ہے کہ آنحضرت صلعم بھی بعض اوقات اپنے صحابہ سے خوش طبعی کے طریق پر کلام فرماتے تھے۔ چنانچہ حدیث میں مذکور ہے کہ ایک دفعہ آنحضرت صلعم اور حضرت علی رضہ اور بعض دوسرے صحابہ کھجوریں کھا رہے تھے کہ آپ کو حضرت علی رضہ کے ساتھ مزاح کا خیال آیا اور آپ نے اپنی کھائی ہوئی کھجوروں کی گٹھلیاں بھی حضرت علی رضہ کے سامنے رکھنی شروع کر دیں اور بعد میں فرمایا کہ دیکھو کس نے زیادہ کھجوریں کھائی ہیں؟ چنانچہ دیکھا تو حضرت علی رضہ کے سامنے کھجوروں کی گٹھلیوں کا ایک خاصہ ڈھیر لگا رکھا تھا۔ کیونکہ علاوہ آنحضرت صلعم کے دوسرے صحابہ نے بھی اپنی گٹھلیوں کا بیشتر حصہ حضرت علی رضہ کے سامنے جمع کر دیا تھا۔ یہ دیکھ کر حضرت علی رضہ پہلے تو کچھ شرمائے کہ میں سب سے زیادہ پیٹو ثابت ہوا لیکن جوانی کی عمر تھی اور ذہن بھی رسا رکھتے تھے فوراً بولے کہ بات یہ ہے کہ میں نے تو صرف کھجور کا گدا کھایا ہے۔ اس لئے میرے سامنے گٹھلیاں جمع نظر آتی ہیں لیکن دوسرے لوگ گٹھلیاں بھی ساتھ ہی چٹ کر گئے ہیں اسلئے ان کے سامنے گٹھلیاں نظر نہیں آتیں۔ اسپر آنحضرت صلعم بہت ہنسے۔ اسی طرح ذکر آتا ہے کہ ایک دفعہ آنحضرت صلعم سے ایک عمر رسیدہ بوڑھی عورت نے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ! میرے

واسطے دعا فرمائیں کہ خدا مجھے جنت میں جگہ دے۔ آپ نے فرمایا کہ جنت میں تو کوئی بوڑھی عورت نہیں جائیگی۔ وہ بیچاری بہت گھبرائی مگر آپ نے جلد ہی یہ کہکر اس کی تسلی کی کہ بات یہ ہے کہ جنت میں سب لوگ جوان بنا کر داخل کئے جاوینگے۔ غرض جائز اور مناسب مزاح شان نبوت کے منافی نہیں بلکہ زندہ دلی کی علامت ہے اور مجھ سے ڈاکٹر میر محمد اسماعیل صاحب نے بیان کیا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نہائت بامذاق طبیعت رکھتے تھے اور بعض اوقات تو خود ابتداءً مزاح کے طور پر کلام فرماتے تھے۔

(۳۴۸) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زندگی میں ہمارے گھر میں ایک خادمہ عورت رہتی تھی جس کا نام مہرو تھا۔ وہ بیچاری ایک گاؤں کی رہنے والی تھی اور ان الفاظ کو نہ سمجھتی تھی جو ذرا زیادہ ترقی یافتہ تمدن میں مستعمل ہوتے ہیں۔ چنانچہ ایک دفعہ حضرت صاحب نے اسے فرمایا کہ ایک خلال لاؤ۔ وہ جھٹ گئی اور ایک پتھر کا ادویہ کوٹنے والا کھرل اٹھا لائی جسے دیکھ کر حضرت صاحب بہت ہنسے اور ہماری والدہ صاحبہ سے ہنستے ہوئے فرمایا کہ دیکھو میں نے اس سے خلال مانگا تھا اور یہ کیا لے آئی ہے۔ اسی عورت کا ذکر ہے کہ ایک دفعہ میاں غلام محمد کاتب امرتسری نے دروازہ پر دستک دی اور کہا کہ حضرت صاحب کی خدمت میں عرض کرو کہ کاتب آیا ہے۔ یہ پیغام لیکر وہ حضرت صاحب کے پاس گئی اور کہنے لگی کہ حضور قاتل دروازے پر کھڑا ہے اور بلاتا ہے۔ حضرت صاحب بہت ہنسے۔

(۳۴۹) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ میاں عبداللہ صاحب سنوری نے مجھ سے بیان کیا کہ شروع شروع میں حافظ حامد علی صاحب مرحوم حضرت صاحب کو مہندی لگایا کرتے تھے۔ بعض اوقات میں بھی حاضر ہوتا تھا تو حضرت صاحب کمال سادگی کے ساتھ میرے ساتھ گفتگو فرمانے لگ جاتے تھے جس کا اثر یہ ہوتا تھا کہ بات چیت کی وجہ سے چہرہ میں کچھ حرکت پیدا ہوتی تھی اور مہندی گرنے لگ جاتی تھی۔ اس پر بعض اوقات حافظ حامد علی صاحب مرحوم عرض کرتے تھے کہ حضور ذرا دیر بات چیت نہ کریں مہندی ٹھہرتی نہیں ہے۔ میں لگا کر باندھ لوں تو پھر گفتگو فرمائیں۔ حضرت صاحب تھوڑی دیر خاموش رہکر پھر کسی خیال کے آنے پر گفتگو فرمانے لگ جاتے تھے۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ بعد میں کچھ عرصہ میاں عبداللہ نائی اور آخری زمانہ میں میاں عبدالرحیم نائی حضرت صاحب کو مہندی لگاتے تھے۔ نیز خاکسار عرض کرتا ہے کہ جب میاں عبداللہ صاحب نے یہ روایت بیان کی تو حضرت صاحب

کی یاد نے ان پر اس قدر رقت طاری کی کہ وہ بے اختیار ہو کر رونے لگ گئے۔ یہ محبت کے کرشمے ہیں۔ بسا اوقات ایک معمولی سی بات ہوتی ہے مگر چونکہ وہ ایک ذاتی اور شخصی رنگ رکھتی ہے اور اس سے محبوب کے عادات و اطوار نہایت سادگی کے ساتھ سامنے آجاتے ہیں۔ اسلئے وہ بعض دوسری بڑی اور اہم باتوں کی نسبت دل کو زیادہ چوٹ لگاتی ہے۔

(۳۵۰) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ حافظ نور محمدؐ صاحب نے مجھ سے بیان کیا کہ ایک دفعہ ہم نے حضرت صاحب سے دریافت کیا یہ جو حدیث میں مرقوم ہے کہ اگر انسان اپنی شرمگاہ کو ہاتھ لگائے تو وضو ٹوٹ جاتا ہے یہ کیا مسئلہ ہے؟ آپ نے فرمایا کہ شرمگاہ بھی تو جسم ہی کا ایک ٹکڑا ہے اسلئے یہ حدیث قوی نہیں معلوم ہوتی۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ اگر یہ روایت درست ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ نعوذ باللہ آنحضرت صلعم کا یہ قول درست نہیں ہے۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ یہ بات آنحضرت صلعم کے منہ سے نکلی ہوئی معلوم نہیں ہوتی۔ اور حدیث میں روایتاً کوئی ضعف ہوگا۔ واللہ اعلم۔

(۳۵۱) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ حافظ نور محمدؐ صاحب نے مجھ سے بیان کیا کہ ایک دفعہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام ہمارے گاؤں فیض اللہ چک میں تشریف لے گئے اور ہماری متصلہ مسجد میں تشریف فرما ہوئے اور بوقت مغرب بڑی مسجد میں لوگوں کے اصرار سے جاکر نماز پڑھائی۔ اسکے بعد آپ موضع تھہ غلام نبی میں تشریف لیگئے کیونکہ وہاں آپ کی دعوت تھی۔

(۳۵۲) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ حافظ نور محمد صاحب نے مجھ سے بیان کیا کہ جس وقت میرے والد صاحب مرحوم کا انتقال ہوا تو اسکے بعد میں حضرت صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے مجھ سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ حافظ صاحب اب بجائے والدین کے اللہ تعالےٰ کو سمجھو وہی تمہارا کارساز اور متکفل ہوگا۔ چنانچہ تا حال اللہ تعالےٰ نے محض اپنے فضل اور ذرہ نوازی سے میری دستگیری فرمائی ہے۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ ایک عجیب حقیقت ہے کہ انبیاء اور اولیاء کا تعلق اللہ تعالےٰ کی ذات کے ساتھ ایک زندہ چیز ہوتی ہے جس کی زندگی کو دیکھنے والا اسی طرح محسوس کرتا ہے جس طرح دوسری جاندار چیزوں کی زندگی دیکھی اور محسوس کی جاتی ہے اور ایسا نہیں ہوتا کہ ان کے نزدیک گویا خدا کا وجود ایک علمی دریافت ہے جس سے اگر کوئی شخص علمی فائدہ اُٹھانا چاہے تو اُٹھالے اور بس بلکہ ان لوگوں کا تعلق خدا تعالےٰ کے ساتھ ایسا ہی محسوس و

وشہود ہوتا ہے جیساکہ دو رشتہ داروں کا یا دو دوستوں کا باہمی تعلق ہوتا ہے۔ میرا یہ مطلب نہیں کہ خدا کا تعلق اس درجہ یا اس قسم کا ہوتا ہے جیساکہ دوستوں یا رشتہ داروں کا، بلکہ مطلب یہ ہے کہ محسوس ومشہود ہونے میں وہ اسی نوعیت کا ہوتا ہے جیساکہ دنیاوی تعلقات ہوتے ہیں۔ یعنی دیکھنے والا محسوس کرتا ہے کہ جس طرح ان لوگوں کا اپنے والدین اور بھائیوں بہنوں اور بیوی بچوں اور دوستوں کے ساتھ ایک تعلق ہے اسی طرح اس ہستی کے ساتھ بھی جسے خدا کہتے ہیں ان کا ایک معین تعلق ہے۔ گو وہ اپنے درجہ عمق یا وسعت میں دنیوی تعلقات سے ہزاروں درجے بڑھ کر ہو اور یہ تعلق ان لوگوں کی عملی زندگی کے تمام شعبوں میں بلکہ ہر حرکت وسکون اور قول و فعل میں اسی طرح (گو درجہ میں بہت بڑھ چڑھ کر) محسوس طور پر اثر ڈالتا ہوا نظر آتا ہے جیساکہ دنیوی تعلقات اثر ڈالتے ہیں۔ یعنی جس طرح ایک شخص اپنے دوستوں اور رشتہ داروں کے ساتھ میل ملاقات رکھتا ہے ان سے اپنے معاملات میں مشورہ لیتا ہے کسی ضرورت یا تکلیف اور مصیبت کے وقت ان سے مدد چاہتا ہے ان کے لئے اپنے دل میں محبت رکھتا ہے اور ان کے دل میں اپنی محبت کو پاتا ہے۔ ان کے مفاد کو اپنے مفاد سمجھتا ہے اور ان کے کاموں میں ان کا ہاتھ بٹاتا ہے۔ ان کی خوشیوں اور غموں میں ان کا شریک حال ہوتا ہے۔ وغیر ذالک۔ گویا اپنی کوئی الگ انفرادی زندگی نہیں گذارتا بلکہ ان کے ساتھ مل کر ایک متحدہ حیات کا منظر پیش کرتا ہے۔ اسی طرح انبیاء اور اولیاء کا تعلق جو وہ ذات باری تعالےٰ کے ساتھ رکھتے ہیں۔ ایک زندہ حقیقت کا حکم رکھتا ہے اور ہر دیکھنے والا محسوس کر سکتا ہے کہ جس طرح کسی کا کوئی باپ ہوتا ہے اور کوئی بیٹا اور کوئی بیوی اور کوئی بھائی اور کوئی دوست، اسی طرح انبیاء واولیاء اور صالحین خدا کے ساتھ ایک رشتہ رکھتے ہیں جو خواہ خادم وآقا والا ہی رشتہ ہے مگر محبت ووفاداری میں اپنی نظیر نہیں رکھتا۔ میں اپنے اندر ایک عجیب حالت محسوس کرتا ہوں جبکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے الہام الیس اللہ بکاف عبدہٗ کے نزول کے حالات کو پڑھتا ہوں۔ آپ کے والد ماجد بیمار ہوتے ہیں اور آپ کو الہام ہوتا ہے کہ والسماء والطارق یعنے آج شام کو ان کی دنیوی زندگی کا خاتمہ ہے۔ آپ ان بوجھوں کو دیکھکر جو والد کی وفات سے آپ پر پڑنے والے تھے کچھ فکر مند ہوتے ہیں اور ایک لمحہ نظر کے لئے خیال آتا ہے کہ بعض وجوہ معاش والد کی زندگی کے ساتھ وابستہ ہیں وہ فوت ہو جائیں گے

تو پھر کیا ہوگا۔ اسپر جھٹ دوسرا الہام نازل ہوتا ہے الیس اللہ بکاف عبدہ۔ یعنی اے میرے بندے کیا تو یہ گمان کرتا ہے کہ تیرا رب تیری دستگیری کے لئے کافی نہیں ہے؟ اللہ اللہ کیا ہی محبت بھرا کلام ہے۔ کوئی سمجھتا ہوگا کہ یہ زجر کا کلمہ ہے۔ مگر جو ایسا خیال کرتا ہے میں اسے محبت کے کوچہ سے محض ہاں بالکل محض نا آشنا خیال کرتا ہوں کیونکہ میرے نزدیک ایسے موقعہ پر اظہار محبت کے واسطے اس سے زیادہ مناسب اور بہتر الفاظ چنے نہیں جا سکتے تھے۔ یہ ایسا ہی کلام ہے جیسا کہ مثلاً کسی کا کوئی دُور کا رشتہ دار کسی سے جُدا ہونے لگے تو وہ اس پر کرب کا اظہار کرے اور یہ سمجھنے لگے کہ اب گویا میرا کوئی پوچھنے والا نہیں رہا۔ حالانکہ اس کا حقیقی باپ جو اسے دل وجان سے چاہتا ہو اسکے پاس موجود ہو۔ ایسے وقت میں باپ اپنی اس گھبرائے ہوئے بیٹے سے کیا کہیگا۔ یہی نا کہ بیٹا کیا تو اپنے باپ کی محبت کو بھول گیا۔ کیا تیرا یہ دور کا رشتہ دار تجھ سے تیرے اپنے باپ کی نسبت زیادہ محبت رکھتا ہے اور تیری زیادہ خبر گیری کر سکتا ہے؟ پس خدا کا یہ کلام بھی اسی طرح کا ہے کہ اے میرے بندے کیا ہم تجھے تیرے باپ کی نسبت کم چاہتے ہیں جو تو ہمارے ہوتے ہوئے باپ کے فوت ہونے پر اس طرح گھبراہٹ کا اظہار کرتا ہے؟ پس یہ ایک محبانہ کلام ہے جس کا ہر لفظ عشق و محبت میں ڈوبا ہوا ہے اور اگر کوئی دوسرا طریق کلام کا اختیار کیا جاتا جس میں یہ استفہامیہ طریق نہ ہوتا تو وہ ہرگز اس محبت کا حامل نہ ہو سکتا جو کہ موجودہ الفاظ سے ظاہر ہو رہی ہے۔ پس اس الہام میں کوئی ایمانیات کا سوال نہیں ہے یعنے محض علمی طور پر اسباب کی طرف توجہ دلانا مقصود نہیں ہے کہ خدا اپنے بندوں کی دستگیری فرمایا کرتا ہے۔ اور اے میرے بندے تو اس حقیقت سے غافل نہ ہو بلکہ اس محبت کا اظہار مقصود ہے جو ذات باری تعالےٰ کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ساتھ تھی اور ایک محبت آمیز گلہ کے طریق پر اس گھبراہٹ کا دُور کرنا مقصود ہے جو ایک عارضی خیال کے طور پر حضرت مسیح موعود کے دل میں والد کی وفات کی خبر پاکر پیدا ہوئی تھی۔ اور چونکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اب پوری طرح خدا کی محبت کا مزا چکھ چکے تھے اور اس شراب طہور کے نشہ میں متوالے ہو چکے تھے جو خدائے قدوس کے اپنے ہاتھوں نے تیار کرکے آپ کے سامنے پیش کی تھی۔ اس لئے حافظ نور احمد کے والد کی وفات پر آپ کو اس سے بہتر عزا پرسی کا طریق نہ سوجھا کہ حافظ صاحب

اگراب تک آپ ایسا نہ سمجھتے تھے توکم ازکم اب سے ہی اپنے رب کو اپنے والد کی جا بجا سمجھو اور اسی کو اپنی امیدوں اور اپنی محبت کا تکیہ گاہ بناؤ۔ خاکسار عرض کرتاہے کہ یہ وہ لفظ ہیں جسے جسنے سمجھا وہ فلاح پاگیا۔ اے میرے آقا و مولا مجھے کوئی حق نہیں ہے کہ تجھ سے کچھ مانگوں کیونکہ تیرا کوئی حق ادا کروں تو مانگتے ہوئے بھی بھلا لگتا ہوں۔ مگر تو خود کہتاہے کہ مانگو اور تونے یہ شرط نہیں لگائی کہ نیک شخص مانگے اور عاصی نہ مانگے پس اپنے پاک مسیح کی طفیل جس سے کچھ دُور کی نسبت رکھتا ہوں مجھ پر بھی اپنی محبت کا ایک چھینٹا ڈال تاکہ ان مردہ ہڈیوں میں کچھ جان آئے اور اس پیاسے اور جھلسے ہوئے دل میں کوئی تازگی پیدا ہو اور اے مجھے اپنی مرضی سے نیست سے ہست میں لانے والے ایسا نہ کر ہاں تجھے تیری ذات کی قسم ایسا نہ کر کہ میں اپنی شامتِ اعمال کی وجہ سے تیرے دروازے سے خالی ہاتھ لوٹ جاؤں۔

(۳۵۳) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ مولوی قطب الدین صاحب طبیب نے مجھ سے بیان کیا کہ جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام پہلی دفعہ لدھیانہ تشریف لے گئے تھے اس وقت میں لدھیانہ میں ہی تھا اور پڑھا کرتا تھا۔ مجھے حضور کے آنے کی خبر ہوئی تو میں بھی حضور کو دیکھنے کے لئے سٹیشن پر گیا تھا جہاں میر عباس علی اور قاضی خواجہ علی صاحب اور نواب علی محمد صاحب آپکے استقبال کے لئے گئے ہوئے تھے۔ چنانچہ میں نے پہلی دفعہ حضرت صاحب کے ساتھ سٹیشن لدھیانہ پر ہی ملاقات کی اور پھر اسکے بعد کئی دفعہ حضور کے جائے قیام پر بھی حاضر ہوتا رہا۔ اور میں نے جب پہلی دفعہ حضرت صاحب کو دیکھا تو میرے دل پر ایسا اثر ہوا کہ گویا میرا جسم اندر سے بالکل پگھل گیا ہے اور قریب تھا کہ میں بیہوش ہو کر گر جاتا مگر سنبھلا رہا۔ پھر اس کے بعد میں حضرت صاحب کی ملاقات کے لئے قادیان بھی آتا رہا۔ اسوقت تک ابھی صرف مجددیت کا دعویٰ تھا اور بیعت کا سلسلہ بھی شروع نہ ہوا تھا اور جب میں پہلی دفعہ قادیان آیا تو اس وقت مسجد مبارک کی تعمیر شروع تھی اور جس دن حضرت صاحب کے کرتہ پر سرخی کے چھینٹے پڑنے کا واقعہ ہوا اس دن بھی میں قادیان میں حضرت کی خدمت میں حاضر تھا۔

(۳۵۴) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ مولوی قطب الدین صاحب نے مجھ سے بیان کیا کہ ایک دفعہ سلسلہ بیعت سے قبل جب صرف مجددیت کا دعویٰ تھا میں نے حضرت صاحب کی خدمت میں

عرض کی کہ میں حضور کو صدق دل سے سچا سمجھتا ہوں اور مجھے قطعاً کوئی اعتراض نہیں ہے لیکن جس رنگ کا اثر اہل اللہ کی صحبت میں سنا جاتا ہے وہ میں حضور کی صحبت میں بیٹھ کر اپنے اندر نہیں پاتا۔ حضرت صاحب نے فرمایا کہ آپ ملک کا ایک چکر لگائیں اور سب دیکھ بھال کر دیکھیں کہ جس قسم کے اہل اللہ آپ تلاش کرتے ہیں اور جو اثر آپ چاہتے ہیں وہ دنیا میں کہیں موجود بھی ہے یا نہیں یا یہ صرف کہنے کی باتیں ہیں۔ مولوی صاحب کہتے ہیں کہ پھر میں نے اسی غرض سے تمام ہندوستان کا ایک دورہ کیا اور سب مشہور مقامات مثلاً کراچی۔ اجمیر۔ بمبئی۔ حیدر آباد دکن۔ کلکتہ وغیرہ میں گیا اور مختلف لوگوں سے ملا۔ اور پھر سب جگہ سے ہو کر واپس پنجاب آیا۔ اس سفر میں مجھے بعض نیک آدمی بھی ملے۔ لیکن وہ بات نظر نہ آئی جس کی مجھے تلاش تھی۔ پھر میں وطن جانے سے پہلے حضرت صاحب کی ملاقات کے لئے قادیان کی طرف آیا مگر جب بٹالہ پہنچا تو اتفاقاً مجھے ایک شخص نے اطلاع دی کہ حضرت مرزا صاحب تو یہیں بٹالہ میں ہیں چنانچہ میں حضرت کی ملاقات کے لئے گیا۔ اس وقت آپ مولوی محمد حسین بٹالوی کے مکان پر ٹھہرے ہوئے تھے۔ میں جب گیا تو آپ باہر سیر سے واپس مکان کو تشریف لا رہے تھے چنانچہ میں حضور سے ملا اور حضور نے مجھ سے سفر کے حالات دریافت فرمائے جو میں نے عرض کئے اور میں بٹالہ سے ہی واپس وطن چلا گیا۔ اس سفر میں نصیر آباد میں جو اجمیر کی طرف ایک جگہ ہے مجھے ایسے لوگوں سے ملاقات ہوئی جو حضرت صاحب کے بہت معتقد تھے اور حضرت کے ساتھ خط و کتابت رکھتے تھے۔ ان لوگوں نے مجھے اپنے پاس مستقل طور پر ٹھہرانا چاہا اور میرے لئے ایک معقول صورت گذارے کی بھی پیش کی لیکن مجھے شرح صدر نہ ہوا۔ بعد میں جب حضرت صاحب نے مسیح و مہدی ہونے کا دعویٰ کیا تو یہ لوگ مرتد ہو گئے اور تب مجھے یہ بات سمجھ آئی کہ مجھے وہاں ٹھہرنے کے لئے کیوں شرح صدر نہیں ہوا تھا۔ اگر میں وہاں ٹھہر جاتا تو ممکن ہے خود بھی کسی ابتلا میں پڑ جاتا۔ خیر اسکے بعد کچھ عرصہ گذرا اور میں قادیان نہ آیا۔ اسی دوران میں سلسلہ بیعت بھی شروع ہو گیا اور مسیحیت کا دعویٰ بھی ہو گیا۔ لیکن گو میں بدستور معتقد رہا اور کبھی مخالفوں کی مخالفانہ باتوں کا میرے دل پر اثر نہیں ہوا۔ کیونکہ میں خود اپنی آنکھوں سے حضرت صاحب کو دیکھ چکا تھا۔ لیکن میں بیعت سے رکا رہا۔ اس کے بعد ایک دفعہ حضرت صاحب

کی خدمت میں حاضر ہوا تو حضرت مولوی نورالدین صاحب خلیفہ اوّل نے مجھ سے تحریک فرمائی کہ بیعت میں داخل ہوجانا چاہئے۔ میں نے عرض کیا کہ مجھے ہرگز کوئی اعتراض نہیں ہے اور میں دل سے سچا سمجھتا ہوں۔ لیکن اتنا بڑا دعویٰ بھی ہو اور پھر میں اثر سے محروم رہوں اور اپنے اندر وہ بات نہ پاؤں جو اہل اللہ کی صحبت میں سُنی جاتی ہے تو پھر مجھے کیا فائدہ ہوا۔ یہ سُنکر حضرت صاحب نے فرمایا ایسی صورت میں آپ کو واقعی بیعت میں داخل نہیں ہونا چاہئے۔ ہاں آپ کچھ عرصہ میرے پاس قیام کریں۔ پھر اگر تسلی اور تشفی ہو تو آپ کو اختیار ہے۔ چنانچہ میں کچھ عرصہ یہاں ٹھہرا اور پھر بیعت سے مشرف ہو کر چلا گیا۔ جب میں نے بیعت کی درخواست کی تو حضرت صاحب نے مجھ سے فرمایا کہ کیا آپ کا اطمینان ہو گیا ہے؟ میں نے عرض کیا کہ حضور آپ کی صداقت کے متعلق تو مجھے کبھی بھی شک نہیں ہوا ہاں ایک اور خلش تھی سو وہ بھی بڑی حد تک خدا نے دور فرمادی ہے۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ مولوی سید محمد سرور شاہ صاحب نے مجھ سے یہ بیان کیا تھا کہ بعض لوگوں نے ان کے سامنے بھی بعض اوقات . . . . حضرت صاحب کے متعلق اسی قسم کے خیال کا اظہار کیا تھا کہ آپ کی صداقت کے دلائل تو لاجواب ہیں اور آپ کی بزرگی بھی اظہر من الشمس ہے۔ لیکن جو اثر اہل اللہ کی صحبت کا سُنا جاتا ہے وہ محسوس نہیں ہوتا۔ و ممکن ہے اسی قسم کے خیالات بعض اور لوگوں کے دلوں میں بھی پیدا ہوئے ہوں اسلئے اپنے علم کے مطابق خاکسار عرض کرتا ہے کہ یہ خیال دو وجہ سے پیدا ہوتا ہے اور یہ کوئی نیا خیال نہیں ہے بلکہ ہمیشہ سے انبیاء و مرسلین کے زمانہ میں بعض لوگوں کے اندر پیدا ہوتا چلا آیا ہے در اصل اگر غور سے دیکھا جاوے تو انبیاء کے متعلق لوگوں کے چار گروہ ہو جاتے ہیں۔ اوّل وہ منکرین جو نہ انبیاء کے دعویٰ کی صداقت کو مانتے ہیں اور نہ ان کی ذاتی بزرگی اور روحانی اثر کے قائل ہوتے ہیں۔ دوسرے وہ منکرین جو بوجہ میل ملاقات اور ذاتی تعلقات کے انبیاء کی بزرگی اور ان کے روحانی اثر کے تو ایک حد تک قائل ہوتے ہیں لیکن پرانے رسمی عقائد کی بناء پر دعوے کی صداقت کو تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتے اسلئے منکر رہتے ہیں۔ تیسرے وہ معتقدین اور ماننے والے جن پر انبیاء کے دعوے کی صداقت بھی روشن و ظاہر ہوتی ہے اور ان کے روحانی اثر کو بھی وہ علیٰ قدر مراتب محسوس کرتے اور اس سے

متمتع ہوتے ہیں اور چوتھے وہ مصدقین جو ان کے دعوے کی صداقت کو تو دل سے تسلیم کرتے ہیں اور عمومی رنگ میں ان کی بزرگی کو بھی مانتے ہیں اور اسلئے بالعموم ان کی جماعت میں شامل ہو جاتے ہیں لیکن اپنے اندر کوئی روحانی اثر محسوس نہیں کرتے۔ اور اسی لئے اس جہت سے کچھ شکوک میں مبتلا رہتے ہیں۔ اس جگہ ہمیں چوتھے گروہ سے کام ہے جو صداقت کا تو قائل ہوتا ہے اور بزرگی کو بھی تسلیم کرتا ہے لیکن اپنے اندر روحانی اثر جیسا کہ چاہتا ہے محسوس نہیں کرتا۔ سو جاننا چاہئے کہ یہ حالت انسان کی دو وجہ سے پیدا ہوتی ہے۔ اوّل تو یہ ہے کہ بعض اوقات اپنی غفلتوں اور کمزوریوں کی وجہ سے انسانی روح کے وہ دروازے اور کھڑکیاں جن میں سے کسی بیرونی روح کا اثر ان تک پہنچ سکتا ہے۔ بند ہو جاتی ہیں اور اسلئے وہ فیضان جو ان تک پہنچ سکتا تھا ان تک پہنچنے سے رکا رہتا ہے۔ اور بعض وقت غفلت ایسی غالب ہوتی ہے کہ انسان یہ خیال نہیں کرتا کہ خود میری کھڑکیاں اور دروازے بند ہیں۔ بلکہ یہ سمجھنے لگ جاتا ہے کہ باہر سے روشنی ہی نہیں آرہی اور اس طرح بجائے اپنی اصلاح کی فکر کرنے کے منبع فیض کی فیض رسانی پر حرف گیری کرنے لگ جاتا ہے۔ حالانکہ ایسے وقت میں چاہئے کہ انسان اپنی فکر کرے اور اپنے دل کی کھڑکیاں کھولے تاکہ آفتاب ہدایت کی روشنی اور دھوپ اسکے اندر داخل ہو کر اس کی تاریکیوں کو دور اور اس کی آلائشوں کو صاف کر سکے۔ مگر کیا ہی بدقسمت ہے وہ شخص جس نے یہ تو دیکھا اور سمجھا کہ سورج طلوع کر چکا ہے لیکن اس نے اپنے دل کی کھڑکیاں نہ کھولیں اور اسی خیال میں اپنی عمر گذار دی کہ سورج کی روشنی میں کچھ نقص ہے کہ وہ مجھ تک نہیں پہنچتی۔ دوسری وجہ یہ ہوتی ہے کہ ایک طرف تو لوگ منہاج نبوت سے ناواقف ہوتے ہیں اور بوجہ بُعد از زمانہ نبوت نبیوں کے حالات اور ان کے طرز و طریق اور ان کے فیض رسانی کی صورت سے ناآشنا ہوتے ہیں۔ اور دوسری طرف فقیروں اور ولیوں کے متعلق انہوں نے ایسے ایسے قصے اور حالات سُنے اور پڑھے ہوتے ہیں جو گو محض فرضی اور جھوٹے ہوتے ہیں مگر وہ ان کے اندر ولایت کا ایک معیار قائم کر دیتے ہیں جس کے مطابق وہ پھر دوسروں کو پرکھتے ہیں۔ اور اسکے مطابق نہ پانے پر شکوک و شبہات میں مبتلا ہونے لگ جاتے ہیں۔ مثلاً فرض کرو کہ کسی نے یہ سُنا ہو کہ شیر وہ جانور ہے جس کا رنگ سرخ ہوتا ہے اور گردن بہت لمبی ہوتی ہے

اور دم بہت چھوٹی ہوتی ہے اور قد دس فٹ یا اس سے بھی زیادہ بلند ہوتا ہے وغیر ذالک۔ تو وہ جب کبھی کوئی اصل شیر دیکھیگا تو لامحالہ یہی خیال کرے گا کہ یہ تو شیر نہیں ہے۔ کیونکہ جو نقشہ اسکے ذہن میں شیر کا ہے اسکے مطابق وہ اسے نہیں پائیگا۔ پس نبوّت وولایت کا ایک غلط نقشہ دل میں قائم ہوجانا بھی انسان کو اسی قسم کے شبہات میں مبتلا کردیتا ہے۔ پس ایسے حالات میں انسان کو چاہیئے کہ آنحضرت صلعم کے حالات زندگی کا بغور مطالعہ کرے اور منہاج نبوت اور سنت نبوی کو اپنے سامنے رکھے اور زید وبکر کے متعلق جو محض فرضی اور جھوٹے قصے مشہور ہوں ان پر نہ جاوے اور اپنے معیار کو اس روشنی میں قائم کرے جو قرآن شریف اور سرور کائنات کے سوانح کے مطالعہ سے اسے حاصل ہو۔ ایک مسلمان کے واسطے بہرحال قرآن شریف اور آنحضرت صلعم کی صداقت مسلّم ہے۔ پس کیا وجہ ہے کہ زید وبکر کے متعلق وہ ایسی باتوں کو سچا تسلیم کرے۔ جو قرآن مجید اور آنحضرت صلعم میں بھی نہیں پائی جاتیں۔ مسلمانوں میں ولیوں اور بزرگوں کے متعلق ایسے ایسے مبالغہ آمیز اور لایعنی قصے اور خوارق مشہور ہیں کہ سنکر حیرت آتی ہے اور تعجب ہے کہ یہ قصے صرف زبانوں تک محدود نہیں بلکہ بدقسمتی سے مسلمانوں کے لٹریچر میں بھی راہ پا چکے ہیں۔

اس دھوکے کے پیدا ہونے کی ایک یہ وجہ بھی ہے کہ جیساکہ میں نے اس کتاب کے حصہ اوّل میں لکھا تھا علم توجہ نے بھی مسلمانوں کو بہت تباہ کیا ہے۔ یہ علم ایک مفید علم ہے اور اس سے کئی صورتوں میں فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے لیکن اسکا غلط استعمال بھی اپنی نقصان رسانی میں کچھ کم نہیں مسلمانوں میں جب روحانیت کم ہوئی اور لامذہبی اور مادیت کا رنگ پیدا ہونے لگا تو جو لوگ نیک اور متقی تھے ان کو اس کا فکر پیدا ہوا لیکن وہ اپنی روحانی حالت کو بھی ایسا قوی نہ پاتے تھے کہ ضلالت کے اس طوفان کو دبا سکیں۔ پس انہوں نے عوام کو تباہی سے بچانے کے لئے یہ راہ نکالی کہ علم توجہ سے جسے انگریزی میں Hypnotism کہتے ہیں کام لینا شروع کیا اور مذہب کی آڑ میں اس علم سے لوگوں کو مسخر کرنا چاہا چنانچہ وقتی طور پر اس کا فائدہ بھی ہوا اور لوگ مادیت اور جھوٹی آزادی کی رو میں بہ جانے سے ایک حد تک بچ گئے۔ مگر یہ خطرناک نقصان بھی ساتھ ہی ہوا کہ آہستہ آہستہ ایک طرف تو خود توجہ کرنے والے بزرگ اس امر کی اصلی حقیقت سے ناآشنا ہوتے گئے اور دوسری طرف عوام اس نشہ میں ایسے مخمور ہوئے کہ بس اسی کو دین ومذہب اور اسی

روحانیت اور اسی کو مذہب واثر قرار دینے لگے اور ولایت کا ایک نہایت غلط معیار ان کے اندر قائم ہوگیا۔ حالانکہ علم توجہ دنیا کے علموں میں سے ایک علم ہے جسے مذہب کے ساتھ کوئی خاص تعلق نہیں ہے بلکہ ہر شخص اپنی محنت اور استعداد کے مطابق اسے کم و بیش حاصل کر سکتا ہے گویا جس طرح ایک رونے والے بچے کو ماں اپنے آرام کے لئے افیم کی چاٹ لگا دیتی ہے اور پھر آہستہ آہستہ وہ بچہ افیم کو ہی اپنی غذا سمجھنے لگ جاتا ہے اور اسکے ملنے پر تسکین و راحت پاتا ہے اور اسکے بغیر روتا اور چلاتا اور تکلیف محسوس کرتا ہے اسی طرح مسلمانوں کا حال ہوا یعنے علم توجہ کے نتیجہ میں جو ایک خمار اور سرور کی حالت عموماً معمول کے اندر پیدا ہو جاتی ہے اسی کو وہ اپنی روحانی غذا سمجھنے لگ گئے اور اصل خوراک کو جو ان کی روح کا حصہ بن سکتی اور اس کی بقا کا موجب ہی بھلا دیا فانا للہ وانا الیہ راجعون ۔

(۳۵۵) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے دعویٰ مسیحیت و مہدویت کا اعلان فرمایا تو اس سے اسلامی دنیا میں ایک خطرناک شور برپا ہوگیا اور چند سال تک یہ طوفان بے تمیزی ترقی کرتا گیا اور مخالفت کی آگ زیادہ تیز ہوتی گئی اور نہ صرف مسلمان بلکہ آریہ اور عیسائی بھی ہیجان ہو کر آپ کے خلاف اُٹھ کھڑے ہوئے اور آپ کے خلاف اس قدر زہر اگلا گیا اور اس قدر بدزبانی سے کام لیا گیا کہ خدا کی پناہ۔ اور عملی طور پر بھی ایذا رسانی اور تکلیف دہی کے شرمناک طریق اختیار کئے گئے اور لوگوں کو آپ کی طرف سے بدظن کرنے کے لئے طرح طرح کے الزامات آپ کے خلاف لگائے گئے اور آپ کو کافر، مرتد، دجال، بے دین، دہریہ، دشمن اسلام، دشمن رسول، ٹھگ باز، دوکاندار وغیرہ وغیرہ کے الفاظ سے یاد کیا گیا۔ ان حالات میں آپ نے جن الفاظ میں علیحدگی میں بیٹھے ہوئے اپنے رب کو مخاطب کیا وہ میں درج ذیل کرتا ہوں۔ یہ ایک نظم ہے جو آپ کی زبان سے جاری ہوئی اور جس میں آپ کی قلبی کیفیات کا کچھ تھوڑا سا خاکہ ہے۔ آپ فرماتے ہیں:۔

اے قدیر و خالقِ ارض و سما — اے رحیم و مہربان و رہنما

اے کہ میداری تو بر دلہا نظر — اے کہ از تو نیست چیزے مستتر

گر تو مے بینی مرا پر فسق و شر — گر تو دیدستی کہ ہستم بد گہر

پارہ پارہ کن منِ بدکار را — شاد کن ایں زمرۂ اغیار را
بر دلِ شاں ابرِ رحمت ہا ببار — ہر مرادِ شاں بفضلِ خود برآر
آتش افشاں بر در و دیوارِ من — دشمنم باش و تبہ کن کارِ من
ور مرا از بندگانت یافتی — قبلۂ من آستانت یافتی
در دلِ من آں محبت دیدۂ — کز جہاں آں راز را پوشیدۂ
با من از روئے محبت کار کن — اندکے افشائے آں اسرار کن
ایکہ آئی سوئے ہر جویندۂ — واقفی از سوزِ ہر سوزندۂ
زاں تعلق ہا کہ با تو داشتم — زاں محبت ہا کہ در دل کاشتم
خود بروں آ از پئے ابراء من — اے تو کہف و ملجاء و ماوائے من
آتشے کاندر دلم افروختی — وزدمِ آں غیرِ خود را سوختی
ہم ازاں آتش رخِ من برفروز — ویں شبِ تارم مبدّل کن بروز

یعنی اے میرے قادر زمین وآسمان کے پیدا کرنے والے! اے میرے رحیم اور رحمان اور ہادی آقا! اے دلوں کے بھیدوں کو جاننے والے جس پر کوئی بات بھی مخفی نہیں ہے! اگر تو مجھے شرارت اور فسق سے بھرا ہوا پاتا ہے اور اگر تو یہ دیکھتا ہے کہ میں ایک بدطینت آدمی ہوں تو تو مجھ بدکار کو پارہ پارہ کر کے ہلاک کردے اور میرے اس مخالف گروہ کے دلوں کو خوشی اور راحت بخش۔ اور ان پر اپنی رحمت کے بادل برسا اور ان کی ہر خواہش کو اپنے فضل سے پورا فرما۔ اور اگر میں ایسا ہی ہوں جیسا کہ یہ کہتے ہیں تو تو میرے در و دیوار پر اپنے غضب کی آگ نازل کر اور خود میرا دشمن بنکر میرے کاروبار کو تبہ و برباد کردے۔ لیکن اے میرے آقا! اگر تو مجھے اپنے بندوں میں سے سمجھتا ہے اور اپنے آستانہ کو میرا قبلہ توجہ پاتا ہے۔ اور میرے دل میں اس محبت کو دیکھتا ہے جسے تو نے دنیا کی نظروں سے اسکی شامت اعمال کی وجہ سے پوشیدہ رکھا ہے تو اے میرے خدا میرے ساتھ محبت کا معاملہ کر اور اس چھپے ہوئے راز کو ذرا ظاہر ہونے دے۔ اے وہ کہ جو ہر تلاش کرنے والے کی طرف خود چل کر آتا ہے اور اے وہ کہ جو ہر سوز محبت میں جلنے والے کی سوزش قلب سے آگاہ ہے۔ میں تجھے اس تعلق کا واسطہ دیکر کہتا ہوں کہ جو میرے دل میں

تیرے لئے ہے اوراس محبت کو یاد دلاکر عرض کرتا ہوں کہ جس کے درخت کو مینے اپنے دل میں نصب کیا ہے کہ مجھے ان الزاموں سے بری کرنے کے لئے تو خود اُٹھ۔ ہاں اے میری پناہ اور میرے ملجاؤ وماوٰے تو ایساہی کر۔ وہ آتش محبت جو تو نے میرے دل میں شعلہ زن کی ہے جس کی لپٹوں سے تو نے میرے دل میں غیر کی محبت کو جلاکر خاک کردیا ہے۔ اب ذرا اسی آگ سے میرے ظاہر کو بھی روشن فرما۔ اور اے میرے مولا! میری اس تاریک وتار رات کو دن سے بدل دے"

خاکسار عرض کرتا ہے کہ بعض حالات میں خود انسان کا اپنے منہ سے نکلا ہوا کلام بھی اسکے صدق دعویٰ پر ایک یقینی شہادت ہوتا ہے۔

(۳۵۶) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ چوہدری حاکم علی صاحب نے مجھ سے بیان کیا کہ جب اپریل ۱۹۰۵ء میں بڑا زلزلہ آیا تھا اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنے باغ میں تشریف لیجا کر ڈیرہ لگالیا تھا اور اَور بھی اکثر دوست باغ میں چلے گئے تھے ان دنوں میں مَیں بھی اپنے اہل وعیال سمیت قادیان آیا ہوا تھا۔ حضرت صاحب باغ میں تشریف لے گئے تو اس کے بعد قادیان میں طاعون پھیل گیا۔ مینے حضرت صاحب سے عرض کیا کہ حضور یہاں باغ میں تشریف رکھتے ہیں اور اکثر دوست بھی یہیں آگئے ہیں اور سب نے یہاں پر کسی نہ کسی طرح اپنی رہائش کا انتظام کرلیا ہے۔ مگر میرے پاس یہاں نہ کوئی خیمہ ہے اور نہ ہی کوئی ایسا زائد کپڑا ہے جس کے ساتھ چھپر وغیرہ تان سکوں اور نہ کوئی اور انتظام کی صورت ہے۔ حضرت صاحب نے فرمایا کہ ہم تو یہاں زلزلہ کی وجہ سے آئے تھے۔ لیکن اب قصبہ میں طاعون پھیلا ہوا ہے اور چونکہ ہم کو اللہ تعالےٰ اس حالت سے قبل یہاں لے آیا تھا اسلئے ہم سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ کا کسی وجہ سے منشاء ہے کہ ہم فی الحال یہیں پر قیام کریں ورنہ ہمیں اور کوئی خیال نہیں ہے۔ آپ شہر میں ہمارے مکان میں چلے جائیں۔ اس سے زیادہ محفوظ جگہ اور کوئی نہیں۔ چنانچہ میں حضور کے مکان میں آگیا۔

خاکسار عرض کرتا ہے کہ شریعت کا ایک حکم ہے کہ جس جگہ طاعون یا کوئی اور اسی قسم کی وبائی بیماری پھیلی ہوئی ہو وہاں نہیں جانا چاہئے اور نہ ایسی جگہ کے باشندوں کو وہاں سے نکل کر دوسری بستی میں جانا چاہئے کیونکہ اس طرح وبا کے زیادہ پھیل جانے کا اندیشہ ہوتا ہے۔

لیکن اس سے یہ مراد نہیں کہ جس جگہ طاعون کا زور ہو وہاں سے نکل کر اردگرد کے کھلے میدانوں میں بھی جاکر ڈیرہ لگانا منع ہے۔ کیونکہ جس طرح طاعون زدہ علاقے سے نکل کر کسی دوسری آبادی میں جانا مرض کے پھیلانے کا موجب ہو سکتا ہے اس طرح کھلے میدانوں میں جاکر ڈیرے لگانا نہیں ہو سکتا بلکہ ایسا کرنا تو سراسر مفید ہے۔ اور اس سے مرض کو بہت حد تک روکا جاسکتا ہے چنانچہ جہاں شریعت نے وبا زدہ علاقہ سے نکل کر دوسری آبادی میں جانے کو روکا ہے وہاں اردگرد کے کھلے میدانوں میں پھیل جانے کو مستحسن قرار دیا ہے اور اس کی سفارش کی ہے لیکن حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ایک خاص استثنائی معاملہ تھا اور وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے یہ اطلاع دی تھی کہ تیری چاردیواری (جسمانی اور روحانی) کے اندر کوئی شخص طاعون سے نہیں مرے گا۔ کیونکہ ایسے تمام لوگ اللہ تعالےٰ کی خاص حفاظت میں ہوں گے چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ قادیان میں کئی دفعہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زندگی میں طاعون آیا اور بعض اوقات ایک حد تک بیماری کا زور بھی ہوا۔ مگر آپ کے مکان میں کسی شخص کا اس وبا سے مرنا تو درکنار کبھی کوئی چوہا بھی اس بیماری سے نہیں مرا حالانکہ آپ کے مکان کے چاروں طرف طاعون کا اثر پہنچا اور بالکل ساتھ والے متصل مکانات میں بھی طاعون کے کیس ہوئے مگر آپ کا مکان خدا کے فضل اور اسکے وعدہ کے مطابق بالکل محفوظ رہا۔ اسی طرح گو آپ کے روحانی مکان کی چاردیواری کی اصل تعیین کا علم صرف خدا کو ہے اور صرف بیعت اور ظاہری حالت سے اسکے متعلق کوئی یقینی قیاس نہیں ہو سکتا لیکن آپ کے مخلص اور یک رنگ خادم بالعموم اس بیماری کے اثر سے نمایاں طور پر محفوظ رہے اور خدائی وعدہ کے مطابق طاعون کی بیماری ایک خارق عادت طور پر سلسلہ احمدیہ کی اشاعت اور ترقی کا موجب ہوئی۔ چنانچہ اگر اشاعت سلسلہ کی تاریخ کا بغور مطالعہ کیا جاوے تو صاف نظر آتا ہے کہ جس سرعت کے ساتھ طاعون کے زمانہ میں سلسلہ کی ترقی ہوئی ہے ایسی سرعت اس وقت تک اور کسی زمانہ میں نہیں ہوئی۔ نہ طاعون کے دور دورہ سے قبل اور نہ اسکے بعد۔ چنانچہ حضرت خلیفۃ المسیح ثانی بیان فرماتے تھے کہ جن دنوں میں اس بیماری کا پنجاب میں زور تھا ان دنوں میں بعض اوقات پانچ پانچ سو آدمیوں کی بیعت کے خطوط ایک ایک دن میں حضرت صاحب کی خدمت میں پہنچتے تھے اور یہ سب کچھ اس خدائی پیشگوئی کے مطابق ظہور میں آیا جو پیش از وقت حضرت

مسیح موعود علیہ السلام کی طرف سے شائع کی گئی تھی ۔

(۳۵۷) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ حافظ روشن علی صاحب نے مجھ سے بیان کیا کہ ایک دفعہ کسی دینی ضرورت کے ماتحت حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے حضرت مولوی نورالدین صاحب کو یہ لکھا کہ آپ یہ اعلان فرمادیں کہ میں حنفی المذہب ہوں حالانکہ آپ جانتے تھے کہ حضرت مولوی صاحب عقیدۃً اہل حدیث تھے۔ حضرت مولوی صاحب نے اسکے جواب میں حضرت صاحب کی خدمت میں ایک کارڈ ارسال کیا جس میں لکھا ؎

"بہ مے سجادہ رنگیں کن گرت پیرِ مغاں گوید　　که سالک بے خبر نبود زراہ و رسم منزلہا

اور اس کے نیچے "نورالدین حنفی" کے الفاظ لکھدیئے۔ اسکے بعد جب مولوی صاحب حضرت صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضرت صاحب نے مولوی صاحب سے دریافت کیا کہ مولوی صاحب حنفی مذہب کا اصول کیا ہے؟ مولوی صاحب نے عرض کیا کہ حضور اصول یہ ہے کہ قرآن شریف سب سے مقدم ہے اگر اسکے اندر کوئی مسئلہ نہ ملے تو آنحضرت صلعم کے فعل و قول کو دیکھنا چاہئیے جس کا حدیث سے پتہ لگتا ہے اور اسکے بعد اجماع اور قیاس سے فیصلہ کرنا چاہئیے۔ حضرت صاحب نے فرمایا تو پھر مولوی صاحب آپ کا کیا مذہب ہی؟ مولوی صاحب نے عرض کیا کہ حضور میرا بھی یہی مذہب ہے۔ اسپر حضرت صاحب نے اپنی جیب سے مولوی صاحب کا وہ کارڈ نکالا اور ان کی طرف پھینک کر مسکراتے ہوئے فرمایا کہ پھر اسکا کیا مطلب ہی؟ مولوی صاحب شرمندہ ہو کر خاموش ہو گئے۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ حضرت مولوی صاحب نے جو شعر لکھا تھا اس کا یہ مطلب تھا کہ اگر چہ میں اپنی رائے میں تو اہل حدیث ہوں لیکن چونکہ میرا پیر طریقت کہتا ہے کہ اپنے آپ کو حنفی کہو اسلئے میں اس کی رائے پر اپنی رائے کو قربان کرتا ہوا اپنے آپ کو حنفی کہتا ہوں۔ نیز خاکسار عرض کرتا ہے کہ احمدیت کے چرچے سے قبل ہندوستان میں اہل حدیث کا بڑا چرچا تھا اور حنفیوں اور اہل حدیث کے درمیان (جنکو عموماً لوگ وہابی کہتے ہیں) بڑی مخالفت تھی اور آپس میں مناظرے اور مباحثے ہوتے رہتے تھے اور یہ دونوں گروہ ایک دوسرے کے گویا جانی دشمن ہو رہے تھے ......

...... اور ایک دوسرے کے خلاف فتویٰ بازی کا میدان گرم تھا۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام گو دراصل دعوے سے قبل بھی کسی گروہ سے اس قسم کا تعلق نہیں رکھتے تھے

جس سے تعصب یا جتھہ بندی کا رنگ ظاہر ہو لیکن اصولاً آپ ہمیشہ اپنے آپ کو حنفی ظاہر فرماتے تھے اور آپ نے اپنے لئے کسی زمانہ میں بھی اہل حدیث کا نام پسند نہیں فرمایا۔ حالانکہ اگر عقائد و تعامل کے لحاظ سے دیکھیں تو آپ کا طریق حنفیوں کی نسبت اہل حدیث سے زیادہ ملتا جلتا ہے۔

(۳۵۸) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ مولوی شیر علی صاحب نے مجھ سے بیان کیا کہ ایک دفعہ ایک مولوی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور الگ ملاقات کی خواہش ظاہر کی۔ جب وہ آپ سے ملا تو باتوں باتوں میں اس نے کئی دفعہ یہ کہا کہ میں حنفی ہوں اور تقلید کو اچھا سمجھتا ہوں وغیر ذالک۔ آپ نے اس سے فرمایا کہ ہم کوئی حنفیوں کے خلاف تو نہیں ہیں کہ آپ بار بار اپنے حنفی ہونے کا اظہار کرتے ہیں۔ میں تو ان چار اماموں کو مسلمانوں کے لئے بطور ایک چاردیواری کے سمجھتا ہوں جس کی وجہ سے وہ منتشر اور پراگندہ ہونے سے بچ گئے ہیں۔ پھر آپ نے فرمایا کہ ہر شخص اسبات کی اہلیت نہیں رکھتا کہ دینی امور میں اجتہاد کرے۔ پس اگر یہ ائمہ نہ ہوتے تو ہر اہل و نااہل آزادانہ طور پر اپنا طریق اختیار کرتا۔ اور امت محمدیہ میں ایک اختلاف عظیم کی صورت قائم ہو جاتی مگر اللہ تعالیٰ کے فضل سے ان چار اماموں نے جو اپنے علم و معرفت اور تقویٰ و طہارت کی وجہ سے اجتہاد کی اہلیت رکھتے تھے۔ مسلمانوں کو پراگندہ ہو جانے سے محفوظ رکھا۔ پس یہ امام مسلمانوں کے لئے بطور ایک چاردیواری کے رہے ہیں اور ہم ان کی قدر کرتے اور ان کی بزرگی اور احسان کے معترف ہیں۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام یوں تو سارے اماموں کو عزت کی نظر سے دیکھتے تھے مگر امام ابوحنیفہ صاحب کو خصوصیت کے ساتھ علم و معرفت میں بڑھا ہوا سمجھتے تھے اور ان کی قوت استدلال کی بہت تعریف فرماتے تھے۔

(۳۵۹) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ مولوی شیر علی صاحب نے مجھ سے بیان کیا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام بڑی سختی کے ساتھ اسبات پر زور دیتے تھے کہ مقتدی کو امام کے پیچھے بھی سورۃ فاتحہ پڑھنی ضروری ہے۔ مگر ساتھ ہی یہ بھی فرماتے تھے کہ باوجود سورۃ فاتحہ کو ضروری سمجھنے کے میں یہ نہیں کہتا کہ جو شخص سورۃ فاتحہ نہیں پڑھتا اس کی نماز نہیں ہوتی۔ کیونکہ بہت سے بزرگ اور اولیاء اللہ ایسے گذرے ہیں جو سورۃ فاتحہ کی تلاوت ضروری نہیں سمجھتے تھے۔ اور میں ان کی نمازوں کو ضائع شدہ

نہیں سمجھ سکتا۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ حنفیوں کا عقیدہ ہے کہ امام کے پیچھے مقتدی کو خاموش کھڑے ہو کر اس کی تلاوت کو سننا چاہیئے اور خود کچھ نہیں پڑھنا چاہیئے۔ اور اہل حدیث کا یہ عقیدہ ہے کہ مقتدی کے لئے امام کے پیچھے بھی سورۃ فاتحہ کا پڑھنا ضروری ہے اور حضرت صاحب اس مسئلہ میں اہل حدیث کے مؤید تھے مگر باوجود اس عقیدہ کے آپ غالی اہل حدیث کی طرح یہ نہیں فرماتے تھے کہ جو شخص سورۃ فاتحہ نہیں پڑھتا اس کی نماز نہیں ہوتی۔

(۳۶۰) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ حضرت والدہ صاحبہ نے مجھ سے بیان کیا کہ عصمت جو تمہاری سب سے بڑی بہن تھی وہ جمعہ سے پہلی رات کو صبح کی نماز سے قبل پیدا ہوئی تھی اور بشیر اول اتوار سے قبل رات کو بعد از نصف شب پیدا ہوا تھا اور محمود (یعنے حضرت خلیفہ ثانی) ہفتہ سے پہلی رات کو دس گیارہ بجے کے قریب پیدا ہوئے تھے اور شوکت پیر کے دن چار بجے شام کے پیدا ہوئی تھی اور تم (یعنے یہ خاکسار) جمعرات کی صبح کو بعد طلوع آفتاب پیدا ہوئے تھے اور شریف بھی جمعرات کی صبح کو قبل طلوع آفتاب پیدا ہوئے تھے اور مبارکہ منگل سے پہلی رات کے نصف اول میں پیدا ہوئی تھیں۔ اور مبارک بدھ کے دن سہ پہر کے وقت پیدا ہوا تھا اور امۃ النصیر کے متعلق یاد نہیں اور امۃ الحفیظ شائد پیر سے پہلی رات عشاء کے بعد پیدا ہوئی تھیں۔ نیز والدہ صاحبہ نے بیان فرمایا کہ جب مبارکہ پیدا ہونے لگیں تو حضرت صاحب نے دعا کی تھی کہ خدا اسے منگل کے (شدائد والے) اثر سے محفوظ رکھے۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ دن اپنی تاثیرات اور افاضۂ برکات کے لحاظ سے ایکدوسرے سے مختلف ہیں اور جیسا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے تحفہ گولڑویہ میں مفصل بحث کی ہے یہ تاثیرات قانون نیچر کے ماتحت ستاروں کے اثر کا نتیجہ ہیں۔

(۳۶۱) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ مولوی شیر علی صاحب نے مجھ سے بیان کیا کہ ایک دفعہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے مولوی محمد علی صاحب کے پاس سفارش کی کہ مولوی یار محمد صاحب کو مدرسہ میں بطور مدرس کے لگا لیا جاوے۔ مولوی محمد علی صاحب نے عرض کیا کہ حضور تو ان کی حالت کو جانتے ہیں۔ حضرت صاحب مسکرا کر فرمانے لگے کہ میں آپ سے بدتر جانتا ہوں مگر پھر بھی لگا لینا چاہیئے۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ مولوی یار محمد صاحب ایک بڑے مخلص

احمدی تھے اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے ان کو بہت محبت تھی مگر چونکہ ان کے اندر ایک خاص قسم کا دماغی نقص تھا اسلئے غالباً اسے مدنظر رکھتے ہوئے مولوی محمد علی صاحب نے حضرت صاحب کی سفارش پر یہ الفاظ عرض کئے ہوں گے۔ لیکن بایں ہمہ حضرت صاحب نے ان کے لگائے جانے کی سفارش فرمائی جو شائد اس خیال سے ہوگی کہ ایک تو ان کے لئے ایک ذریعہ معاش ہو جائیگا اور دوسرے شائد کام میں پڑنے سے ان کی کچھ اصلاح ہو جاوے۔ اور یہ جو حضرت صاحب نے فرمایا کہ میں ان کو آپ سے بدتر جانتا ہوں یہ اسلئے تھا کہ مولوی یار محمد صاحب کی اس دماغی حالت کا نشانہ زیادہ تر خود حضرت مسیح موعود رہتے تھے۔ اور بہتر کی جگہ بدتر کا لفظ استعمال کرنا غالباً معاملہ کی اصل حقیقت کو ظاہر کرنے کے لئے تھا اور شائد کسی قدر بطور مزاح بھی۔

(۳۶۲) بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ مولوی شیر علی صاحب نے مجھ سے بیان کیا کہ ایک دفعہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی دائی کو بلا کر اس سے شہادت لی تھی کہ آپ کی ولادت توام ہوئی تھی اور یہ کہ جو لڑکی آپ کے ساتھ پیدا ہوئی تھی وہ پہلے پیدا ہوئی تھی اور اس کے بعد آپ پیدا ہوئے تھے اور پھر اسکے تحریری بیان پر اس کے انگوٹھے کا نشان بھی ثبت کروایا تھا اور بعض دوسری بوڑھی عورتوں کی شہادت بھی درج کروائی تھی۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ حضرت مسیح موعود نے تحفہ گولڑویہ میں لکھا ہے کہ آپکی ولادت جمعہ کے دن چاند کی چودھویں تاریخ کو ہوئی تھی۔

(۳۶۳) بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ مولوی شیر علی صاحب نے مجھ سے بیان کیا کہ میں نے حکیم فضل دین صاحب مرحوم بھیروی کی زبانی سنا ہے کہ ایک دفعہ کوئی انگریزی خوان حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا کہ عربی زبان میں مفہوم کے ادا کرنے کے لئے انگریزی کی نسبت زیادہ طول اختیار کرنا پڑتا ہے۔ حضرت صاحب فرمانے لگے کہ اچھا آپ انگریزی میں آب من کے مفہوم کو کس طرح ادا کرینگے؟ اسنے جواب دیا کہ اسکے لئے "مائی واٹر" کے الفاظ ہیں۔ حضرت صاحب نے فرمایا کہ عربی میں صرف "مائی" کہنا کافی ہے۔ خاکسار عرض کرتا ہے۔ کہ یہ صرف ایک وقتی جواب بطور لطیفے کا تھا ورنہ یہ نہیں کہ حضرت صاحب کے نزدیک صرف یہ دلیل اس مسئلہ کے حل کے لئے کافی تھی۔

(۳۶۴) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم: مولوی شیر علی صاحب نے مجھ سے بیان کیا کہ ایک دفعہ ایک ہندوستانی مولوی قادیان آیا اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے پاس حاضر ہو کر کہنے لگا کہ میں ایک بڑی مسافت دور کی طرف سے [illegible] ہو کر آپ کے دعویٰ کی تحقیق کے لئے آیا ہوں۔ اور پھر اس نے اختلافی مسائل کے متعلق گفتگو شروع کر دی اور وہ بڑے تکلف سے خوب بنا بنا کر موٹے موٹے الفاظ استعمال کرتا تھا۔ اس کے جواب میں جو حضرت صاحب نے کچھ تقریر فرمائی تو وہ آپ کی بات کاٹ کر کہنے لگا کہ آپ کو مسیح و مہدی ہونے کا دعویٰ ہے مگر آپ الفاظ کا تلفظ بھی اچھی طرح ادا نہیں کر سکتے۔ اس وقت مولوی عبداللطیف صاحب شہید بھی مجلس میں حضرت صاحب کے پاس بیٹھے تھے ان کو بہت غصہ آگیا اور انھوں نے اسی جوش میں اس مولوی کے ساتھ فارسی میں گفتگو شروع کر دی۔ حضرت صاحب نے مولوی عبداللطیف صاحب کو سمجھا بجھا کر ٹھنڈا کیا اور پھر کسی دوسرے وقت جب کہ مولوی عبداللطیف صاحب مجلس میں موجود نہ تھے۔ فرمانے لگے کہ اسوقت مولوی صاحب کو بہت غصہ آگیا تھا چنانچہ میںنے اسی ڈر سے کہ کہیں وہ اس غصہ میں اس مولوی کو کچھ مار ہی نہ بیٹھیں مولوی صاحب کے ہاتھ کو اپنے ہاتھ میں دبائے رکھا تھا۔

(۳۶۵) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم: مولوی شیر علی صاحب نے مجھ سے بیان کیا کہ ایک دفعہ سیر کے وقت حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بیان فرمایا کہ انبیاء کے متعلق بعض لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ ان کو ہسٹیریا کا مرض ہوتا ہے۔ لیکن یہ ان کی غلطی ہے۔ دراصل بات یہ ہے کہ انبیاء کے حواس میں چونکہ بہت غیر معمولی حدت اور تیزی پیدا ہو جاتی ہے۔ اسلئے ناواقف لوگ غلطی سے اسے ہسٹیریا سمجھنے لگ جاتے ہیں۔ حالانکہ دراصل وہ ہسٹیریا نہیں ہوتا بلکہ صرف ظاہری صورت میں ہسٹیریا سے ملتی جلتی حالت ہوتی ہے۔ لیکن لوگ غلطی سے اس کا نام ہسٹیریا رکھدیتے ہیں۔

(۳۶۶) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم: خاکسار عرض کرتا ہے کہ وہ رہن نامہ جس کے رو سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنا باغ حضرت والدہ صاحبہ کے پاس رہن رکھا تھا میںنے دیکھا ہے وہ باقاعدہ رجسٹری شدہ ہے اور اسکی تاریخ ۲۵ رجون ۱۸۹۸ء ہے زر رہن پانچہزار روپیہ ہے جس میں سے ایک ہزار نقد درج ہے اور باقی بصورت زیورات ہے۔ اس رہن میں حضرت

صاحب کی طرف سے مندرجہ ذیل الفاظ درج ہیں:۔
"اقرار یہ ہے کہ عرصہ تیس سال تک فک الرہن مرہونہ نہیں کراؤں گا۔ بعد تیس سال مذکور کے ایک سال میں جب چاہوں زر رہن دوں تب فک الرہن کرالوں ورنہ بعد انفصال میعاد بالا یعنی اکتیس سال کے بتیسویں سال میں مرہونہ بالا ان ہی روپیوں میں بیع بالوفا ہو جائیگا اور مجھے دعویٰ ملکیت کا نہیں رہیگا۔ قبضہ اس کا آج سے کرادیا ہے اور داخل خارج کرادونگا اور منافع مرہونہ بالا کی قائمی رہن تک مرتہنہ مستحق ہے اور معاملہ سرکاری فصل خریف ۱۹۵۵ء (بکرمی) سے مرتہنہ دے گی اور پیداوار لے گی۔"

خاکسار عرض کرتا ہے کہ یہ عبارت ظاہر کرتی ہے کہ اس کے الفاظ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے تجویز کردہ نہیں ہیں بلکہ کسی وثیقہ نویس نے حضرت صاحب کے منشا کو اپنے الفاظ میں لکھدیا ہے۔

(۳۶۷) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ جب ہماری ہمشیرہ مبارکہ بیگم کا نکاح حضرت صاحب نے نواب محمد علی خان صاحب کے ساتھ کیا تو مہر چھپن ہزار زوپیہ مقرر کیا گیا تھا اور حضرت صاحب نے مہر نامہ کو باقاعدہ رجسٹری کروا کے اس پر بہت سے لوگوں کی شہادتیں ثبت کروائی تھیں اور جب حضرت صاحب کی وفات کے بعد ہماری چھوٹی ہمشیرہ امۃ الحفیظ بیگم کا نکاح خان محمد عبد اللہ خان صاحب کے ساتھ ہوا تو مہر ۱۵۰۰۰/- مقرر کیا گیا اور یہ مہر نامہ بھی باقاعدہ رجسٹری کرایا گیا تھا۔ لیکن ہم تینوں بھائیوں میں سے جن کی شادیاں حضرت صاحب کی زندگی میں ہوگئی تھیں کسی کا مہر نامہ تحریر ہو کر رجسٹری نہیں ہوا اور مہر ایک ایک ہزار روپیہ مقرر ہوا تھا۔ دراصل مہر کی تعداد زیادہ تر خاوند کی موجودہ حیثیت اور کسی قدر بیوی کی حیثیت پر مقرر ہوا کرتی ہے اور مہر نامہ کا باقاعدہ لکھا جانا اور رجسٹری ہونا شخصی حالات پر موقوف ہے۔ چونکہ نواب محمد علی خان صاحب کی جائداد سرکار انگریزی کے علاقہ میں واقعہ نہ تھی بلکہ ایک ریاست میں تھی اور اس کے متعلق بعض تنازعات کے پیدا ہونے کا احتمال ہو سکتا تھا اسلئے حضرت صاحب نے مہر نامہ کو باقاعدہ رجسٹری کروانا ضروری خیال کیا اور ویسے بھی دیکھا جاوے تو عام حالات میں یہی بہتر ہوتا ہے کہ مہر نامہ اگر رجسٹری نہ بھی ہو تو کم از کم باقاعدہ طور پر تحریر میں آجاوے اور معتبر لوگوں کی شہادتیں اس پر ثبت ہو جاویں۔ کیونکہ دراصل مہر بھی ایک قرضہ ہوتا ہے جس کی ادائیگی خاوند پر

فرض ہوتی ہے پس دوسرے قرضہ جات کی طرح اسکے لئے بھی عام حالات میں یہی مناسب ہے کہ وہ ضبط تحریر میں آجاوے۔

(۳۶۸) بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ ڈاکٹر میر محمد اسماعیل صاحب نے مجھ سے بیان کیا کہ مولوی عبداللطیف صاحب شہید کی شہادت کے بعد ان کا کوئی مرید ان کے کچھ بال حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے پاس قادیان لایا۔ آپ نے وہ بال ایک کھلے منہ کی چھوٹی بوتل میں ڈال کر اور اسکے اندر کچھ مشک رکھکر اس بوتل کو سربمہر کر دیا اور پھر اس شیشی میں تاگہ باندھکر اسے اپنی بیت الدعا کی ایک کھونٹی سے لٹکا دیا۔ اور یہ سارا عمل آپنے ایسے طور پر کیا کہ گویا ان بالوں کو آپ ایک تبرک خیال فرماتے تھے اور نیز بیت الدعا میں اس غرض سے لٹکائے گئے ہوں گے کہ دعا کی تحریک رہے۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ یہ بوتل کئی سال تک بیت الدعا میں لٹکی رہی لیکن اب ایک عرصہ سے نظر نہیں آتی۔

(۳۶۹) بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ ڈاکٹر میر محمد اسماعیل صاحب نے مجھ سے بیان کیا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنی ریش مبارک کے زیادہ بڑھے ہوئے بالوں کو قینچی سے کترواد یا کرتے تھے۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ آنحضرت صلعم نے ارشاد فرمایا ہے کہ مسلمان داڑھی کو بڑھائیں اور موچھوں کو چھوٹا کریں۔ جس کی یہ وجہ ہے کہ داڑھی مردانہ زینت اور وقار کا موجب ہے اور موچھوں کا بڑھانا عُجب اور تکبّر پیدا کرتا ہے۔ لیکن اس کا یہ منشاء نہیں کہ داڑھی کی کوئی خاص مقدار شریعت نے مقرر کر دی ہے۔ اس قسم کی جزئی باتوں میں شریعت دخل نہیں دیتی بلکہ شخصی مناسبت اور پسندیدگی پر چھوڑ دیتی ہے۔ منشاء صرف یہ ہے کہ داڑھی منڈوائی نہ جاوے بلکہ رکھی جاوے لیکن داڑھی کا بہت زیادہ لمبا کرنا بھی پسند نہیں کیا گیا۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود فرمایا کرتے تھے کہ ایک مشت و دو انگشت کے اندازہ سے زیادہ بڑھی ہوئی داڑھی کتروا دینی مناسب ہے۔ جس کی وجہ غالباً یہ ہے کہ بہت لمبی داڑھی بھی خلاف زینت ہوتی ہے اور اس کا صاف رکھنا بھی کچھ دقت طلب ہے۔ مگر اسکے مقابلہ میں داڑھی کو ایسا چھوٹا کتروانا بھی کہ وہ منڈی ہوئی کے قریب قریب ہو جاوے آنحضرت صلعم کے ارشاد کے احترام کے خلاف ہے جو ایک مخلص مسلمان کی شان سے بعید سمجھا جانا چاہیئے۔

(۳۶۹) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ ڈاکٹر میر محمد اسماعیل صاحب نے مجھ سے بیان کیا کہ میں نے کئی دفعہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے سُنا ہے کہ مجھے ہسٹیریا ہے۔ بعض اوقات آپ مراق بھی فرمایا کرتے تھے لیکن در اصل بات یہ ہے کہ آپ کو دماغی محنت اور شبانہ روز تصنیف کی مشقت کی وجہ سے بعض ایسی عصبی علامات پیدا ہو جایا کرتی تھیں جو ہسٹیریا کے مریضوں میں بھی عموماً دیکھی جاتی ہیں۔ مثلاً کام کرتے کرتے یکدم ضعف ہو جانا۔ چکروں کا آنا۔ ہاتھ پاؤں کا سرد ہو جانا۔ گھبراہٹ کا دورہ ہو جانا یا ایسا معلوم ہونا کہ ابھی دم نکلتا ہے یا کسی تنگ جگہ یا بعض اوقات زیادہ آدمیوں میں گھر کر بیٹھنے سے دل کا سخت پریشان ہونے لگنا وغیر ذٰلک۔ یہ اعصاب کی ذکاوت حس یا تکان کی علامات ہیں اور ہسٹیریا کے مریضوں کو بھی ہوتی ہیں اور انہی معنوں میں حضرت صاحب کو ہسٹیریا یا مراق بھی تھا۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ دوسری جگہ جو مولوی شیر علی صاحب کی روایت میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ حضرت صاحب فرماتے تھے کہ یہ جو بعض انبیاء کے متعلق لوگوں کا خیال ہے کہ ان کو ہسٹیریا تھا یہ ان کی غلطی ہے بلکہ حق یہ ہے کہ حس کی تیزی کی وجہ سے ان کے اندر بعض ایسی علامات پیدا ہو جاتی ہیں جو ہسٹیریا کی علامات سے ملتی جلتی ہیں اسلئے لوگ غلطی سے اسے ہسٹیریا سمجھنے لگ جاتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت صاحب جو کبھی کبھی یہ فرما دیتے تھے کہ مجھے ہسٹیریا ہے یہ اسی عام محاورہ کے مطابق تھا ورنہ آپ علمی طور پر یہ سمجھتے تھے کہ یہ ہسٹیریا نہیں بلکہ اس سے ملتی جلتی علامات ہیں جو ذکاوت حس یا شدت کار کی وجہ سے پیدا ہو گئی ہیں۔ نیز خاکسار عرض کرتا ہے کہ ڈاکٹر میر محمد اسماعیل صاحب ایک بہت قابل اور لائق ڈاکٹر ہیں۔ چنانچہ زمانہ طالب علمی میں بھی وہ ہمیشہ اعلیٰ نمبروں میں کامیاب ہوتے تھے اور ڈاکٹری کے آخری امتحان میں تمام صوبہ پنجاب میں اوّل نمبر پر رہے تھے اور ایام ملازمت میں بھی ان کی لیاقت و قابلیت مسلّم رہی ہے۔ اور چونکہ بوجہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے بہت قریبی رشتہ دار ہونے کے ان کو حضرت صاحب کی صحبت اور آپ کے علاج معالجہ کا بھی بہت کافی موقعہ ملتا رہتا تھا اس لئے ان کی رائے اس معاملہ میں ایک خاص وزن رکھتی ہے جو دوسری کسی رائے کو کم حاصل ہے؟

(۳۷۰) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ ڈاکٹر میر محمد اسماعیل صاحب نے مجھ سے بیان کیا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ میں گھر کے بچے کبھی شب برات وغیرہ کے موقع پر یونہی کھیل تفریح کے

طور پر گھر میں آتشبازی کے انار وغیرہ منگا کر چلالیا کرتے تھے۔ اور بعض اوقات اگر حضرت صاحب موقعہ پر موجود ہوں تو یہ آتشبازی چلتی ہوئی آپ خود بھی دیکھ لیتے تھے۔ نیز حضرت خلیفۃ المسیح ثانی بیان کرتے تھے کہ حضرت صاحب فرماتے تھے کہ گھر میں آتشبازی کے انار وغیرہ چلانا طاعونی مادہ کو مارنے اور ہوا کی صفائی کے لئے مفید ہوتا ہے۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ ہم بچپن میں بعض اوقات آتشبازی کی اس قسم کی غیر ضرر رساں چیزیں جیسے انار ہوتا ہے منگا کر گھر میں چلالیتے تھے اور حضرت صاحب دیکھتے تھے اور منع نہیں فرماتے تھے بلکہ بعض دفعہ ان چیزوں کے منگانے کے لئے ہم حضرت صاحب سے پیسے مانگتے تھے تو آپ دیدیتے تھے۔

(۳۷۱) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ مولوی شیر علی صاحب نے مجھ سے بیان کیا کہ ان کے چچا چوہدری شیر محمدؐ صاحب مرحوم ان سے بیان کرتے تھے کہ جب حضرت صاحب دہلی تشریف لے گئے تھے اور وہاں کی جمعہ مسجد میں مولوی نذیر حسین صاحب کے ساتھ مباحثہ کی تجویز ہوئی تھی تو اس وقت میں بھی حضرت صاحب کے ساتھ تھا۔ چونکہ شہر میں مخالفت کا خطرناک زور تھا اور حضرت صاحب کے اہل وعیال بھی سفر میں ساتھ تھے۔ اسلئے حضرت صاحب مباحثہ کی طرف جاتے ہوئے مکان کی حفاظت کے لئے مجھے ٹھہرا گئے تھے۔ چنانچہ آپ کی واپسی تک میں نے مکان کا پہرا دیا۔ اور میں نے دل میں یہ پختہ عہد کر لیا تھا کہ میں اپنی جان دیدونگا لیکن کسی کو مکان کی طرف رُخ نہیں کرنے دونگا۔ مولوی شیر علی صاحب بیان کرتے تھے کہ میرے چچا ایک خوب مضبوط آدمی تھے اور ہمارے خاندان میں انہوں نے سب سے پہلے حضرت صاحب کی بیعت کی تھی۔

(۳۷۲) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ مولوی شیر علی صاحب نے مجھ سے بیان کیا کہ ان کے چچا چوہدری شیر محمدؐ صاحب مرحوم بیان کرتے تھے کہ شروع شروع میں جب حضرت مولوی نورالدین صاحب قرآن شریف کا درس دیا کرتے تھے تو کبھی کبھی حضرت مسیح موعود علیہ السلام بھی ان کا درس سننے کے لئے تشریف لے جاتے تھے اور بعض اوقات کچھ فرمایا بھی کرتے تھے چنانچہ ایک دفعہ جب حضرت مولوی صاحب درس دے رہے تھے تو ان آیات کی تفسیر میں جن میں جنگ بدر کے وقت فرشتوں کی فوج کے نازل ہونے کا ذکر آتا ہے۔ حضرت مولوی صاحب کچھ تاویل کرنے لگے کہ اس سے روحانی رنگ میں قلوب کی تقویت مراد ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے سُنا تو

فرمانے لگے کہ اس تاویل کی ضرورت نہیں۔ اسوقت واقعی مسلمانوں کو فرشتے نظر آئے تھے اور کشفی حالات میں ایسا ہو جاتا ہے کہ صاحب کشف کے علاوہ دوسرے لوگ بھی کشفی نظارہ میں شریک ہو جاتے ہیں پس اس موقعہ پر بھی آنحضرت صلعم کے اس کشفی نظارہ میں اللہ تعالےٰ نے صحابہ کو شامل کر لیا تاکہ ان کے دل مضبوط ہو جائیں۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ نزول ملائکہ کی حقیقت کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی کتب "توضیح المرام" "ازالہ اوہام" اور خصوصاً "آئینہ کمالات اسلام" میں مفصل بحث فرمائی ہے۔ نیز خاکسار عرض کرتا ہے کہ حضرت مولوی نورالدین صاحب خلیفہ اوّل چونکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بیعت سے مشرف ہونے سے پہلے سر سید احمد خان مرحوم کے خیالات اور ان کے طریق استدلال کی طرف مائل تھے اسلئے بسا اوقات معجزات اور اس قسم کے روحانی تصرفات کی تاویل فرما دیا کرتے تھے اور ان کی تفسیر میں اس میلان کی جھلک احمدیت کے ابتدائی ایام میں بھی نظر آتی ہے لیکن حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صحبت میں آہستہ آہستہ یہ اثر دھلتا گیا اور خالص پرتو نبوت سے طبیعت متاثر ہوتی گئی۔

(۳۷۳) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ ڈاکٹر میر محمد اسماعیل صاحب نے مجھ سے بیان کیا کہ آتھم کے مباحثہ کے قریب ہی کے زمانہ میں ایک دن حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے گھر کے ایک ملازم لڑکے مسمی چراغ۔ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے پاس بیان کیا کہ باہر دو میمیں آئی ہیں۔ حضرت صاحب اسوقت مسجد کے صحن پر ٹہل رہے تھے۔ فرمایا کیوں آئی ہیں؟ اسنے اپنے اجتہاد کی بنا پر کہہ دیا کہ بحث کرنے کے لئے آئی ہیں۔ حضور فوراً اپنا چغہ پہنکر اور عصا ہاتھ میں لے کر نیچے اترے اور احمدیہ چوک میں تشریف لے گئے۔ جب ان میموں نے حضرت صاحب کو دیکھا تو کہا کہ مرزا صاحب ہم نے فلاں گاؤں میں جانا ہے ہمارے لئے کوئی سواری کا انتظام کر دیں۔ موجودہ یکہ کو ہم نہیں چھوڑیں گے۔ حضرت صاحب نے کسی خادم کو اسکا انتظام کرنے کا حکم دیا اور خود واپس گھر میں تشریف لے آئے۔ دراصل ان میموں نے بطور رئیس قصبہ کے آپ سے یہ امداد مانگی تھی۔ مگر چراغ نے یہ سمجھ کر کہ حضور ہمیشہ عیسائیوں کے ساتھ مباحثات میں مصروف رہتے ہیں اپنی طرف سے یہ اجتہاد کر لیا کہ یہ میمیں بھی اسی کام کے لئے آئی ہیں۔

(۳۷۴) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ ڈاکٹر میر محمد اسماعیل صاحب نے مجھ سے بیان کیا کہ

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زندگی کے آخری زمانہ میں اکثر دفعہ احباب آپ کے لئے نیا کرتہ بنوا لاتے تھے اور اسے بطور نذر پیش کر کے تبرک کے طور پر حضور کا اترا ہوا کرتہ مانگ لیتے تھے۔ اسی طرح ایک دفعہ کسی نے میرے ہاتھ ایک نیا کرتہ بھجوا کر پُرانے اترے ہوئے کرتے کی درخواست کی۔ گھر میں تلاش سے معلوم ہوا کہ اسوقت کوئی اترا ہوا بے دھلا کرتہ موجود نہیں۔ جس پر آپ نے اپنا مستعمل کرتہ دھوبی کے ہاں کا دُھلا ہوا دیئے جانے کا حکم فرمایا۔ میں نے عرض کیا کہ یہ تو دھوبی کے ہاں کا دُھلا ہوا کرتہ ہے اور وہ شخص تبرک کے طور پر میلا کرتہ لے جانا چاہتا ہے۔ حضور ہنسکر فرمانے لگے کہ وہ بھی کیا برکت ہے جو دھوبی کے ہاں دھلنے سے جاتی رہے۔ چنانچہ وہ کرتہ اس شخص کو دیدیا گیا۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ وہ شخص غالبًا یہ تو جانتا ہو گا کہ دھوبی کے ہاں دُھلنے سے برکت جاتی نہیں رہتی لیکن محبت کا یہی تقاضا ہوتا ہے کہ انسان اپنے مقدس محبوب کا اُترا ہوا میلا بے دھلا کپڑا اپنے پاس رکھنے کی خواہش کرتا ہے اور اسی طبعی خواہش کا احترام کرتے ہوئے گھر میں پہلے میلے کپڑے کی تلاش کی گئی۔ لیکن جب وہ نہ ملا تو دُھلا ہوا کرتہ دیدیا گیا۔

(۳۷۵) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ ڈاکٹر میر محمد اسمٰعیل صاحب نے مجھ سے بیان کیا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنی جسمانی عادات میں ایسے سادہ تھے کہ بعض دفعہ جب حضور جراب پہنتے تھے تو بے توجہی کے عالم میں اس کی ایڑی پاؤں کے تلے کی طرف نہیں بلکہ اوپر کی طرف ہو جاتی تھی اور بارہا ایک کاج کا بٹن دوسرے کاج میں لگا ہوا ہوتا تھا۔ اور بعض اوقات کوئی دوست حضور کے لئے گرگابی ہدیۃً لاتا تو آپ بسا اوقات دایاں پاؤں بائیں میں ڈال لیتے تھے اور بایاں دائیں میں۔ چنانچہ اسی تکلیف کی وجہ سے آپ دیسی جوتی پہنتے تھے۔ اسی طرح کھانا کھانے کا یہ حال تھا کہ خود فرمایا کرتے تھے کہ ہمیں تو اسوقت پتہ لگتا ہے کہ کیا کھا رہے ہیں کہ جب کھاتے کھاتے کوئی کنکر وغیرہ کا ریزہ دانت کے نیچے آجاتا ہے۔

(۳۷۶) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ ڈاکٹر میر محمد اسمٰعیل صاحب نے مجھ سے بیان کیا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو اپنی وفات سے قبل سالہا سال اسہال کا عارضہ رہا تھا چنانچہ حضور اسی مرض میں فوت ہوئے۔ بارہا دیکھا کہ حضور کو دست آنے کے بعد ایسا ضعف ہوتا تھا کہ حضور فورًا دودھ کا گلاس منگوا کر پیتے تھے۔

(۳۷۷) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ ڈاکٹر میر محمد اسماعیل صاحب نے مجھ سے بیان کیا کہ مولوی محمد علی صاحب ایم۔ اے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مکان کے ایک حصہ میں بالاخانہ میں رہا کرتے تھے اور جب تک ان کی شادی اور خانہ داری کا انتظام نہیں ہوا حضرت صاحب خود ان کے لئے صبح کے وقت گلاس میں دودھ ڈال کر اور پھر اس میں مصری حل کر کے خاص اہتمام سے بھجوایا کرتے تھے خاکسار عرض کرتا ہے کہ حضرت صاحب کو مہمانوں کی بہت خاطر منظور ہوتی تھی اور پھر جو لوگ دینی مشاغل میں مصروف ہوں ان کو تو آپ بڑی قدر اور محبت کی نظر سے دیکھتے تھے۔

(۳۷۸) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ ڈاکٹر میر محمد اسماعیل صاحب نے مجھ سے بیان کیا کہ ایک دفعہ لاہور سے کچھ احباب رمضان میں قادیان آئے۔ حضرت صاحب کو اطلاع ہوئی تو آپ مع کچھ ناشتہ کے ان سے ملنے کے لئے مسجد میں تشریف لائے۔ ان دوستوں نے عرض کیا کہ ہم سب روزے سے ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ سفر میں روزہ ٹھیک نہیں اللہ تعالیٰ کی رخصت پر عمل کرنا چاہئے۔ چنانچہ ان کو ناشتہ کروا کے ان کے روزے تڑوا دیئے۔

(۳۷۹) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ ڈاکٹر میر محمد اسماعیل صاحب نے مجھ سے بیان کیا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو صفائی کا بہت خیال ہوتا تھا۔ خصوصاً طاعون کے ایام میں اتنا خیال رہتا تھا کہ فینائل لوٹے میں حل کر کے خود اپنے ہاتھ سے گھر کے پاخانوں اور نالیوں میں جا کر ڈالتے تھے خاکسار عرض کرتا ہے کہ بعض اوقات حضرت مسیح موعود علیہ السلام گھر میں ایندھن کا بڑا ڈھیر لگوا کر آگ بھی جلوایا کرتے تھے تاکہ ضرر رساں جراثیم مر جاویں اور آپ نے ایک بہت بڑی آہنی انگیٹھی بھی منگوائی ہوئی تھی۔ جسے کوئلے ڈال کر اور گندھک وغیرہ رکھکر کمروں کے اندر جلایا جاتا تھا اور اسوقت دروازے بند کر دیئے جاتے تھے۔ اس کی اتنی گرمی ہوتی تھی کہ جب انگیٹھی کے ٹھنڈا ہو جانے کے ایک عرصہ بعد بھی کمرہ کھولا جاتا تھا تو پھر بھی وہ اندر سے بھٹی کی طرح تپتا تھا۔ نیز خاکسار عرض کرتا ہے کہ انبیاء کی عجیب شان ہوتی ہے کہ وہ ایک طرف تو اسباب کی اتنی رعایت کرتے ہیں کہ دیکھنے والے کو یہ شبہ ہونے لگتا ہے کہ ان کی نظر میں اپنی اسباب کے ہاتھ میں سارا قضاء و قدر کا معاملہ ہے اور اگر ان کی رعایت نہ رکھی گئی تو پھر کام نہیں بن سکتا اور دوسری طرف ان کو خدا کی ذات پر اس درجہ توکل ہوتا ہے کہ اسباب کو وہ ایک مردہ کیڑے کی طرح سمجھتے ہیں اور ایک سطحی نظر رکھنے والا انسان

اس حالت کو دیکھکر حیرانی میں پڑ جاتا ہے لیکن در اصل بات یہ ہوتی ہے کہ جس قدر بھی رعایت وہ اسباب کی رکھتے ہیں وہ اسلئے نہیں ہوتی کہ اسباب کے ہاتھ میں کوئی قضاء و قدر کی چابیاں ہیں بلکہ اسلئے ہوتی ہے کہ اسباب خدا کے پیدا کردہ ہیں اور خدا کا احترام یہ چاہتا ہے بلکہ یہ خدا کا حکم ہے کہ اسکے پیدا کردہ اسباب کی رعایت ملحوظ رکھی جاوے۔ پس چونکہ وہ خدا تعالیٰ کے احکام کی اطاعت میں سب سے اعلیٰ مقام پر کھڑے ہوتے ہیں اسلئے اسباب کی رعایت رکھنے میں بھی وہ دوسروں سے فائق نظر آتے ہیں۔ لیکن اصل بھروسہ ان کا خدا کی ذات کے سوا اور کسی چیز پر نہیں ہوتا۔ اور در اصل یہی وہ توحید کا نکتہ ہے جس پر قائم کرنے کے لئے انبیاء مبعوث ہوتے ہیں۔ اور غور کیا جاوے تو یہ مقام کوئی آسان مقام نہیں بلکہ ہر وقت کا مجاہدہ اور نہائت پختہ ایمان چاہتا ہے عموماً لوگ اسباب کو کام میں لاتے ہوئے یہ بھول جاتے ہیں کہ اسباب کو جو بھی طاقت اور اثر حاصل ہے وہ سب خدا کی طرف سے ودیعت کیا گیا ہے اور اپنی ذات میں وہ ایک مردہ کیڑے سے بھی بڑھ کر حیثیت نہیں رکھتے اور یہ کمزوری ایک حد تک ان لوگوں میں بھی پائی جاتی ہے جو یہ دعوےٰ کرتے ہیں کہ ہم صرف رسمی طور پر خدا کو نہیں مانتے بلکہ واقعی اور حقیقتاً دل کی بصیرت کے ساتھ اس پر ایمان لائے ہیں۔ ہر شخص اپنے دل کے اندر غور کر کے دیکھے کہ جب اس کا کوئی قریبی عزیز سخت بیمار ہو جاتا ہے یا اسکے خلاف کوئی نہائت سنگین مقدمہ کھڑا ہو جاتا ہے یا وہ کسی ایسے قرضہ یا مالی بوجھ کے نیچے دب جاتا ہے کہ جو اس کی طاقت سے باہر ہے اور جس کے ادا نہ ہونے کی صورت میں اسے اپنی یقینی تباہی نظر آتی ہے تو وہ کس طرح بے تاب ہو کر ڈاکٹروں کی طرف بھاگتا اور علاج معالجہ میں منہمک ہو جاتا ہے۔ یا وہ کس طرح وکیلوں کے پیچھے پیچھے جاتا اور ان کو باوجود ایک بڑی رقم بطور فیس کے دینے کے ان کی خوشامد اور منت سماجت کر کے ان کی توجہ کو اپنی طرف کھینچتا ہے اور بعض اوقات اگر موقعہ پائے تو عدالت کی خوشامد کرتا اور سفارشوں کے ذریعہ اسے اپنی طرف مائل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ یا وہ کس طرح سرمایہ داروں کے در کی جبہ سائی کرتا اور ان سے روپیہ حاصل کر کے اپنی مالی مصیبت سے رہائی پانے کی راہ تلاش کرتا ہے۔ اور یہ ساری کارروائی وہ اس طرح منہمک ہو کر کرتا ہے کہ گویا خدا تو صرف ایک نام ہی نام ہے اور اصل حاجت برآری کا موجب یہی اسباب ہیں۔ کیونکہ اسباب کے میسر نہ آنے پر وہ مایوس ہونے لگتا ہے

اور یقین کرلیتا ہے کہ بس اب اس کی رہائی کی کوئی صورت نہیں اور یہی وہ مخفی شرک ہی جس سے نجات دینے کے لئے انبیاء مبعوث ہوتے ہیں جو آکر یہ تعلیم دیتے ہیں کہ اسباب کو اختیار کرو کیونکہ وہ خدا کے پیدا کردہ ہیں اور خدا کی حکمت ازلی نے ان کے اندر تاثیرات ودلیعت کی ہیں جن سے تم فائدہ اُٹھا سکتے ہو۔ لیکن ساتھ ہی ہر وقت تمہارے دل اس یقین سے معمور رہیں کہ تمام طاقتوں اور قدرتوں کا منبع ذات باری تعالےٰ ہے۔ اور اگر اس منبع سے چشمہ فیض بند ہو جائے تو یہ اسباب ایک مردہ کیڑے سے زیادہ حقیقت نہیں رکھتے۔ تم ایمان لاؤ کہ کونین ملیریا کے کیڑوں کو مارتی ہے لیکن ساتھ ہی یہ ایمان تمہارے دلوں میں قائم ہو کہ اسکی یہ خاصیت خدا کی طرف سے ہے۔ خود بخود نہیں۔ اور اگر خدا چاہے تو اس سے اس کی یہ خاصیت چھینکر ایک مٹی کے ڈلے میں وہی خاصیت پیدا کردے یا محض اپنے حکم سے بلا کسی درمیانی سبب کے وہ نتائج پیدا کردے جو کونین پیدا کرتی ہے۔ یہ ایمان کہنے کو تو ہر مومن کے دل میں ہوتا ہے۔ لیکن کم ہیں بہت ہی کم ہیں جن کے دل عملاً اس ایمان کی زندہ حقیقت سے منور ہوتے ہیں۔ اور اکثر یہی ہوتا ہے کہ بعض لوگ تو اسباب کو ترک کر دیتے ہیں کہ جو ہونا ہے وہ ہو رہیگا اور اس طرح خدا کے پیدا کردہ سامانوں کی بے حرمتی کرکے خدا کی ناراضگی کا نشانہ بنتے اور نقصان اُٹھاتے ہیں اور بعض اس طرح اسباب پر گرتے ہیں کہ گویا خدا کچھ بھی نہیں اور جو کچھ ہونا ہے ان اسباب سے ہونا ہے۔ یہ دونوں گروہ راہ صواب سے دُور اور پردہ ظلمت میں مستور ہیں۔ اور حق پر صرف وہی ہے جو انبیاء کی سنت پر چل کر اسباب کی پوری پوری رعایت رکھتا ہے مگر اس کا دل اس زندہ ایمان سے معمور رہتا ہے کہ ان اسباب کے پیچھے ایک اور طاقت ہے جس کے اشارہ پر یہ سب کارخانہ چل رہا ہے اور جس کے بغیر یہ سب اسباب بالکل مردہ اور بے تاثیر ہیں۔ مگر یہ مقام ایمان کا ایک بڑے مجاہدہ کے بعد حاصل ہوتا ہے اور اس پر قائم رہنا بھی ہر وقت کا مجاہدہ چاہتا ہے۔ بلکہ حق یہ ہے کہ ؎

این سعادت بزور بازو نیست

تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

(۳۸۰) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ ڈاکٹر میر محمد اسماعیل صاحب نے مجھ سے بیان کیا کہ جب میں انٹرنس کا امتحان دے کر ۱۸۹۷ء میں قادیان آیا تو نتیجہ نکلنے سے پہلے حضرت مسیح موعود

علیہ السلام اکثر مجھ سے پوچھا کرتے تھے کہ کوئی خواب دیکھا ہے؟ آخر ایک دن مینے بیان کیا کہ مینے خواب میں گلاب کے پھول دیکھے ہیں۔ فرمانے لگے اس کی تعبیر تو غم ہے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ میں اس سال امتحان میں فیل ہو گیا۔ نیز ویسے بھی جن دنوں میں کوئی اہم امر حضور کے زیر نظر ہوتا تھا تو آپ گھر کی مستورات اور بچوں اور خادمہ عورتوں تک سے پوچھا کرتے تھے کہ کیا تم نے کوئی خواب دیکھا ہے؟ اگر کسی نے دیکھا ہوتا تو بڑے غور اور توجہ سے اسے سنتے تھے۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ آجکل کی مادیت کا ایک اثر یہ بھی ہے کہ لوگ خوابوں کے قائل نہیں رہے اور انہیں کلیۃً جسمانی عوارض کا نتیجہ سمجھتے ہیں۔ حالانکہ گو اس میں شک نہیں کہ بعض خوابیں جسمانی عوارض کا نتیجہ بھی ہوتی ہیں لیکن یہ بھی ایک ابدی حقیقت ہے کہ خدا کی طرف سے آیندہ ہونے والے امور یا مخفی باتوں کے متعلق خواب میں نظارے دکھائے جاتے ہیں۔ جو وقت پر پورے ہو کر خوابوں کی سچائی پر مہر تصدیق کا کام دیتے ہیں اور ان سے انکار کرنا ایسا ہی ہے جیسا کہ کوئی آدمی دوسری محسوس و مشہود چیزوں کا انکار کر دے۔ نیز خاکسار عرض کرتا ہے کہ میر صاحب ہمیشہ اپنے تعلیمی امتحانوں میں اعلیٰ نمبروں پر کامیاب ہوتے رہے ہیں اور ان کا اس دفعہ انٹرنس میں فیل ہونا اس وجہ سے تھا کہ اس سال چونکہ لیکھرام کے قتل کی وجہ سے ہندوؤں میں بہت سخت مخالفت تھی اس لئے بہت سے مسلمان بچے ہندو ممتحنوں کے غیظ و غضب کا شکار ہو گئے تھے۔ کیونکہ اس زمانہ میں بچوں کو امتحان کے پرچوں پر اپنے نام لکھنے پڑتے تھے جس سے ممتحن کو ہندو مسلمان کا پتہ چل جاتا تھا۔

(۳۸۱) بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ حضرت والدہ صاحبہ نے مجھ سے بیان کیا کہ جب مبارک احمد فوت ہو گیا اور مریم بیگم جس کے ساتھ اس کی شادی ہوئی تھی بیوہ رہ گئی تو حضرت صاحب نے گھر میں ایک دفعہ یہ خواہش ظاہر کی تھی کہ یہ لڑکی ہمارے گھر میں ہی آجائے تو اچھا ہے یعنی ہمارے بچوں میں سے ہی کوئی اس کے ساتھ شادی کرلے تو بہتر ہے۔ چنانچہ خاکسار عرض کرتا ہے کہ زیادہ تر اسی بنا پر حضرت خلیفۃ المسیح ثانی نے مریم بیگم سے شادی کی ہے۔ نیز والدہ صاحبہ بیان کرتی تھیں کہ جب حضرت صاحب کے سامنے تم لڑکوں کی شادی کی تجویز ہوتی تھی اور کبھی یہ خیال ظاہر کیا جاتا تھا کہ فلاں لڑکی کی عمر لڑکے کی عمر کے قریباً قریباً برابر ہے جس سے بڑے ہو کر لڑکے کو تکلیف کا اندیشہ ہے۔ کیونکہ عموماً عورت جلد بوڑھی ہو جاتی ہے اور مرد کے قویٰ دیر تک قائم رہتے ہیں تو حضرت صاحب

فرماتے تھے کہ کوئی حرج نہیں ہے۔ اگر ضرورت ہوگی تو بڑے ہو کر بچے اور شادی کر لیں گے نیز والدہ صاحبہ نے بیان کیا کہ حضرت صاحب اس بات کو پسند فرماتے تھے کہ اسلامی حدود کو ملحوظ رکھتے ہوئے احمدی زیادہ شادیاں کریں تاکہ نسل جلدی جلدی ترقی کرے اور قوم پھیلے۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ بے شک نسل کی ترقی کا یہ ایک بہت عمدہ ذریعہ ہے اور نیز اس طرح یہ فائدہ بھی حاصل ہو سکتا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے صحبت یافتوں کو اپنے سامنے زیادہ بچوں کی تربیت کا موقعہ مل سکتا ہے۔ جو قومی فلاح و بہبودی کے لئے بہت ضروری ہے لیکن تعدد ازدواج کے متعلق عدل و انصاف کی جو کڑی شرطیں اسلام پیش کرتا ہے۔ ان کا پورا کرنا بھی ہر کس و ناکس کا کام نہیں۔ ہاں جن کو یہ توفیق حاصل ہو اور ان کو کوئی جائز ضرورت پیش آجائے وہ بے شک زیادہ بیویاں کریں تاکہ علاوہ ان فوائد کے جو اوپر بیان ہوئے ہیں۔ یہ فائدہ بھی حاصل ہو کہ ایسے لوگوں کے نیک نمونے سے وہ بدظنی اور بدگمانی دور ہو جو بعض لوگوں کے بد نمونے کے نتیجہ میں تعدد ازدواج کے متعلق اس زمانہ میں خصوصاً حلقہ نسوان میں پیدا ہو رہی ہے۔

(۳۸۲) بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ حافظ نور محمدؐ صاحب متوطن فیض اللہ چک نے مجھ سے بیان کیا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کئی دفعہ فرمایا کرتے تھے کہ سلطان احمدؐ (یعنے مرزا سلطان احمد صاحب) ہم سے سولہ سال چھوٹا ہے اور فضل احمدؐ بیس برس اور اسکے بعد ہمارا اپنے گھر سے کوئی تعلق نہیں رہا۔

(۳۸۳) بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ حافظ نور محمدؐ صاحب نے مجھ سے بیان کیا کہ ایک دفعہ میر حامد شاہ صاحب مرحوم سیالکوٹی اور ان کے والد میر حسام الدین صاحب قادیان میں موجود تھے حضرت صاحب کے سامنے ذکر ہوا کہ میر حسام الدین صاحب کی بیوی فوت ہو چکی ہے۔ جس پر حضرت صاحب نے فرمایا کہ میر صاحب کہیں اور شادی کرالیں۔ بلکہ میر حامد شاہ صاحب سے فرمایا کہ میر حسام الدین صاحب کی شادی کا بندوبست کرادیں۔ اسوقت میر حسام الدین صاحب بہت معمر تھے۔

(۳۸۴) بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ ڈاکٹر سید عبدالستار شاہ صاحب نے مجھ سے بیان کیا کہ ایک دفعہ انسپکٹر جنرل آف ہاسپیٹلز کی طرف سے یہ حکم جاری ہوا کہ سب ڈاکٹر جو برانچ ہسپتالوں میں کام کرتے ہیں سال میں دو ماہ ضلع کے صدر ہسپتال میں جاکر کام کیا کریں تاکہ نئے نئے تجربات اور طریق کار سے

واقف رہیں۔ چنانچہ نمبروار ڈاکٹروں کی ڈیوٹی شروع ہوئی اور میری باری آنے والی تھی۔ مجھے بہت تردد اور فکر ہوا کیونکہ ہر سال مع اہل و عیال و سامان وغیرہ کے ضلع میں جانا ایک سخت مصیبت تھی۔ اتفاقاً میں چند روز کی رخصت لے کر قادیان آیا اور حضرت اقدس کی خدمت میں یہ سب ماجرا عرض کیا۔ حضور نے فرمایا۔ آپ فکر نہ کریں شائد آپ کی باری وہاں جانے کی نہ آوے گی۔ گو آپ نے شائد کا لفظ بولا تھا لیکن میرے دل کو اطمینان ہو گیا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ انسپکٹر جنرل کی طرف سے میرے نام ایک حکم آگیا کہ تم اس ڈیوٹی سے مستثنے ہو۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ یہ خاص حالات کی باتیں ہوتی ہیں۔ اس سے یہ مطلب نہیں سمجھنا چاہئے کہ جو بات بھی انبیاء فرمادیں وہ اسی طرح وقوع میں آجاتی ہے۔ انبیاء عالم الغیب نہیں ہوتے۔

(۳۸۵) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ حضرت والدہ صاحبہ نے مجھ سے بیان کیا کہ جب حضرت صاحب شروع دعوئ مسیحیت میں دہلی تشریف لے گئے تھے اور مولوی نذیر حسین کے ساتھ مباحثہ کی تجویز ہوئی تھی۔ اس وقت شہر میں مخالفت کا سخت شور تھا۔ چنانچہ حضرت صاحب نے افسران پولیس کے ساتھ انتظام کرکے ایک پولیس مین کو اپنی طرف سے تنخواہ دینی کرکے مکان کی ڈیوڑھی پر پہرہ کے لئے مقرر کرالیا تھا۔ یہ پولیس مین پنجابی تھا۔ اسکے علاوہ ویسے بھی مردانہ میں کافی احمدی حضرت صاحب کے ساتھ ٹھہرے ہوئے تھے۔

(۳۸۶) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ ڈاکٹر سید عبدالستار شاہ صاحب نے مجھ سے بیان کیا کہ جب میں سنہ ۱۹۰۱ء میں پہلی دفعہ قادیان میں آیا تو حضور ان دنوں میں صبح اپنے باغ کی طرف سیر کے لئے تشریف لے جایا کرتے تھے۔ چنانچہ جب حضرت صاحب باغ کی طرف تشریف لے گئے تو میں بھی ساتھ گیا اور حضور نے شہتوت منگوا کر درختوں کے سائے کے نیچے خدام کے ساتھ ملکر کھائے اور پھر مجھے مخاطب فرماکر اپنے دعویٰ کی صداقت میں تقریر فرمائی۔ میں نے عرض کیا کہ مجھے آپ کی صداقت کے متعلق تو کوئی شبہ نہیں رہا لیکن اگر بیعت نہ کی جائے اور آپ پر ایمان رکھا جاوے کہ آپ صادق ہیں تو کیا حرج ہے؟ آپ نے فرمایا کہ ایسے ایمان سے آپ مجھ سے روحانی فیض حاصل نہیں کر سکتے۔ بیعت سنت انبیاء ہے اور اس سنت میں بہت بڑے فوائد اور حکمتیں ہیں چنانچہ سب سے زیادہ فائدہ یہ ہے کہ انسان کے نفسانی درخت کا جو کڑوا پھل اور ذائقہ اثر ہے اسے

دُور کرنے کے لئے ایک پیوند کی ضرورت ہے اور وہ پیوند بیعتِ کامل ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کسی کڑوے ترش اور بدذائقہ پھل دار درخت کو اگر میٹھا اور لذیذ بنانا ہو تو پھر کسی عمدہ خوش ذائقہ شیریں پھل دار درخت کے ساتھ اسے پیوند کرتے ہیں اور اس طرح اس کے بدذائقہ اور کڑوے پھل خود بخود شیریں اور عمدہ ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح جب کسی انسان کا نفسانی پھل خراب گندہ اور بدمزہ ہو تو ایک پاک نفس کی بیعت یعنے اسکے روحانی تعلق اور توجہ اور دعا وغیرہ سے پیوند ہو کر یہ بھی حسب استعداد پاک نفس اور مظہر و ظلِ انبیاء ہو جاتا ہے۔ اور بغیر اس بیعت اور تاثیر روحانی کے اس کا روح محروم رہتا ہے۔ نیز مولوی شیر علی صاحب نے مجھ سے بیان کیا کہ ایک دفعہ حضرت صاحب نے بیعت کے فوائد پر تقریر فرماتے ہوئے فرمایا کہ کیا یہ فائدہ بیعت کا کوئی کم ہے کہ انسان کے پہلے سارے گناہ بخشے جاتے ہیں۔

(۳۸۷) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ مولوی محمد ابراہیم صاحب بقاپوری نے مجھ سے بیان کیا کہ جب حقیقت الوحی طبع ہو رہی تھی، ایک دفعہ خواجہ کمال الدین صاحب نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا کہ یہ جو حقیقت الوحی میں سعد اللہ لدھیانوی کے بیٹے کے نامرد ہونے کے متعلق تحدی کی گئی ہے اسکو کاٹ دیا جائے۔ کیونکہ اگر اسنے مقدمہ کر دیا تو نامرد ثابت کرنا مشکل ہوگا۔ مگر حضرت صاحب نے انکار کیا۔ خواجہ صاحب نے پھر عرض کیا کہ اس سے مشکلات پیدا ہونے کا اندیشہ ہے۔ حضرت صاحب نے مسکراتے ہوئے فرمایا کہ خواجہ صاحب اگر اسنے مقدمہ کیا تو ہم آپ کو وکیل نہیں کرینگے۔ اسکے کچھ دن بعد جب خواجہ صاحب لاہور چلے گئے تو مولوی محمد علی صاحب نے سیر کے وقت حضرت صاحب سے عرض کیا کہ خواجہ صاحب کا خط آیا ہے کہ مجھے تو سعد اللہ کے متعلق اتنا فکر ہے کہ بعض اوقات رات کو نیند نہیں آتی۔ یا تو وہ مر جائے اور یا حضرت صاحب اسکے بیٹے کے نامرد ہونے کے الفاظ اپنی کتاب سے کاٹ دیں۔ حضرت صاحب نے فرمایا کہ کیا تعجب ہے کہ اللہ تعالیٰ سعد اللہ کو جلد ہی موت دیدے۔ اسکے چند دن بعد تار آیا کہ سعد اللہ لدھیانوی مر گیا ہے اور حضرت صاحب نے سیر میں اس کا ذکر کیا اور مولوی محمد علی صاحب کو مخاطب کر کے فرمایا کہ اب خواجہ صاحب کو لکھدیں کہ آپ تو کہتے تھے کہ وہ الفاظ کاٹ دیں۔ لیکن اب تو ہمیں اور بھی لکھنا پڑا۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ خواجہ صاحب نے

ازراہ ہمدردی اپنی رائے پر اصرار کیا ہوگا کہ مبادا یہ بات شماتت اعدا کا موجب نہ ہو جائے۔ مگر ان سے یہ غلطی ہوئی کہ انہوں نے صرف ایک قانون دان کی حیثیت میں غور کیا اور اس بات کو نہیں سوچا کہ خدائی تصرفات سب طاقتوں پر غالب ہیں۔ نیز خاکسار عرض کرتا ہے کہ اب سعد اللہ کا لڑکا بھی لاولد

(۳۸۸) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ مولوی شیر علی صاحب نے مجھ سے بیان کیا کہ ایک دن حضرت صاحب کی مجلس میں عورتوں کے لباس کا ذکر ہوا تو آپ نے فرمایا کہ ایسا تنگ پاجامہ جو بالکل بدن کے ساتھ لگا ہوا ہو اچھا نہیں ہوتا۔ کیونکہ اس سے عورت کے بدن کا نقشہ ظاہر ہو جاتا ہے جو ستر کے منافی ہے۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ صوبہ سرحد میں اور اسکے اثر کے ماتحت پنجاب میں بھی عورتوں کا عام لباس سلوار ہے لیکن ہندوستان میں تنگ پاجامہ کا دستور ہے اور ہندوستان کے اثر کے ماتحت پنجاب کے بعض خاندانوں میں بھی تنگ پاجامے کا رواج قائم ہو گیا ہے چنانچہ ہمارے گھروں میں بھی بوجہ حضرت والدہ صاحبہ کے اثر کے جو دلی کی ہیں، زیادہ تر تنگ پاجامے کا رواج ہے لیکن سلوار بھی استعمال ہوتی رہتی ہے۔ مگر اس میں شک نہیں کہ ستر کے نکتہ نگاہ سے تنگ پاجامہ ضرور ایک حد تک قابل اعتراض ہے اور سلوار کا مقابلہ نہیں کرتا ہاں زینت کے لحاظ سے دونوں اپنی اپنی جگہ اچھے ہیں یعنی بعض بدنوں پر تنگ پاجامہ سجتا ہے اور بعض پر سلوار۔ ازیں حالات اگر بحیثیت مجموعی سلوار کو رواج دیا جاوے تو بہتر ہے۔ یہ کہا جا سکتا ہے کہ عورت نے تو اپنے گھر کی چار دیواری میں ہی رہنا ہے اور اگر باہر بھی جانا ہے تو عورتوں میں ہی ملنا جلنا ہے تو اس صورت میں تنگ پاجامہ اگر ایک حد تک ستر کے خلاف بھی ہو تو قابل اعتراض نہیں لیکن یہ خیال درست نہیں کیونکہ اوّل تو ایک قسم کا ستر شریعت نے عورتوں کا خود عورتوں سے بھی رکھا ہے اور اپنے بدن کے حسن کو بیجا طور پر برملا ظاہر کرنے سے مستورات میں بھی منع فرمایا ہے۔ علاوہ ازیں گھروں میں علاوہ خاوند کے بعض ایسے مردوں کا بھی آنا جانا ہوتا ہے جن سے مستورات کا پردہ تو نہیں ہوتا لیکن یہ بھی نہائت معیوب بلکہ ناجائز ہوتا ہے کہ عورت ان کے سامنے اپنے بدن کے نقشہ اور ساخت کو برملا ظاہر کرے۔ پس حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ایسے تنگ پاجامہ کو جس سے بدن کا نقشہ اور ساخت ظاہر ہو جاوے ناپسند کرنا نہائت حکیمانہ دانشمندی پر مبنی اور عین شریعت اسلامی کے منشاء کے مطابق ہے۔ ہاں خاوند کے سامنے عورت بے شک جس قسم کا

لباس وہ چاہے یا اس کا خاوند پسند کرے پہنے۔ اس میں ہرج نہیں۔ لیکن ایسے موقعوں پر جبکہ گھر کے دوسرے مردوں کے سامنے آنا جانا ہو یا غیر عورتوں سے ملنا ہو، سلوار ہی بہتر معلوم ہوتی ہے۔ ہاں یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ ایک تنگ پاجامہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ جو بدن کے ساتھ بالکل پیوست نہیں ہوتا بلکہ کسی قدر ڈھیلا رہتا ہے اور اس سے عورت کے بدن کی ساخت پوری طرح ظاہر نہیں ہوتی۔ ایسا تنگ پاجامہ گو سلوار کا مقابلہ نہ کر سکے مگر چنداں قابل اعتراض بھی نہیں۔ اور ہمارے گھروں میں زیادہ تر اسی قسم کے پاجامے کا رواج ہے۔ قابل اعتراض وہ پاجامہ ہے کہ جو بہت تنگ ہو یا جسے عورت ٹانک کر اپنے بدن کے ساتھ پیوست کرلے۔ واللّٰہ اعلم۔

(۳۸۹) بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم۔ مولوی فضل دین صاحب وکیل نے مجھ سے بیان کیا کہ مقدمہ مولوی کرم دین جہلمی میں جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر یہ سوال ہوا تھا کہ کیا واقعی آپکی وہی شان ہے جو آپ نے اپنی فلاں کتاب میں لکھی ہے؟ اسکے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے حقیقۃ الوحی میں لکھا ہے کہ یہ سوال تریاق القلوب کے متعلق تھا۔ لیکن دراصل یہ درست نہیں ہے۔ اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو کتاب کے نام کے متعلق نسیان ہوگیا ہے یا سہواً بلا محسوس کئے تریاق القلوب کا نام لکھا گیا ہے۔ کیونکہ حق یہ ہے کہ عدالت میں تحفہ گولڑویہ پیش کی گئی تھی اور تحفہ گولڑویہ ہی کی ایک عبارت پیش کر کے یہ سوال کیا گیا تھا۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ سرکاری عدالت میں جو اس مقدمہ کی مسل محفوظ ہے اس میں تحفہ گولڑویہ کا نام درج ہے۔ اور یہ صاف طور پر لکھا ہے کہ تحفہ گولڑویہ کی ایک عبارت کے متعلق یہ سوال تھا۔ چنانچہ مسل میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا بیان آپ کے اپنے الفاظ میں اس طرح پر درج ہے:۔

"تحفہ گولڑویہ میری تصنیف ہے یکم ستمبر ۱۹۰۲ء کو شائع ہوا۔ پیر مہر علی کے مقابلہ پر لکھی ہے یہ کتاب سیف چشتیائی کے جواب میں نہیں لکھی گئی۔"

سوال۔ جن لوگوں کا ذکر صفحہ ۴۸ لغائت ۵۰ اس کتاب میں لکھا ہے آپ ہی اسکا مصداق ہیں؟

جواب۔ خدا کے فضل اور رحمت سے میں اس کا مصداق ہوں۔

سوال۔ ان روحانی طاقتوں کو کام میں لاکر جس سے جھوٹے اور سچے ہیرے شناخت کئے گئے آپ نے کرم دین کے دونوں خطوں کو پرکھا یعنی P اور مضمون مندرجہ سراج الاخبار جہلم اور

نیز نوٹ ہائے مندرجہ حاشیہ اعجاز المسیح ؟

جواب ۔ میںنے نہ ان صفحات میں اور نہ کسی اور جگہ کبھی دعویٰ نہیں کیا کہ میں عالم الغیب ہوں۔

سوال ۔صفحہ ۹۲ کی سطر ۶ سے جو مضمون چلتا ہے وہ آپنے اپنی نسبت لکھا ہے ؟

جواب ۔میں اس مضمون کو اپنی طرف منسوب کرتا ہوں اور صفحہ ۸۹ پر بھی جو کچھ لکھا ہے وہ اپنی نسبت لکھا ہے ۔

سوال ۔بلحاظ اندراج صفحات ۲۹ و ۳۰ و ۴۸ و ۴۹ و ۵۰ و ۸۹ تحفہ گولڑویہ آپ نے کرم دین کی خطوں کو اور محمد حسین کی تحریر کو پرکھا ؟

جواب ۔ ایسی عام طاقت کا میںنے کبھی دعویٰ نہیں کیا ۔

سوال ۔ جو طاقت چند بیسوں کے کھوٹے ہیروں پر برتی گئی تھی اور جس سے وہ ہیرے شناخت کئے گئے تھے وہ عام تھی یا خاص ؟

جواب ۔ وہ خاص طاقت تھی کبھی انسان دھوکا کھا لیتا ہے ۔اور کبھی اپنی فراست سے ایک بات کی تہ تک پہنچ جاتا ہے ۔

سوال ۔ روحانی طاقت سے جو کچھ غیب ظاہر ہوتا ہے اس میں غلطی ہوتی ہے ؟

جواب ۔ اس میں اجتہادی یعنی رائے لگانے میں غلطی لگ جاتی ہے ۔ طاقت میں غلطی نہیں ہوتی ۔ الخ

آپ کے اس بیان سے جس کی مصدقہ نقل دفتر تالیف و تصنیف قادیان میں موجود ہے ظاہر ہے کہ سوال تحفہ گولڑویہ کے متعلق تھا ۔ نہ کہ تریاق القلوب کے متعلق ۔ اور حضرت صاحب نے جو کسی جگہ اپنی بعد کی تحریر میں تریاق القلوب لکھا ہے تو اس کی وجہ نسیان یا سہو قلم ہے ۔ کیونکہ خود حضرت صاحب کا مصدقہ بیان جو اسی وقت تحریر میں آ کر مسل کے ساتھ شامل ہو گیا تھا اس کو غلط ثابت کر رہا ہے اور پھر اسی پر بس نہیں بلکہ اس سوال و جواب کا مضمون بھی اسبات کو قطعی طور پر ثابت کر رہا ہے کہ اسوقت تحفہ گولڑویہ پیش کی گئی تھی نہ کہ تریاق القلوب ۔کیونکہ اس سوال و جواب میں جو سچے اور جھوٹے ہیروں کے شناخت کئے جانے کے متعلق ذکر ہے وہ صرف تحفہ گولڑویہ کے اندر ہے ۔ اور تریاق القلوب میں قطعاً ایسا کوئی مضمون درج نہیں ہے ۔ چنانچہ جن صفحات کا حوالہ دیا گیا ہے ان کے مطالعہ ہر دو کتب کا مطالعہ کر کے اسبات کی صداقت کا فیصلہ آسانی کے ساتھ کیا جاسکتا ہے

خاکسار عرض کرتا ہے کہ مولوی فضل دین صاحب کی اس روایت سے مولوی شیر علی صاحب کی اس روایت کی تصدیق ہوگئی جو حصہ اوّل میں درج ہو چکی ہے اور جس میں اس موقعہ پر تحفہ گولڑویہ کا پیش کیا جانا بیان کیا گیا ہے:

(۴۹۰) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ میاں حیات محمد صاحب پنشنر ہیڈ کانسٹیبل پولیس نے مجھ سے بیان کیا کہ جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کرم دین کے مقدمہ میں جہلم تشریف لے گئے تو میں ان دنوں میں لائن پولیس میں تھا اور میں نے حضرت صاحب کی تشریف آوری پر تین دن کی رخصت حاصل کر لی تھی۔ جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی گاڑی جہلم کے سٹیشن پر پہنچی تو سٹیشن پر لوگوں کا اس قدر ہجوم تھا کہ بس جہاں تک نظر جاتی تھی آدمی ہی آدمی نظر آتے تھے اور مرد عورت بچے جوان بوڑھے پھر ہندو مسلمان سکھ عیسائی یورپین ہر مذہب و قوم کے لوگ موجود تھے اور اس قدر گھمسان تھا کہ پولیس اور سٹیشن کا عملہ باوجود قبل از وقت خاص انتظام کرنے کے قطعاً کوئی انتظام قائم نہ رکھ سکتے تھے اور اس بات کا سخت اندیشہ پیدا ہو گیا تھا کہ کوئی شخص ریل کے نیچے آکر کٹ نہ جائے۔ یا لوگوں کے ہجوم میں دب کر کوئی بچہ یا عورت یا کمزور آدمی ہلاک نہ ہو جاوے۔ لوگوں کا ہجوم صرف سٹیشن تک ہی محدود نہیں تھا بلکہ سٹیشن سے باہر بھی دور دراز فاصلہ تک ایک سا ہجوم چلا جاتا تھا اور جس جگہ بھی کسی کو موقعہ ملتا تھا وہ وہاں کھڑا ہو جاتا تھا حتیٰ کہ مکانوں کی چھتوں اور درختوں کی شاخوں پر لوگ اس طرح چڑھے بیٹھے تھے کہ چھتوں اور درختوں کے گرنے کا اندیشہ ہو گیا تھا۔ میں نے دیکھا کہ ایک انگریز اور لیڈی فوٹو کا کمرا ہاتھ میں لئے ہوئے ہجوم میں گھرے ہوئے کھڑے تھے کہ کوئی موقع ملے تو حضرت صاحب کا فوٹو لے لیں۔ مگر کوئی موقعہ نہ ملتا تھا اور میں نے سُنا تھا کہ وہ پچھلے کئی سٹیشنوں سے فوٹو کی کوشش کرتے چلے آرہے تھے مگر کوئی موقع نہیں ملا۔ جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام ریل سے اُتر کر اس کوٹھی کی طرف روانہ ہوئے جو سردار ہری سنگھ رئیس اعظم جہلم نے آپ کے قیام کے لئے پیش کی تھی تو رستہ میں تمام لوگ ہی لوگ تھے اور آپ کی گاڑی بصد مشکل کوٹھی تک پہنچی۔ جب دوسرے دن آپ عدالت میں تشریف لے گئے تو مجسٹریٹ ڈپٹی سنسار چند آپ کی تعظیم کے لئے سرو قد کھڑا ہو گیا اور اسوقت وہاں لوگوں کا اس قدر ہجوم تھا کہ جگہ نہیں ملتی تھی۔ بعض لوگ

عدالت کے کمرے میں الماریوں کے اوپر اور بعض مجسٹریٹ کے چبوترے پر چڑھے ہوئے تھے جہلم میں اتنے لوگوں نے حضرت صاحب کی بیعت کی کہ ہمارے وہم و خیال میں بھی نہ تھا خاکسار عرض کرتا ہے کہ اخبار البدر بابت آخر جنوری ۱۹۰۳ء میں سفر جہلم کے حالات مفصل درج ہیں اس میں لکھا ہے کہ حضرت مسیح موعود ۱۵ر جنوری ۱۹۰۳ء کو قادیان سے روانہ ہوئے تھے اور ۱۶ کی صبح کو جہلم پہنچے اور ۱۹ر جنوری کو واپس قادیان تشریف لائے۔ رستے میں کچھ دیر لاہور میں بھی قیام فرمایا۔ اس سفر میں کم و بیش ایک ہزار آدمیوں نے بیعت کی۔ رستہ کے سٹیشنوں پر بھی لوگوں کا غیر معمولی ہجوم ہوتا تھا۔ چنانچہ لاہور کے غیر احمدی اخبار پنجہ فولاد کی مندرجہ ذیل عبارت اس پر شاہد ہے: "جہلم کی واپسی پر مرزا غلام احمد صاحب قادیانی وزیر آباد پہنچے۔ باوجودیکہ انہوں نے شہر میں آنا تھا اور نہ آنے کی کوئی اطلاع دی تھی اور صرف سٹیشن پر ہی چند منٹوں کا قیام تھا پھر بھی ریلوے سٹیشن کے پلیٹ فارم پر خلقت کا وہ ہجوم تھا کہ تل دھرنے کو جگہ نہ ملتی تھی۔ اگر سٹیشن ماسٹر صاحب جو نہایت خلیق اور ملنسار ہیں خاص طور پر اپنے حسن انتظام سے کام نہ لیتے تو کچھ شبہ نہیں کہ اکثر آدمیوں کے کچل جانے اور یقیناً کئی ایک کے کٹ جانے کا اندیشہ تھا۔ مرزا صاحب کے دیکھنے کے لئے ہندو اور مسلمان یکسان شوق سے موجود تھے۔" دیکھو الحکم بابت ۳۱ر جنوری ۱۹۰۳ء۔

(۳۹۱) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ مولوی شیر علی صاحب نے مجھ سے بیان کیا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو جب مولوی محمد علی صاحب سے کوئی بات وغیرہ دریافت کرنی ہوتی تھی تو آپ بجائے اسکے کہ ان کو اپنے پاس بلا بھیجتے خود مولوی صاحب کی کوٹھڑی میں تشریف لے آیا کرتے تھے۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زندگی میں مولوی محمد علی صاحب آپ کے مکان کے ایک حصہ میں رہائش رکھا کرتے تھے۔ اور ان کا کام کرنے کا دفتر اس چھوٹی سی کوٹھڑی میں ہوتا تھا جو مسجد مبارک کے ساتھ جانب شرق واقع ہے۔

(۳۹۲) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ مولوی شیر علی صاحب نے مجھ سے بیان کیا کہ ایک دفعہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بیان فرمایا کہ ہمیں یہ خیال آیا تھا کہ تبلیغ کے لئے انگریزی کے سیکھنے کی طرف توجہ کریں اور ہمیں امید تھی کہ اللہ تعالیٰ اپنے خاص فضل سے ہمیں اس کا علم

ہلاک کر دے گا۔ بس صرف ایک دو رات دعا کی ضرورت تھی۔ لیکن پھر یہ خیال آیا کہ مولوی محمد علی صاحب اس کام میں لگے ہوئے ہیں اور ان کی انگریزی کی تعریف بھی کی جاتی ہے۔ اسلئے ہماری توجہ اس امر کی طرف سے ہٹ گئی۔

(۳۹۳) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ مولوی شیر علی صاحب نے مجھ سے بیان کیا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنی زندگی کے آخری سالوں میں فرماتے تھے کہ اب تبلیغ و تصنیف کا کام تو ہم اپنی طرف سے کر چکے ہیں۔ اب ہمیں باقی ایام دعا میں مصروف ہونا چاہئے کہ اللہ تعالےٰ اپنے فضل خاص سے دنیا میں حق و صداقت کو قائم فرمائے اور ہمارے آنے کی غرض پوری ہو۔ چنانچہ اسی خیال کے ماتحت آپ نے اپنے گھر کے ایک حصہ میں ایک بیت الدعا بنوائی۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ یہ بیت الدعا حضرت صاحب کے رہائشی کمرے کے ساتھ واقع ہے اور اس کی پیمائش شمالاً جنوباً چار فٹ دس انچ اور شرقاً غرباً پانچ فٹ سات انچ ہے۔

(۳۹۴) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ مولوی شیر علی صاحب نے مجھ سے بیان کیا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صحبت اور مجلس میں بیٹھنے سے دل میں خوشی اور بشاشت اور اطمینان پیدا ہوتے تھے اور خواہ انسان کتنا بھی متفکر اور غمگین یا مایوس ہو آپ کے سامنے جاتے ہی قلب کے اندر مسرت اور سکون کی ایک لہر دوڑ جاتی تھی۔

(۳۹۵) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ مولوی شیر علی صاحب نے مجھ سے بیان کیا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام بچوں کو بدنی سزا دینے کے بہت مخالف تھے اور جس اُستاد کے متعلق یہ شکایت آپکو پہنچتی تھی کہ وہ بچوں کو مارتا ہے۔ اس پر بہت ناراض ہوتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ جو استاد بچوں کو مار کر تعلیم دینا چاہتا ہے۔ یہ دراصل اس کی اپنی نالائقی ہوتی ہے۔ اور فرماتے تھے دانا اور عقلمند استاد جو کام حکمت سے لے لیتا ہے وہ کام نالائق اور جاہل استاد مارنے سے لینا چاہتا ہے۔ ایک دفعہ مدرسہ کے ایک استاد نے ایک بچے کو کچھ سزا دی تو آپ نے سختی سے فرمایا کہ اگر پھر ایسا ہوا تو ہم اس اُستاد کو مدرسہ سے الگ کر دیں گے۔ حالانکہ ویسے وہ اُستاد بڑا مخلص تھا اور آپ کو اس سے محبت تھی۔ بعض اوقات فرماتے تھے کہ استاد عموماً اپنے غصہ کے اظہار کے لئے مارتے ہیں۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ سرکاری ضابطہ تعلیم میں بھی بچوں کو بدنی سزا

دینے کی بہت ممانعت ہے اور صرف ہیڈ ماسٹر کو یہ حق دیا گیا ہے کہ وہ کسی اشد ضرورت کے وقت مناسب بدنی سزا دے۔ نیز خاکسار عرض کرتا ہے کہ حضرت صاحب نے جو یہ فرمایا ہے کہ بچوں کو سزا نہیں دینی چاہیئے۔ اس سے یہ منشا نہیں کہ گویا بدنی سزا بالکل ہی ناجائز ہے اور کسی صورت میں بھی نہیں دینی چاہیئے بلکہ منشا صرف یہ ہے کہ یہ جو بعض مدرسین میں بات بات پر سزا دینے کے لئے تیار ہو جانے کی عادت ہوتی ہے اسے سختی کے ساتھ روکا جاوے۔ اور صرف خاص حالات میں خاص شرائط کے ماتحت اسکی اجازت ہو ورنہ ویسے تو شریعت نے بھی اپنی تعزیرات میں بدنی سزا کو رکھا ہے اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے خود بھی بعض اوقات بچوں کو بدنی سزا دی ہے۔ لیکن غصہ سے مغلوب ہو کر مارنا یا بات بات پر مارنا یا بری طرح مارنا وغیر ذلک یہ ایسی باتیں ہیں جنہیں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نہایت ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھتے تھے مگر افسوس ہے اور میں اپنے چشم دید تجربہ کی بنا پر یہ کہتا ہوں کہ اکثر استاد خواہ وہ اسے خود محسوس کریں یا نہ کریں غصہ سے مغلوب ہونے کی حالت میں سزا دیتے ہیں یعنی جب بچے کی طرف سے کوئی غفلت یا جرم کا ارتکاب ہوتا ہے تو اسوقت اکثر استادوں کی طبیعت میں نہایت غصہ اور غضب کی حالت پیدا ہو جاتی ہے اور اس حالت سے مغلوب ہو کر وہ سزا دیتے ہیں اور اس میں اصلاح کا خیال عملاً مفقود ہوتا ہے۔ بلکہ ایک گونہ انتقام کا رنگ اور اپنا غصہ نکالنے کی صورت ہوتی ہے جو بجائے مفید ہونے کے اُلٹا نقصان کا موجب ہو جاتی ہے۔ اس نقص کی اصلاح کے لئے یہ ایک عمدہ قاعدہ ہے کہ کوئی ماتحت استاد بدنی سزا نہ دے بلکہ جب اسے یہ ضرورت محسوس ہو کہ کسی لڑکے کو بدنی سزا ملنی چاہیئے تو وہ اسے ہیڈ ماسٹر کے پاس بھیجدے اور پھر اگر ہیڈ ماسٹر مناسب سمجھے تو اسے بدنی سزا دے۔ اس طرح غالباً وہ اسلئے کہ ہیڈ ماسٹر بالعموم ایک زیادہ تجربہ کار اور زیادہ قابل اور زیادہ فہمیدہ شخص ہوتا ہے، چونکہ اسے اس معاملہ میں کوئی ذاتی غصہ نہیں ہوگا۔ اسلئے اس کی سزا مصلحانہ ہوگی اور کوئی ضرر رساں اثر پیدا نہیں کرے گی۔ اور اگر ہیڈ ماسٹر بطور خود کسی بچے کو بدنی سزا دینی چاہے تو اسکے لئے میری رائے میں یہ قید ضروری ہے کہ وہ جس وقت سزا کا فیصلہ کرے اسوقت کے اور عملاً سزا دینے کے وقت کے درمیان کچھ مناسب وقفہ رکھے تا کہ اگر اس کا یہ فیصلہ کسی مخفی اور غیر محسوس جذبہ انتقام کے ماتحت ہو یا غصہ اور غضب کی حالت سے مغلوب ہو کر دیا گیا ہو تو وہ بعد کے ٹھنڈے لمحات میں اپنے اس فیصلہ میں ترمیم کر سکے۔ واللہ اعلم۔

(۳۹۶) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ مولوی شیر علی صاحب نے مجھ سے بیان کیا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے تھے کہ بعض اوقات ہماری جماعت کے طالب علم مجھے امتحانوں میں کامیابی کی دعا کے لئے لکھتے ہیں اور گو یہ ایک معمولی سی بات ہوتی ہے۔ لیکن میں ان کے واسطے توجہ کے ساتھ دعا کرتا ہوں کہ اس طرح ان کو دعا کی طرف رغبت اور خیال پیدا ہو۔

(۳۹۷) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ ڈاکٹر میر محمد اسماعیل صاحب نے مجھ سے بیان کیا کہ ایک دن سخت گرمی کے موسم میں چند احباب دوپہر کے وقت حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت میں اندر حاضر ہوئے جہاں حضور تصنیف کا کام کر رہے تھے۔ پنکھا بھی اس کمرہ میں نہ تھا بعض دوستوں نے عرض کیا کہ حضور کم از کم پنکھا تو لگوا لیں تاکہ اس سخت گرمی میں حضور کو کچھ آرام تو ہو۔ حضور نے فرمایا کہ اس کا یہی نتیجہ ہوگا نا کہ آدمی کو نیند آنے لگے اور وہ کام نہ کر سکے۔ ہم تو وہاں کام کرنا چاہتے ہیں جہاں گرمی کے مارے لوگوں کا تیل نکلتا ہو۔ یہ بات میں نے ان لوگوں سے سُنی ہے جو اس وقت مجلس میں موجود تھے۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ یہ کوئی حضرت مسیح موعود علیہ السلام ہی کی خصوصیت تھی کہ آپ سخت گرمی میں بغیر پنکھے کے تصنیف کا کام کر لیتے تھے۔ ورنہ میں نے دیکھا ہے کہ شدت گرمی کے وقت اگر پنکھا نہ ہو تو گو اور کام تھوڑے بہت ہو سکیں لیکن تصنیف کا کام بہت ہی مشکل ہو جاتا ہے۔ خصوصاً جن لوگوں کو پسینہ زیادہ آتا ہو ان کے لئے تو بغیر پنکھے کے لکھنے کا کام کرنا ایک مصیبت ہو جاتا ہے چنانچہ خود میرا بھی تقریباً یہی حال ہے علاوہ ازیں گو بعض نادان لوگ اسے ایک وہم قرار دیں۔ لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ میں خدا کا کوئی ایسا خاص فضل تھا کہ زیادہ دن لگا تار شدت کی گرمی نہیں ہوتی تھی اور بروقت بارشوں وغیرہ سے ٹھنڈ ہوتی رہتی تھی۔ اس احساس کا اظہار میرے پاس بہت سے فہمیدہ دوستوں نے کیا ہے اور میں نہیں سمجھ سکتا کہ اتنے باشعور لوگوں کی رائے کسی وہم پر مبنی ہو۔ اور یہ بات اصول جغرافیہ کے بھی خلاف نہیں ہے کیونکہ تجربہ سے یہ ثابت ہے کہ بعض اسباب کے نتیجہ میں بارشوں اور خنک ہواؤں کے زمانہ میں اتار چڑھاؤ ہوتا رہتا ہے اور ہر زمانہ میں بالکل ایک سا حال نہیں رہتا پس اگر خدا کے منشاء کے ماتحت حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ میں ایسے سامان پیدا ہو گئے ہوں کہ جن کے نتیجہ میں بروقت

بارشوں اور ٹھنڈی ہواؤں کا سلسلہ عام طور پر قائم رہا ہو تو یہ کوئی تعجب انگیز امر نہیں ؛

(۳۹۸) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ ڈاکٹر میر محمد اسماعیل صاحب نے مجھ سے بیان کیا کہ جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام معہ چند خدام کے باوا صاحب کا چولہ دیکھنے کے لئے ڈیرہ بابا نانک تشریف لے گئے تو وہاں ایک بڑ کے درخت کے نیچے کچھ کپڑے بچھا کر جماعت کے لوگ معہ حضور کے بیٹھ گئے۔ مولوی محمد احسن صاحب بھی ہمراہ تھے۔ گاؤں کے لوگ حضور کی خبر سُنکر وہاں جمع ہونے لگے تو ان میں سے چند آدمی جو پہلے آئے تھے، مولوی محمد احسن صاحب کو مسیح موعود خیال کر کے ان کے ساتھ مصافحہ کر کر کے بیٹھتے گئے۔ تین چار آدمیوں کے مصافحہ کے بعد یہ محسوس کیا گیا کہ ان کو دھوکا ہوا ہے۔ اسکے بعد مولوی محمد احسن صاحب ہر ایسے شخص کو جو ان کے ساتھ مصافحہ کرتا تھا حضور کی طرف متوجہ کر دیتے تھے۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام یہ ہیں۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ بعض اوقات آنحضرت صلعم کی مجلس میں بھی ایسا دھوکا لگ جاتا تھا دراصل چونکہ انبیاء کی مجلس بالکل سادہ اور ہر قسم کے تکلفات سے پاک ہوتی ہے اور سب لوگ محبت کے ساتھ باہم ملے جلے بیٹھے رہتے ہیں اور نبی کے لئے کوئی خاص امتیازی شان یا مسند وغیرہ کی صورت نہیں ہوتی اسلئے اجنبی آدمی بعض اوقات عارضی طور پر دھوکا کھا جاتا ہے ؛

(۳۹۹) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ ڈاکٹر میر محمد اسماعیل صاحب نے مجھ سے بیان کیا کہ ایک دفعہ مولوی عبدالکریم صاحب معہ چند خاص احباب کے مسجد مبارک کی چھت پر بیٹھے ہوئے تھے۔ فرمانے لگے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور حضرت مولوی نورالدین صاحب کی مجلسوں میں نمایاں فرق ہے۔ حضرت اقدس کی مجلس میں ہمیشہ نمایاں خوشی اور بشاشت ہوتی ہے۔ اور کیسا ہی غم ہو فوراً دُور ہو جاتا ہے۔ برخلاف اسکے حضرت مولوی صاحب کی مجلس میں ایک غم اور درد کی کیفیت دل پر محسوس ہوتی ہے۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ قلب انسانی سے مختلف قسم کی رَوئیں جاری ہوتی رہتی ہیں جن سے اسکے ارد گرد کی چیزیں متاثر ہوتی ہیں اور جس قسم کے جذبات اور احساسات کسی شخص کے دل میں غالب ہوں اسی قسم کی اسکی رَو ہوتی ہے۔ انبیاء چونکہ بشاشت اور نشاط اور امید اور مسرت کا مژدہ لیکر دنیا میں آتے ہیں۔ اور مایوسی وغیرہ کے خیالات ان کے پاس نہیں پھٹکتے اور ان کا دل بھی خدا کے خاص بالخاص افضال و برکات اور رحمتوں کا مہبط رہتا ہے

اسلئے ان کی مجلس اور صحبت کا یہ لازمی نتیجہ ہوتا ہے کہ پاس بیٹھنے والے اس مخفی رو کے ذریعہ سے جو ان کے دل سے جاری ہوتی رہتی ہے اسی قسم کے جذبات و احساسات اپنے اندر محسوس کرنے لگ جاتے ہیں۔ برخلاف اسکے بعض دوسرے لوگوں کے قلب پر چونکہ خوف اور خشیت اللہ اور خدا کی ناراضگی کے ڈر کے خیالات کا غلبہ رہتا ہے اسلئے ان کی مجلس بھی خاموش طور پر غم اور درد کے خیالات کا موجب ہوتی ہے۔ بہرحال یہ مجلسی اثر صدر مجلس کی دہنی قلبی کیفیات کا نتیجہ ہوتا ہے واللہ اعلم۔ نیز خاکسار عرض کرتا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صحبت کا یہ اثر واقعی نہایت نمایاں تھا کہ انسان کا دل خوشی اور امید اور ایک گونہ استغناء کے خیالات سے بھر جاتا تھا اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ بس ساری دنیا اپنی ہی اپنی ہے اور دنیا کی ساری طاقتیں ہمارے سامنے ہیچ ہیں۔

(۴۰۰) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ حضرت خلیفہ اوّل فرماتے تھے کہ ایک طالب علم جو کالج میں پڑھتا تھا وہ میرے پاس آکر بیان کرنے لگا کہ کچھ عرصہ سے میرے دل میں دہریت کے خیالات پیدا ہونے شروع ہو گئے ہیں اور میں ان کا بہت مقابلہ کرتا ہوں مگر وہ میرا پیچھا نہیں چھوڑتے۔ مولوی صاحب فرماتے تھے کہ میں نے اسے مناسب نصیحت کی اور کہا کہ تم اپنی حالت سے مجھے اطلاع دیتے رہا کرو۔ مگر اس کی حالت درست اصلاح نہ ہوئی۔ بلکہ اسکے یہ شبہات ترقی کرتے گئے۔ پھر جب وہ قادیان آیا تو میں نے اسے حضرت صاحب کی خدمت میں پیش کیا۔ حضرت صاحب نے اس کے حالات سُنکر فرمایا کہ آپ کالج میں جس جگہ بیٹھا کرتے ہیں وہ جگہ بدل دیں۔ اسکے کچھ عرصہ بعد جب وہ پھر قادیان آیا تو کہنے لگا کہ اب میرے خیالات خود بخود ٹھیک ہونے لگ گئے ہیں۔ اور اسنے یہ بیان کیا کہ مجھے اب معلوم ہوا ہے کہ جس جگہ میں پہلے بیٹھتا تھا اسکے ساتھ ایک ایسے طالب علم کی جگہ تھی جو دہریہ تھا۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ انسان کے قلب سے مخفی طور پر اسکے خیالات کی رو جاری ہوتی رہتی ہے جو پاس بیٹھنے والوں پر اپنا اثر پیدا کرتی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ طالب علم کمزور طبیعت کا ہوگا اور باوجود خدا پر ایمان رکھنے کے اسکا قلب اپنے دہریہ پڑوسی کی مخفی رو سے متاثر ہو گیا۔ لیکن چونکہ حضرت صاحب نے اپنی فراست سے سمجھ لیا تھا کہ یہ اثر کسی دہریہ کے پاس بیٹھنے کا ہے اسلئے آپ نے اسے نصیحت فرمائی کہ

اپنی جگہ بدل دے۔ چنانچہ یہ تجویز کارگر ہوئی اور اس کی اصلاح ہو گئی۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ جسے انگریزی میں ہپنوٹزم کہتے ہیں وہ بھی اسی مخفی قلبی رو کا نتیجہ ہے۔ صرف فرق یہ ہے کہ ہپنوٹزم میں توجہ ڈالنے والا ارادہ اور شعور کے ساتھ اپنی توجہ کا ایک مرکز قائم کرتا ہے لیکن اس قسم کی عام حالت میں بلا ارادہ ہر شخص کے قلب سے ایک رو جاری رہتی ہے اور اسی لئے یہ رو ہپنوٹزم کی رو کی نسبت بہت کمزور اور بطئی الاثر ہوتی ہے۔

(۴۰۱) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ مولوی شیر علی صاحب نے مجھ سے بیان کیا کہ ایک دفعہ ڈاکٹر محمد اسماعیل خان صاحب مرحوم نے حضرت مسیح موعود سے عرض کیا کہ میرے ساتھ شفاخانہ میں ایک انگریز لیڈی ڈاکٹر کام کرتی ہے اور وہ ایک بوڑھی عورت ہے وہ کبھی کبھی میرے ساتھ مصافحہ کرتی ہے اسکے متعلق کیا حکم ہے۔ حضرت صاحب نے فرمایا کہ یہ تو جائز نہیں ہے۔ آپ کو عذر کر دینا چاہئے کہ ہمارے مذہب میں یہ جائز نہیں۔

(۴۰۲) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ مولوی شیر علی صاحب نے مجھ سے بیان کیا کہ مولوی سید سرور شاہ صاحب بیان کرتے تھے کہ ایک دفعہ قادیان کے قصابوں نے کوئی شرارت کی تو اس پر حضرت صاحب نے حکم دیا کہ ان سے گوشت خریدنا بند کر دیا جاوے۔ چنانچہ کئی دن تک گوشت بند رہا اور سب لوگ دال وغیرہ کھاتے رہے۔ ان دنوں میں نے (مولوی سید سرور شاہ صاحب نے) حضرت صاحب کی خدمت میں عرض کی کہ میرے پاس ایک بکری ہے وہ میں حضور کی خدمت میں پیش کرتا ہوں حضور اسے ذبح کروا کے اپنے استعمال میں لائیں۔ حضرت صاحب نے فرمایا کہ ہمارا دل اسے پسند نہیں کرتا کہ ہمارے دوست دالیں کھائیں اور ہمارے گھر میں گوشت پکے۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ اس سے یہ مراد نہیں ہے کہ حضرت صاحب اسبات کے قائل تھے کہ سب مومنوں کے گھر میں ایک سا کھانا پکنا چاہئے اور سب کا تمدن و طریق ایک سا ہونا چاہئے۔ بلکہ منشاء صرف یہ ہے کہ ایسے وقت میں جبکہ گوشت خریدنے کی ممانعت کی گئی تھی آپ کے اخلاق نے یہ گوارا نہیں کیا کہ آپ اپنے لئے تو کوئی خاص انتظام کر لیں اور دوسرے ذی استطاعت احباب جو گوشت خریدنے کی طاقت تو رکھتے تھے مگر بوجہ ممانعت کے رکے ہوئے تھے دالیں کھائیں ورنہ ویسے اپنے گھروں میں ہر شخص کو اختیار ہے کہ اعتدال کو مدنظر رکھتے ہوئے اپنی حیثیت کے مطابق

جس طرح کا چاہے کھانا کھائے۔

(۴۰۳) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ مولوی شیر علی صاحب نے مجھ سے بیان کیا کہ مولوی عبدالکریم صاحب مرحوم بیان فرماتے تھے کہ میں حضرت صاحب کے مکان کے اوپر کے حصہ میں رہتا ہوں میں نے کئی دفعہ حضرت صاحب کے گھر کی عورتوں کو آپس میں یہ باتیں کرتے سُنا ہے کہ حضرت صاحب کی تو آنکھیں ہی نہیں ہیں۔ ان کے سامنے سے کوئی عورت کسی طرح سے بھی گذر جاوے ان کو پتہ نہیں لگتا یہ وہ ایسے موقعہ پر کہا کرتی ہیں کہ جب کوئی عورت حضرت صاحب کے سامنے سے گذرتی ہوئی خاص طور پر گھونگھٹ یا پردہ کا اہتمام کرنے لگتی ہے۔ اوران کا منشاء یہ ہوتا ہے کہ حضرت صاحب کی آنکھیں ہر وقت نیچی اور نیم بند رہتی ہیں اور وہ اپنے کام میں بالکل منہمک رہتے ہیں ان کے سامنے سے جاتے ہوئے کسی خاص پردہ کی ضرورت نہیں۔ نیز مولوی شیر علی صاحب نے بیان کیا کہ باہر مردوں میں بھی حضرت صاحب کی یہی عادت تھی کہ آپ کی آنکھیں ہمیشہ نیم بند رہتی تھیں اور ادھر ادھر آنکھ اُٹھا کر دیکھنے کی آپ کو عادت نہ تھی۔ بسا اوقات ایسا ہوتا تھا کہ سیر میں جاتے ہوئے آپ کسی خادم کا ذکر غائب کے صیغہ میں فرماتے تھے حالانکہ وہ آپ کے ساتھ ساتھ جا رہا ہوتا تھا۔ اور پھر کسی کے جتلانے پر آپ کو پتہ چلتا تھا کہ وہ شخص آپ کے ساتھ ہے۔

(۴۰۴) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ مولوی شیر علی صاحب نے مجھ سے بیان کیا کہ ایک دفعہ حضرت صاحب مع چند خدام کے فوٹو کھچوانے لگے تو فوٹوگرافر آپ سے عرض کرتا تھا کہ حضور ذرا آنکھیں کھول کر رکھیں ورنہ تصویر اچھی نہیں آئے گی۔ اور آپ نے اسکے کہنے پر ایک دفعہ تکلف کے ساتھ آنکھوں کو کچھ زیادہ کھولا بھی مگر وہ پھر اسی طرح نیم بند ہو گئیں۔

(۴۰۵) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ مولوی شیر علی صاحب نے مجھ سے بیان کیا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرمایا کرتے تھے کہ انسان کی فطرت میں اللہ تعالیٰ نے گناہوں پر غالب آنے کا مادہ رکھدیا ہے۔ پس خواہ انسان اپنی بد اعمالیوں سے کیسا ہی گندہ ہو گیا ہو وہ جب بھی نیکی کی طرف مائل ہونا چاہے گا۔ اس کی نیک فطرت اسکے گناہوں پر غالب آجائیگی اور اس کی مثال اس طرح پر سمجھایا کرتے تھے کہ جیسے پانی کے اندر یہ طبعی خاصہ ہے کہ وہ آگ کو بجھاتا ہی پس خواہ پانی خود کتنا بھی گرم ہو جاوے حتی کہ وہ جلانے میں آگ کی طرح ہو جاوے لیکن پھر بھی

آگ کو ٹھنڈا کر دینے کی خاصیت اسکے اندر قائم رہے گی۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ یہ ایک نہایت ہی لطیف نکتہ ہے جسے نہ سمجھنے کی وجہ سے عیسائی اور ہندو مذہب تباہ ہو گئے اور لاکھوں مسلمان کہلانے والے انسان بھی مایوسی کا شکار ہو گئے؛

(۴۰۶) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ مولوی شیر علی صاحب نے مجھ سے بیان کیا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زبان مبارک پر بعض فقرے کثرت کے ساتھ رہتے تھے مثلاً آپ اپنی گفتگو میں اکثر فرمایا کرتے تھے دست در کار دل با یار۔ خدا داری چہ غم داری۔ الاعمال بالنیات۔ انا عند ظن عبدی، آنچناں شیتل زوند کہ آئینہ نماند۔ گر حفظ مراتب نہ کنی زندیقی۔ مالا یدرك كله لا یترك كله الطریقة كلها ادب ادب تاجیست از لطف الٰہی۔ بنہ بر سر برو ہر جا کہ خواہی؛

(۴۰۷) بسم اللہ الرحمٰن۔ مولوی شیر علی صاحب نے مجھ سے بیان کیا کہ حضرت صاحب فرمایا کرتے تھے کہ ہماری جماعت کے آدمیوں کو چاہیئے کہ کم از کم تین دفعہ ہماری کتابوں کا مطالعہ کریں اور فرماتے تھے کہ جو ہماری کتب کا مطالعہ نہیں کرتا۔ اسکے ایمان کے متعلق مجھے شبہ ہے؛

(۴۰۸) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ ڈاکٹر میر محمد اسمٰعیل صاحب نے مجھ سے بیان کیا کہ ایک دفعہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ میں ایک بچہ نے گھر میں ایک چھپکلی ماری اور پھر اسے مذاقاً مولوی عبدالکریم صاحب مرحوم کی چھوٹی اہلیہ پر پھینک دیا جس پر ان کے ڈر کے مارے چیخیں نکل گئیں اور چونکہ مسجد کا قرب تھا ان کی آواز مسجد میں بھی سنائی دی۔ مولوی عبدالکریم صاحب جب گھر آئے تو انہوں نے غیرت کے جوش میں اپنی بیوی کو بہت کچھ سخت سست کہا حتیٰ کہ ان کی یہ غصہ کی آواز حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے نیچے اپنے مکان میں بھی سن لی۔ چنانچہ اس واقعہ کے متعلق اسی شب حضرت صاحب کو یہ الہام ہوا کہ یہ طریق اچھا نہیں۔ اس سے روک دیا جائے مسلمانوں کے لیڈر عبدالکریم کو؛ لطیفہ یہ ہوا کہ صبح مولوی صاحب مرحوم تو اپنی اس بات پر شرمندہ تھے۔ اور لوگ انہیں مبارکبادیں دے رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کا نام مسلمانوں کا لیڈر رکھا ہے؛

(۴۰۹) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ مولوی شیر علی صاحب نے مجھ سے بیان کیا کہ جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام ایک شہادت کے لئے ملتان تشریف لے گئے تو رستہ میں

لاہور بھی اترے اور وہاں جب آپ کو یہ علم ہوا کہ مفتی محمد صادق صاحب بیمار ہیں تو آپ ان کی عیادت کے لئے ان کے مکان پر تشریف لے گئے اور ان کو دیکھکر حدیث کے یہ الفاظ فرمائے کہ لاباس طھورًا انشاء اللہ یعنی کوئی فکر کی بات نہیں انشاء اللہ خیر ہو جائے گی۔ اور پھر آپ نے مفتی صاحب سے یہ بھی فرمایا کہ بیمار کی دعا زیادہ قبول ہوتی ہے۔ آپ ہمارے لئے دعا کریں خاکسار عرض کرتا ہے کہ ملتان کا یہ سفر حضرت صاحب نے ۱۸۹۷ء میں کیا تھا۔

(۱۴۰) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ حضرت صاحب فرمایا کرتے تھے کہ ہمیں خوب تیرنا آتا ہے اور فرماتے تھے کہ میں ایک دفعہ اوائل عمر میں ڈھاب کے اندر ڈوبنے لگا تھا اور ایک بوڑھے عمر سیدہ آدمی نے مجھے پانی سے نکالا تھا۔ وہ شخص کوئی اجنبی آدمی تھا جسے مینے اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا اور نہ بعد میں دیکھا۔ نیز خاکسار عرض کرتا ہے کہ ایک دفعہ گھر کے بچوں نے چندہ جمع کر کے قادیان کی ڈھاب کے لئے ایک کشتی جہلم سے منگوائی تھی اور حضرت صاحب نے بھی اس چندہ میں ایک رقم عنایت کی تھی۔

(۱۴۱) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ حضرت والدہ صاحبہ نے مجھ سے بیان کیا کہ ایک ابتدائی زمانہ میں احباب کے جمع ہونے کی وجہ سے ایک جلسہ کی سی صورت ہو گئی اور لوگوں نے خواہش کی کہ حضرت صاحب کچھ تقریر فرمائیں۔ جب آپ تقریر کے لئے باہر تشریف لے جانے لگے تو فرمانے لگے کہ مجھے تو تقریر کرنی نہیں آتی۔ میں جا کر کیا کہوں۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ حضرت موسیٰ نے جو یہ کہا تھا کہ کانطق لسانی اسکا بھی یہی مطلب تھا کہ میں تقریر کرنا نہیں جانتا۔ مگر خدا جسکو کسی منصب پر کھڑا کرتا ہے اسکو اسکا اہل پاکر ایسا کرتا ہے اور اگر اس میں کوئی کمی بھی ہوتی ہے تو اسے خود پورا فرما دیتا ہے۔ چنانچہ جب موسیٰ علیہ السلام فرعون کے دربار میں پہنچے تو آپ کی زبان ایسی چلی کہ حضرت ہارون جنکو وہ اپنی جگہ منصب نبوت کے لئے پیش کر رہے تھے گویا بالکل ہی پس پشت ہو گئے۔ اسی طرح حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو خدا نے وہ تقریر کی طاقت دی کہ دنیا داروں نے آپ کی سحر بیانی کو دیکھکر یہ کہنا شروع کر دیا کہ اس شخص کی زبان میں جادو ہے۔

(۱۴۲) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ پیر سراج الحق صاحب نے اپنی کتاب تذکرۃ المہدی حصہ دوم میں لکھا ہے کہ قادیان کے پاس کے گاؤں کا ایک سکھ جاٹ جو عرصہ ہوا فوت ہو گیا ہے اور وہ

بہت معمر آدمی تھا مجھ سے بیان کرتا تھا کہ میں مرزا صاحب (یعنی حضرت صاحب) سے بیس سال بڑا ہوں اور بڑے مرزا صاحب (یعنے حضرت صاحب کے والد صاحب) کے پاس میرا بہت آنا جانا رہتا تھا میرے سامنے کئی دفعہ ایسا ہوا کہ کوئی بڑا افسر یا رئیس بڑے مرزا صاحب سے ملنے کے لئے آتا تھا تو باتوں باتوں میں ان سے پوچھتا تھا کہ مرزا صاحب! آپ کے بڑے لڑکے (یعنی مرزا غلام قادر) کے ساتھ تو ملاقات ہوتی رہتی ہے۔ لیکن آپ کے چھوٹے بیٹے کو کبھی نہیں دیکھا۔ وہ جواب دیتے تھے کہ ہاں میرا ایک چھوٹا لڑکا بھی ہے لیکن وہ تو الگ ہی رہتا ہے۔ اور لڑکیوں کی طرح شرم کرتا ہے اور شرم کی وجہ سے کسی سے ملاقات نہیں کرتا۔ پھر وہ کسی کو بھیجکر مرزا صاحب (یعنے حضرت مسیح موعود) کو بلواتے تھے۔ مرزا صاحب آنکھیں نیچے کئے ہوئے آتے اور اپنے والد سے کچھ فاصلہ پر سلام کر کے بیٹھ جاتے۔ بڑے مرزا صاحب ہنستے ہوئے فرماتے کہ لو اب تو آپ نے اس دلہن کو دیکھ لیا ہے؟ اور پیر صاحب نے لکھا ہے کہ وہی سکھ جاٹ ایک دفعہ قادیان آیا۔ جس وقت ہم بہت سے آدمی گول کمرے میں کھانا کھا رہے تھے۔ اسنے پوچھا کہ مرزا جی کہاں ہیں؟ ہمنے کہا اندر ہیں اور چونکہ اسوقت آپ کے باہر تشریف لانے کا وقت نہیں ہے اسلئے ہم بلا بھی نہیں سکتے کیونکہ آپ کام میں مشغول ہونگے۔ جب وہ تشریف لائینگے مل لینا۔ اسپر اسنے خود ہی بیدھڑک آواز دیدی کہ مرزا جی خدا باہر آؤ۔ حضرت اقدس برہنہ سر اسکی آواز سُنکر باہر تشریف لے آئے اور اسے دیکھ کر مسکراتے ہوئے فرمایا سردار صاحب اچھے ہو۔ خوش ہو۔ بہت دنوں کے بعد ملے۔ اسنے کہا ہاں میں خوش ہوں مگر بڑھاپے نے ستا رکھا ہے۔ چلنا پھرنا بھی دشوار ہے۔ پھر زمینداری کے کام سے فرصت کم ملتی ہے۔ مرزا جی آپ کو وہ پہلی باتیں بھی یاد ہیں۔ بڑے مرزا صاحب کہا کرتے تھے کہ میرا یہ بیٹا مسیتڑ ہے۔ نہ نوکری کرتا ہے نہ کماتا ہے اور پھر وہ آپ کو ہنسکر کہتے تھے کہ چلو تمہیں کسی مسجد میں ملا کروا دیتا ہوں۔ دس من دانے تو گھر میں کھانے کو آجایا کریں گے۔ پھر آپ کو وہ بھی یاد ہے کہ بڑے مرزا صاحب مجھے بھیجکر آپ کو اپنے پاس بلا بھیجتے تھے اور آپ کو بڑے افسوس کی نگاہ سے دیکھتے تھے کہ افسوس میرا یہ لڑکا دنیا کی ترقی سے محروم رہا جاتا ہے۔ آج وہ زندہ ہوتے تو یہ چہل پہل دیکھتے کہ کس طرح ان کا وہی مسیتڑ لڑکا بادشاہ بنا بیٹھا ہے اور بڑے بڑے لوگ دُور دور سے آکر اسکے در کی غلامی کرتے ہیں۔ حضرت اقدس اس کی ان باتوں کو سُنکر مسکراتے جاتے تھے۔ اور ہم

آخر میں آپ نے فرمایا۔ ہاں مجھے یہ ساری باتیں یاد ہیں۔ یہ سب اللہ کا فضل ہے ہمارا اس میں کوئی دخل نہیں ہے اور پھر بڑی محبت سے اسے فرمایا کہ ٹھہرو میں تمہارے لئے کھانے کا انتظام کرتا ہوں اور یہ کہکر آپ اندر مکان میں تشریف لے گئے۔ پیر صاحب لکھتے ہیں کہ پھر وہ بڈھا سکھ جاٹ میرے ساتھ باتوں میں مصروف ہوگیا اور کہنے لگا کہ بڑے مرزا صاحب کہا کرتے تھے کہ میرا یہ لڑکا ملاّں ہی رہے گا۔ اور مجھے فکر ہے کہ میرے بعد یہ کس طرح زندگی بسر کرے گا ہے تو وہ نیک مگر اب زمانہ ایسا نہیں چالاک آدمیوں کا زمانہ ہے۔ پھر بعض اوقات آب دیدہ ہوکر کہتے تھے کہ غلام احمد نیک اور پاک ہے۔ جو حال اسکا ہے وہ ہمارا کہاں ہے۔ پیر صاحب کہتے ہیں کہ یہ باتیں سُناتے ہوئے وہ سکھ خود بھی چشم پرآب ہوگیا اور کہنے لگا آج مرزا غلام مرتضیٰ زندہ ہوتا تو کیا نظارہ دیکھتا۔"

(۴۱۳) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ پیر سراج الحق صاحب نے اپنی کتاب "تذکرۃ المہدی" میں لکھا ہے کہ ایک دفعہ ایک میمن سیٹھ بمبئی کا قادیان آیا اور پانچسو روپیہ حضرت صاحب کے لئے نذرانہ لایا اور راستے ہی مجھ سے کہا کہ میں حضرت صاحب کی زیارت کے لئے آیا ہوں اور ابھی واپس چلا جاؤں گا مجھے زیادہ فرصت نہیں۔ ابھی اندر اطلاع کردیں تا کہ میں ملاقات کرکے واپس چلا جاؤں۔ مینے حضرت صاحب کی خدمت میں رقعہ لکھا اور سارا حال اس شخص کا لکھدیا۔ حضرت صاحب نے جواب میں تحریر فرمایا کہ ان کو کہدیں کہ اسوقت میں ایک دینی کام میں مصروف ہوں۔ ظہر کی نماز کے وقت انشاء اللہ ملاقات ہوگی۔ اس سیٹھ نے کہا کہ مجھے اتنی فرصت نہیں کہ میں ظہر تک ٹھہروں۔ مینے پھر لکھا کہ وہ یوں کہتا ہے۔ مگر حضرت صاحب نے کوئی جواب نہ دیا اور وہ واپس چلا گیا۔ ظہر کے وقت جب آپ باہر تشریف لائے تو بعد نماز ایک شخص نے عرض کیا کہ ایک میمن سیٹھ حضور کی زیارت کے لئے آیا تھا اور پانچ صد روپیہ نذرانہ بھی پیش کرنا چاہتا تھا حضرت صاحب نے فرمایا ہمیں اسکے روپے سے کیا غرض؟ جب اسے فرصت نہیں تو ہمیں کب فرصت ہے۔ جب اسے خدا کی غرض نہیں تو ہمیں دنیا کی کیا غرض ہے؟ خاکسار عرض کرتا ہے کہ انبیاء جہاں ایک طرف شفقت اور توجہ کے اعلیٰ مقام پر فائز ہوتے ہیں تو ہاں صفت استغناء میں بھی وہ خدا کے ظل کامل ہوتے ہیں اور بااوقات ان لوگوں کو اپنی فراست فطری سے یہ بھی پتہ لگ جاتا ہے کہ فلاں شخص قابل توجہ ہے یا نہیں۔

(۴۱۴) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ پیر سراج الحق صاحب نے تذکرۃ المہدی حصہ دوم میں

لکھا ہے کہ ایک دفعہ قادیان میں بہت سے دوست بیرونجات سے آئے ہوئے حضرت صاحب کی خدمت میں حاضر تھے اور منجملہ ان کے حضرت خلیفہ اوّل اور مولوی عبدالکریم صاحب اور مولوی محمدؐ احسن صاحب اور منشی ظفر احمد صاحب اور محمدؐ خان صاحب اور منشی محمدؐ اروڑا صاحب اور مولوی عبدالقادر صاحب اور خواجہ کمال الدین صاحب اور مولوی محمدؐ علی صاحب اور شیخ غلام احمدؐ صاحب اور ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب وغیرہم بھی تھے۔ مجلس میں اس بات کا ذکر شروع ہوا کہ اولیاء کو مکاشفات میں بہت کچھ حالات منکشف ہو جاتے ہیں۔ اس پر حضرت اقدس تقریر فرماتے رہے اور پھر فرمایا کہ آج ہمیں دکھایا گیا ہے کہ ان حاضر الوقت لوگوں میں سے بعض ہم سے پیٹھ دیئے ہوئے بیٹھے ہیں اور ہم سے روگردان ہیں۔ یہ بات سُنکر سب لوگ ڈر گئے اور استغفار پڑھنے لگ گئے۔ اور جب حضرت صاحب اندر تشریف لے گئے تو سید فضل شاہ صاحب بہت گھبرائے ہوئے اُٹھے اور ان کا چہرہ فق تھا اور انھوں نے جلدی سے آپ کے دروازہ کی زنجیر ہلائی۔ حضرت صاحب واپس تشریف لائے اور دروازہ کھول کر مسکراتے ہوئے پوچھا شاہ صاحب! کیا بات ہے؟ شاہ صاحب نے عرض کیا کہ میں حضور کو حلف تو نہیں دے سکتا کہ ادب کی جگہ ہے اور نہ میں اوروں کا حال دریافت کرتا ہوں۔ صرف مجھے میرا حال بتا دیجئے کہ میں تو روگردان لوگوں میں سے نہیں ہوں؟ حضرت صاحب بہت ہنسے اور فرمایا نہیں۔ شاہ صاحب آپ ان میں سے نہیں ہیں اور پھر ہنستے ہنستے دروازہ بند کر لیا اور شاہ صاحب کی جان میں جان آئی۔

(۱۵۴) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ مولوی شیر علی صاحب نے مجھ سے بیان کیا کہ میری اہلیہ مجھ سے کہتی تھیں کہ ایک دفعہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ میں قادیان میں نماز استسقاء پڑھی گئی تھی۔ یہ نماز عیدگاہ میں ہوئی تھی اور اسی دن شام سے قبل بادل آگئے تھے مولوی شیر علی صاحب نے بیان کیا کہ مجھے یہ نماز یاد نہیں بلکہ مجھے یہ یاد ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ میں یہ ایک عام احساس تھا کہ زیادہ دن تک لگاتار شدت کی گرمی نہیں پڑتی تھی اور بروقت بارشوں اور ٹھنڈی ہواؤں سے موسم عموماً اچھا رہتا تھا بلکہ مجھے یاد ہے کہ اسی زمانہ میں لوگ آپس میں یہ باتیں بھی کیا کرتے کہ اس زمانہ میں زیادہ دن تک لگاتار شدت

کی گرمی نہیں پڑتی اور جب بھی دو چار دن شدت کی گرمی پڑتی ہے تو خدا تعالیٰ کی طرف سے بارش وغیرہ کا انتظام ہو جاتا ہے۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ گو میں نے بعض دوسرے لوگوں سے بھی سنا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ میں نماز استسقا نہیں پڑھی گئی۔ لیکن اگر کبھی پڑھی بھی گئی ہو تو یہ دو باتیں آپس میں مخالف نہیں ہیں۔ کیونکہ یہ بالکل ممکن ہے کہ عام طور پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ میں یہی صورت رہی ہو کہ زیادہ دن تک لگاتار شدت کی گرمی نہ پڑتی ہو اور وقت کی بارشوں اور ٹھنڈی ہواؤں سے موسم عموماً اچھا رہتا ہو لیکن کبھی کسی سال نسبتاً زیادہ گرمی پڑنے اور نسبتاً زیادہ عرصہ بارش کے رُکے رہنے سے نماز استسقا کی ضرورت بھی سمجھی گئی ہو۔ پس عام طور پر موسم کے اچھا رہنے کا احساس اور کبھی ایک آدھ دفعہ نماز استسقا کا پڑھا جانا ہرگز آپس میں ایک دوسرے کے مخالف نہیں ہیں۔ اور یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ جس زمانہ میں عموماً موسم عمدہ رہتا ہو اس زمانہ میں بوجہ اچھے موسم کی عادت ہو جانے کے موسم کا تھوڑا بہت اونچ نیچ بھی لوگوں کے لئے تکلیف کا موجب ہو جاتا ہے اور وہ موسم کی خرابی کی شکایت کرنے لگ جاتے ہیں۔ پس اگر کبھی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ میں نماز استسقا پڑھی گئی تھی تو وہ بھی غالباً کسی ایسی ہی احساسی شکائت کے ماتحت پڑھی گئی ہوگی یعنے بوجہ عموماً اچھے موسم کے عادی ہو جانے کے لوگوں نے موسم کے تھوڑے بہت اونچ نیچ پر ہی نماز استسقا کے پڑھے جانے کی ضرورت محسوس کر لی ہوگی۔ علاوہ ازیں یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ یہ جو کہا جاتا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ میں لوگوں کے اندر قادیان میں یہ ایک عام احساس تھا کہ زیادہ شدت کی گرمی نہیں پڑتی اور جب بھی چند دن لگاتار گرمی کی شکایت پیدا ہوتی ہے تو خدا کے فضل سے ایسا انتظام ہو جاتا ہے کہ بارشوں یا بادلوں یا ٹھنڈی ہواؤں سے موسم اچھا ہو جاتا ہے یہ ایک صرف نسبتی امر ہے اور اس سے یہ مراد نہیں ہے کہ گویا حضرت مسیح موعود علیہ السلام ... زمانہ میں خدا کا قانون قدرت بدل گیا تھا اور گرمیوں کا موسم سرما میں تبدیل ہو گیا تھا بلکہ صرف یہ مراد ہے کہ خدا کا کوئی ایسا فضل تھا کہ لگاتار شدت کی گرمی نہیں پڑتی تھی اور بروقت بارشوں اور بادلوں اور ٹھنڈی ہواؤں سے عموماً موسم اچھا رہتا تھا ورنہ ویسے تو گرما گرما ہی تھا اور سرما سرما ہی۔ اور یہ بات عام قانون نیچر کے خلاف

نہیں ہے کیونکہ علم جغرافیہ اور نیز تجربہ اور مشاہدہ سے یہ بات ثابت ہے کہ بارشوں اور خنک ہواؤں کے زمانہ میں ایک حد تک اتار چڑھاؤ ہوتا رہتا ہے اور ہر زمانہ میں بالکل ایک ساحال نہیں رہتا بلکہ کبھی بارشوں اور خنک ہواؤں کی قلت اور گرمی کی شدت ہو جاتی ہے اور کبھی بروقت بارشوں اور بادلوں اور خنک ہواؤں سے موسم میں زیادہ گرمی پیدا نہیں ہوتی چنانچہ گورنمنٹ کے محکمہ آب وہوا کے مشاہدات بھی اسی پر شاہد ہیں پس اگر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ میں خدا کی طرف سے ایسے سامان جمع ہو گئے ہوں کہ جن کے نتیجے میں موسم عموماً اچھا رہتا ہو تو یہ کوئی تعجب انگیز بات نہیں اور نہ اس میں کوئی خارق عادت امر ہے۔ واللہ اعلم۔ دراصل خدا تعالیٰ اپنے پاک بندوں کی دو طرح نصرت فرماتا ہے۔ اوّل تو یہ کہ بسا اوقات وہ اپنی تقدیر عام یعنے عام قانون قدرت کے ماتحت ایسے سامان جمع کر دیتا ہے جو ان کے لئے نصرت واعانت کا موجب ہوتے ہیں اور گو زیادہ بصیرت رکھنے والے لوگ اس قسم کے امور میں بھی خدائی قدرت نمائی کا جلوہ دیکھتے ہیں لیکن عامۃ الناس کے نزدیک ایسے امور کوئی خارق عادت رنگ نہیں رکھتے۔ کیونکہ معروف قانون قدرت کے ماتحت ان کی تشریح کی جا سکتی ہے۔ دوسری صورت خدائی نصرت کی تقدیر خاص کے ماتحت ہوتی ہے جس میں تقدیر عام یعنے معروف قانون قدرت کا دخل نہیں ہوتا اور یہی وہ صورت ہے جو عرف عام میں خارق عادت یا معجزہ کہلاتی ہے اور گو اس میں بھی ایک حد تک سنت اللہ کے مطابق اخفا کا پردہ ہوتا ہے لیکن ہر عقلمند شخص جسے تعصب نے اندھا نہ کر رکھا ہو اسکے اندر صاف طور پر خدا کی قدرتِ خاص کا نظارہ دیکھتا ہے۔ پس اگر خدا تعالےٰ نے قسم اوّل کے مطابق حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ میں اپنے عام قانون قدرت کے ماتحت ایسے سامان جمع کر دیئے ہوں کہ جن کے نتیجے میں موسم عموماً اچھا رہتا ہو اور بادل اور بارشیں اور خنک ہوائیں بروقت وقوع میں آ کر زیادہ دن تک لگاتار گرمی کی شدت نہ پیدا ہونے دیتی ہوں تو یہ کوئی تعجب انگیز بات نہیں۔ آخر جہاں خدا نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے کام کو آسان کرنے کے لئے اپنی عام قدرت کے ماتحت ڈاک اور تار اور ریل اور دخانی جہاز اور مطبع وغیرہ کی سہولتیں پیدا کر دیں اور دوسری طرف اپنی تقدیر خاص کے ماتحت ہزاروں خارق عادت نشان ظاہر فرمائے وہاں اگر اس خیال کو مدنظر رکھتے ہوئے کہ آپ نے خصوصیت

کے ساتھ تصنیف کا کام کرتا ہے جو عموماً اچھے موسم کو چاہتا ہے۔ اگر خدا تعالیٰ نے اپنی عام تقدیر کے ماتحت ایسے سامان جمع کر دیئے ہوں کہ جن کے نتیجے میں موسم میں عموماً زیادہ شدت کی گرمی نہ پیدا ہوتی ہو تو کسی عقل مند مومن کے نزدیک جائے اعتراض نہیں ہو سکتا۔ باقی رہا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ میں کبھی ایک آدھ دفعہ نماز استسقا کا پڑھا جانا سو اس سے بھی جیسا کہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے کوئی حرج واقع نہیں ہوتا واللہ اعلم۔

(۴۱۶) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ مولوی شیر علی صاحب نے مجھ سے بیان کیا کہ ایک دفعہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام بیان فرماتے تھے کہ یہ بھی خدا تعالیٰ کا ایک فضل ہے کہ اس نے ہمیں ایسے زمانہ میں مبعوث فرمایا ہے کہ رمضان کا مہینہ سردیوں میں آتا ہے اور روزے زیادہ جسمانی تکلیف کا موجب نہیں ہوتے اور ہم آسانی کے ساتھ رمضان میں بھی کام کر سکتے ہیں۔ مولوی صاحب کہتے تھے کہ ان دنوں میں رمضان دسمبر میں آیا تھا۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ میں نے اس زمانہ کی جنتری کو دیکھا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے مسیحیت کا دعویٰ ۱۸۹۱ء میں فرمایا تھا اور سنہ ۱۸۹۱ء میں رمضان کا مہینہ ۱۱۔ اپریل کو شروع ہوا تھا گویا یہ رمضان کے مہینہ کے لئے موسم سرما میں داخل ہونے کی ابتداء تھی۔ چنانچہ سنہ ۱۸۹۲ء میں رمضان کے مہینہ کی ابتداء ۳۱ مارچ کو ہوئی اور سنہ ۱۸۹۳ء میں ۲۰ مارچ کو ہوئی اور اسکے بعد رمضان کا مہینہ ہر سال زیادہ سردیوں کے دنوں میں آتا گیا اور جب سنہ ۱۹۰۸ء میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا وصال ہوا تو اس سال رمضان کے مہینہ کی ابتداء یکم اکتوبر کو ہوئی تھی۔ اس طرح گویا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بعثت کا زمانہ تمام کا تمام ایسی حالت میں گذرا کہ رمضان کے روزے سردی کے موسم میں آتے رہے اور یہ خدا تعالیٰ کا ایک فضل تھا جو اسکی تقدیر عام کے ماتحت وقوع میں آیا اور جسے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی نکتہ شناس طبیعت نے خدا کا ایک احسان سمجھ کر اپنے اندر شکر گذاری کے جذبات پیدا کئے۔

(۴۱۷) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ جب ۲۶ مارچ سنہ ۱۸۹۱ء کو حضرت صاحب نے اپنے دعویٰ مسیحیت کا اعلانی اشتہار شائع کیا تو اسوقت آپ لدھیانہ میں مقیم تھے اور کئی ماہ تک وہیں مقیم رہے۔ اس جگہ ۲۰ جولائی سنہ ۱۸۹۱ء سے لیکر ۲۹ جولائی سنہ ۱۸۹۱ء تک آپ کا اور مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کا مباحثہ ہوا جس کی سرگذشت رسالہ الحق لدھیانہ میں

شائع ہو چکی ہے۔ شروع اگست میں آپ لدھیانہ سے چند دن کے لئے امرتسر تشریف لائے اور پھر واپس لدھیانہ تشریف لے گئے۔ امرتسر آنیکی یہ وجہ ہوئی کہ لدھیانہ میں مخالفت کا بہت زور ہو گیا تھا اور لوگوں کے طبائع میں ایک ہیجان کی حالت پیدا ہو گئی تھی۔ کیونکہ مولوی محمد حسین نے مباحثہ میں اپنی کمزوری کو محسوس کر کے لوگوں کو بہت اشتعال دلانا شروع کر دیا اور فساد کا اندیشہ تھا جس پر لدھیانہ کے ڈپٹی کمشنر نے مولوی محمد حسین کو یہ حکم دیا تھا کہ وہ لدھیانہ سے چلا جاوے اس حکم کی اطلاع جب حضرت صاحب کو پہنچی تو بعض دوستوں نے مشورہ دیا کہ چونکہ یہ امکان ہے کہ آپ کے متعلق بھی ایسا حکم جاری کیا گیا ہو یا جاری کر دیا جائے اسلئے احتیاطاً لدھیانہ سے چلے جانا چاہئیے چنانچہ آپ امرتسر تشریف لے آئے اور ایک چٹھی ڈپٹی کمشنر کے نام لکھی جس کے جواب میں ڈپٹی کمشنر کی چٹھی آئی کہ آپ کے متعلق کوئی ایسا حکم نہیں دیا گیا کہ آپ لدھیانہ سے چلے جاویں۔ بلکہ آپ کو بمتابعت و مواظبت قانون سرکاری لدھیانہ میں ٹھہرنے کے لئے وہی حقوق حاصل ہیں جیسے دیگر رعایا تابع قانون سرکار انگریزی کو حاصل ہیں۔ المرقوم ۱۶۔ اگست ۱۸۹۱ء اسکے بعد آپ پھر لدھیانہ تشریف لے گئے اور ایک عرصہ تک وہاں مقیم رہے اور پھر قادیان تشریف لے آئے اسکے کچھ عرصہ بعد آپ پھر لدھیانہ گئے اور وہاں سے دہلی تشریف لے گئے۔ دہلی چونکہ ان دنوں میں تمام ہندوستان کا علمی مرکز سمجھا جاتا تھا اسلئے آپ کو خیال تھا کہ وہاں اتمام حجت کا اچھا موقعہ ملیگا اور مخالفین نے بھی وہاں مخالفت کا پورا زور ظاہر کر رکھا تھا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے وہاں جا کر ۲۔ اکتوبر ۱۸۹۱ء کو ایک اشتہار شائع کیا جس میں دہلی والوں کو اپنے دعویٰ کی طرف دعوت دی اور اس اشتہار میں مولوی سید نذیر حسین صاحب محدث دہلوی اور مولوی ابو محمد عبد الحق صاحب کو مباحثہ کے لئے بھی بلایا تاکہ لوگوں پر حق کھل جاوے اور اپنی طرف سے مباحثہ کے لئے تین شرطیں بھی پیش کیں۔ اسکے بعد آپ نے ۶۔ اکتوبر کو ایک اور اشتہار دیا اور اس میں دہلی والوں کے افسوسناک رویہ کا اظہار کیا اور یہ بھی لکھا کہ چونکہ مولوی عبد الحق صاحب نے ہم سے بیان کیا ہے کہ میں ایک گوشہ گزین آدمی ہوں اور اس قسم کے جلسوں کو جن میں عوام کے نفاق و شقاق کا اندیشہ ہو پسند نہیں کرتا اور نہ حکام کی طرف سے حفظ امن کا انتظام کروا سکتا ہوں اسلئے اب ہم ان سے مخاطب نہیں ہوتے بلکہ مولوی سید نذیر حسین صاحب محدث دہلوی اور مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کو

دعوت دیتے ہیں کہ وہ ہم سے بپابندی شرائط مباحثہ کرلیں اس اشتہار کے بعد مولوی محمد حسین بٹالوی اور مولوی سید نذیر حسین صاحب نے خفیہ خفیہ مباحثہ کی تیاری کرلی اور پھر خود بخود لوگوں میں مشہور کر دیا کہ فلاں وقت اور فلاں روز فلاں جگہ مباحثہ ہوگا اور عین وقت پر حضرت صاحب کے پاس آدمی بھیجا کہ مباحثہ کے لئے تشریف لے چلئے حضرت صاحب نے جواب دیا کہ یہ کہاں کی دیانتداری ہے کہ خود بخود یکطرفہ طور پر بغیر فریق ثانی کی منظوری اور اطلاع کے اور بغیر شرائط کے تصفیہ پانے کے مباحثہ کا اعلان کر دیا گیا ہے اور مجھے عین وقت پر اطلاع دی گئی ہے۔ اور مجھے تو اس صورت میں بھی انکار نہ ہوتا اور میں مباحثہ کے لئے چلا جاتا مگر آپ کے شہر میں مخالفت کا یہ حال ہے کہ سینکڑوں آوارہ گرد بدمعاش میرے مکان کے اردگرد شرارت کی نیت سے جمع رہتے ہیں اور ذمہ دار لوگ انہیں نہیں روکتے بلکہ اشتعال انگیز الفاظ کہہ کہہ کر اُلٹا جوش دلاتے ہیں۔ پس جب تک میں اپنے پیچھے اپنے مکان اور اہل وعیال کی حفاظت کا انتظام نہ کرلوں میں نہیں جاسکتا اور علاوہ ازیں ابھی تک جائے مباحثہ اور رستہ میں بھی حفظ امن کا کوئی انتظام نہیں ہے۔ حضرت صاحب کے اس جواب پر جو سراسر معقول اور شریفانہ تھا دہلی والوں نے ایک طوفان بے تمیزی برپا کر دیا اور شور کرنا شروع کیا کہ مرزا مباحثہ سے بھاگ گیا ہے اور شہر میں ایک خطرناک شور مخالفت کا پیدا ہوگیا اور جدھر جاؤ بس یہی چرچا تھا اور ہزاروں مفسد فتنہ پرداز لوگ حضرت صاحب کی مکان پر آآ کر گلی میں شور و پکار کرتے رہتے تھے اور طرح طرح کی بدزبانی اور گالی گلوچ اور لعن و تشنیع اور تمسخر و استہزاء سے کام لیتے تھے اور بعض شریر حملہ کر کے مکان کے اندر گھس آتے اور اپنے شور و غوغا سے آسمان سر پر اُٹھا لیتے تھے۔ اس حالت کو دیکھ کر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ۱۷ اکتوبر ۱۸۹۱ء کو ایک اشتہار شائع فرمایا جس کے اندر تمام حالات اور گذشتہ سرگذشت درج کی اور بالآخر لکھا کہ اب میں نے حفظ امن کا انتظام کرلیا ہے اور جس تاریخ کو مولوی سید نذیر حسین پسند کریں میں ان کے ساتھ مباحثہ کرنے کے لئے حاضر ہو جاؤں گا اور جو فریق اس مباحثہ سے تخلف کرے اس پر خدا کی لعنت ہو۔ اور آپ نے بڑے غیرت دلانے والے الفاظ استعمال کر کے مولوی نذیر حسین کو مناظرہ کے لئے اُبھارا۔ چنانچہ یہ فیصلہ ہوا کہ ۲۰۔ اکتوبر ۱۸۹۱ء کو فریقین جامع مسجد دہلی میں جمع ہو کر مسئلہ حیات ممات مسیح ناصری میں بحث کریں اور یا حضرت

مسیح موعود علیہ السلام کے دلائل سنکر مولوی سید نذیر حسین صاحب مجمع عام میں خدا کی قسم کھا جائیں کہ یہ دلائل غلط ہیں اور قرآن شریف اور حدیث صحیح مرفوع متصل کی رو سے مسیح ناصری زندہ بجسم عنصری آسمان پر موجود ہیں اور اسی جسم کے ساتھ زمین پر نازل ہونگے اور پھر اگر ایک سال کے عرصہ کے اندر اندر مولوی صاحب پر خدا کا کھلا کھلا عذاب نازل نہ ہو تو حضرت صاحب اپنے دعویٰ میں جھوٹے سمجھے جاویں۔ چنانچہ ۲۰۔ اکتوبر ۱۸۹۱ء کو ہزارہا لوگ جامع مسجد میں جمع ہو گئے۔ اور شہر میں ایک خطرناک جوش پیدا ہو گیا۔ بعض خدام نے حضرت صاحب کی خدمت میں عرض کی کہ حضور لوگوں کی طبائع میں خطرناک اشتعال ہے اور امن شکنی کا سخت اندیشہ ہے بہتر ہے کہ حضور تشریف نہ لے جائیں۔ کیونکہ لوگوں کی نیت بخیر نہیں ہے۔ حضرت صاحب نے فرمایا کہ اب تو ہم کسی صورت میں بھی رُک نہیں سکتے۔ کیونکہ ہم نے خود دعوت دی ہے اور پیچھے رہنے والے پر لعنت بھیجی ہے۔ پس خواہ کیسی بھی خطرناک حالت ہے ہم خدا کے فضل اور اس کی حفاظت پر بھروسہ کرکے ضرور جائینگے۔ چنانچہ آپ نے بعض دوستوں کو مکان پر حفاظت کے لئے مقرر فرمایا اور روانہ ہو گئے۔ اس وقت بارہ آدمی آپ کے ساتھ تھے اور آپ ان کے ساتھ گاڑیوں میں بیٹھ کر روانہ ہوئے۔ جب آپ مسجد میں پہنچے تو ہزارہا لوگوں کا مجمع تھا اور ایک عجیب طوفان بے تمیزی کا نظارہ تھا۔ آپ اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ لوگوں کے اس متلاطم سمندر میں سے گذرتے ہوئے مسجد کی محراب میں پہنچے۔ اسوقت لوگ عجیب غیظ و غضب کی حالت میں آپ کی طرف دیکھ رہے تھے اور ان کی آنکھوں سے خون ٹپکتا تھا اور اگر پولیس کا انتظام نہ ہوتا تو وہ ضرور کوئی حرکت کر گذرتے مگر پولیس کے افسر نے جو ایک یورپین تھا نہایت محنت اور کوشش کے ساتھ انتظام کو قائم رکھا اور کوئی عملی فساد کی صورت نہ پیدا ہونے دی۔ تھوڑی دیر کے بعد مولوی سید نذیر حسین صاحب مع اپنے شاگرد مولوی محمد حسین بٹالوی اور مولوی عبدالمجید وغیرہ کے پہنچ گئے اور ان کے ساتھیوں نے ان کو مسجد کے ساتھ ایک دالان میں بٹھا دیا۔ اتنے میں چونکہ عصر کی نماز کا وقت ہو گیا تھا۔ نماز شروع ہوئی لیکن چونکہ حضرت صاحب اور آپ کے ساتھی گھر پر نماز جمع کر کے آئے تھے اسلئے آپ نماز میں شامل نہیں ہوئے۔ نماز کے بعد لوگوں نے شرائط کے متعلق گفتگو شروع کر دی اور کہا کہ مباحثہ حیات ممات مسیح ناصری کے مضمون پر

نہیں ہونا چاہئے بلکہ مرزا صاحب کے دعویٰ مسیحیت کے متعلق ہونا چاہئے۔اور ادھر سے ان کو یہ جواب دیا گیا ہے کہ مضمون کی طبعی ترتیب کو بگاڑنا اچھا نتیجہ نہیں پیدا کر سکتا۔جب کہ لوگوں کے دل میں یہ خیالات پختہ طور پر جمے ہوئے ہیں کہ حضرت عیسیٰ آسمان پر زندہ موجود ہیں اور وہی آخری زمانہ میں زمین پر نازل ہونگے تو جب تک یہ مسئلہ صاف نہ ہو لے کسی اور مسئلہ کو چھیڑنا یونہی وقت کو ضائع کرنا ہے جس مسند پر بیٹھنے کے حضرت مرزا صاحب مدعی بنتے ہیں جب لوگوں کے نزدیک وہ مسند خالی ہی نہیں ہے اور حضرت عیسیٰ اس پر رونق افروز ہیں تو حضرت مرزا صاحب کے دعوے مسیحیت پر بحث کرنا فضول ہے۔کیونکہ کوئی شخص مسیح ناصری کو زندہ مانتے ہوئے حضرت مرزا صاحب کے دعویٰ کی طرف توجہ نہیں کر سکتا۔پس حضرت مرزا صاحب کے دعویٰ مسیحیت پر تب بحث ہو سکتی ہے کہ جب پہلے اس مسند کا خالی ہونا ثابت کر لیا جاوے۔پولیس کا انگریز افسر جو اس موقعہ پر موجود تھا وہ اس بات کو خوب سمجھ گیا اور اس نے بھی لوگوں کو سمجھایا کہ جو بات مرزا صاحب کی طرف سے پیش کی جارہی ہے کہ پہلے مسیح ناصری کی حیات ممات کے مسئلہ پر بحث ہونی چاہئے وہی درست ہے مگر مولویوں نے نہ مانا اور ایک شور پیدا کر دیا۔اسکے بعد مولوی نذیر حسین صاحب کے قسم کھانے کے متعلق بحث ہوتی رہی مگر اس سے بھی دونوں نے حیل وحجت کر کے انکار کر دیا۔اس وقت لوگوں میں ایک عجیب اضطراب اور غیظ وغضب کی حالت تھی اور کوئی کچھ کہتا تھا اور کوئی کچھ اور کان پڑی آواز نہیں سنائی دیتی تھی۔ . . . .

. . . . . اس موقع پر علیگڈھ کے ایک رئیس اور آنریری مجسٹریٹ محمد یوسف صاحب نے حضرت صاحب کے پاس آکر کہا کہ لوگوں کے اندر یہ سخت شور ہے کہ آپ کا عقیدہ خلاف اسلام ہے۔ اگر یہ درست نہیں تو آپ اپنا عقیدہ لکھدیں تاکہ میں لوگوں کو بلند آواز سے سنا دوں۔حضرت صاحب نے فوراً لکھدیا کہ میں مسلمان ہوں اور آنحضرت صلعم کی رسالت پر ایمان لاتا ہوں اور شریعت قرآنی کو خدا کی آخری شریعت یقین کرتا ہوں اور مجھے کسی اسلامی عقیدہ سے انکار نہیں وغیر ذالک ہاں میرے نزدیک قرآن سے یہ بات ثابت ہے کہ مسیح ناصری جو بنی اسرائیل کی طرف رسول ہو کر آئے تھے فوت ہو چکے ہیں۔محمد یوسف صاحب نے بہت کوشش کی کہ حضرت صاحب کی اس تحریر کو بلند آواز سے سنادیں مگر مولویوں نے جن کی نیت میں فساد تھا سنانے نہ دیا اور لوگوں میں ایک شور پیدا ہو گیا

اور مولویوں کے بہکانے اور اشتعال دلانے سے وہ سخت غیظ و غضب میں بھر گئے۔ جب افسر پولیس نے یہ حالت دیکھی کہ لوگوں کی آنکھوں سے خون ٹپک رہا ہے اور وہ اپنے آپ سے باہر ہوئے جاتے ہیں تو اسنے اپنے ماتحت افسر کو حکم دیا کہ فوراً مجمع کو منتشر کر دیا جائے۔ جس پر اس پولیس افسر اور محمد یوسف صاحب آنریری مجسٹریٹ نے بلند آواز سے کہدیا کہ کوئی مباحثہ وغیرہ نہیں ہوگا سب صاحب چلے جاویں اور پولیس کے سپاہیوں نے لوگوں کو منتشر کرنا شروع کر دیا۔ اس وقت سب سے پہلے مولوی نذیر حسین صاحب اور ان کے شاگرد اور دوسرے مولوی رخصت ہوئے کیونکہ وہ دروازہ کے قریب بیٹھے تھے۔ پس انہوں نے موقع کو غنیمت جانا اور چلدئیے۔ جب زیادہ لوگ مسجد سے نکل گئے تو حضرت صاحب بھی اُٹھ کر باہر تشریف لائے اور بہت سے سپاہی اور پولیس افسر آپکے اردگرد تھے۔ جب آپ دروازہ شمالی پر آئے تو آپ کے خادموں نے اپنی گاڑیاں تلاش کیں کیونکہ ان کو آنے جانے کا کرایہ دینا کر کے ساتھ لائے تھے اور کرایہ پیشگی دیدیا گیا تھا۔ لیکن معلوم ہوا کہ لوگوں نے ان کے مالکوں کو بہکا کر روانہ کر دیا تھا اور دوسری بھی کوئی گاڑی یکہ ٹمٹم ٹانگہ پاس نہ آنے دیتے تھے۔ اس طرح حضرت صاحب کو قریبًا پندرہ منٹ دروازہ پر انتظار کرنا پڑا اور اس اثناء میں لوگوں کے گروہ در گروہ جو مسجد کے باہر کھڑے تھے بلوہ کر کے حضرت صاحب کی طرف آنے لگے۔ افسر پولیس ہوشیار تھا اسنے حضرت صاحب سے کہا کہ آپ فوراً میری گاڑی میں بیٹھ کر اپنے مکان کی طرف روانہ ہو جائیں۔ کیونکہ لوگوں کا ارادہ بد ہے۔ چنانچہ حضرت صاحب اور مولوی عبدالکریم صاحب دونوں اس گاڑی میں بیٹھ کر روانہ ہو گئے اور باقی لوگ بعد میں پیدل مکان پر پہنچے۔ اس موقعہ پر حضرت صاحب کے ساتھ مولوی عبدالکریم صاحب سیالکوٹیؓ اور سید امیر علی شاہ صاحب اور غلام قادر صاحب فصیح اور محمد خان صاحب کپور تھلوی اور حکیم فضل دین صاحب بھیروی اور پیر سراج الحق صاحب اور کچھ اور دوست تھے۔ اس جامع مسجد والے واقعہ کے تین چار دن بعد حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا اپنے مکان پر ہی مولوی محمد بشیر صاحب بھوپالوی کے ساتھ تحریری مباحثہ ہوا جس میں یہ باہم فیصلہ ہوا تھا کہ طرفین کے پانچ پانچ پرچے ہوں گے۔ لیکن جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے دیکھا کہ مولوی محمد بشیر صاحب کی طرف سے اب انہی پرانی دلیلوں کا جو غلط ثابت کی جا چکی ہیں اعادہ ہو رہا ہے اور وہ کوئی نئی دلیل پیش نہیں کرتے

توآپ نے فریق مخالف کو یہ بات جتا کر کہ اب مناظرہ کو آگے جاری رکھنا تضیع اوقات کا موجب ہی تین پرچوں پر ہی بحث کو ختم کر دیا اور فریق مخالف کے طعن وتمسخر کی پروا نہیں کی۔ یہ مناظرہ الحق دہلی کے نام سے شائع ہو چکا ہے اور ناظرین دیکھ سکتے ہیں کہ حضرت صاحب نے واقعی اسوقت بحث کو ختم کیا کہ جب مولوی محمد بشیر صاحب کی پونجی ختم ہو چکی تھی اور صرف تکرار سے کام لیا جارہا تھا۔ دراصل انبیاء و مرسلین کو دنیا کی شہرت سے کوئی غرض نہیں ہوتی بلکہ ان کو صرف اس بات سے کام ہوتا ہے کہ دنیا میں صداقت قائم ہو جاوے۔ اور اپنے اس مقصد کے حصول کے لئے وہ ہر ایک دوسری چیز کو قربان کر دیتے ہیں۔ ان کی سب عزتیں خدا کے پاس ہوتی ہیں اور دنیا کی عزت اور دنیا کی نیک نامی کا ان کو خیال نہیں ہوتا اور پھر جب وہ خدا کی خاطر اپنی عزت اور نیک نامی کو لات مار دیتے ہیں تو پھر خدا کی طرف سے ان کے لئے آسمان سے عزت اُترتی ہے اور دین و دنیا کا تاج ان کے سر کا زیور بنتا ہے میں اپنے اندر عجیب لذت و سرور کی لہر محسوس کرتا ہوں اور خدائے قدوس کی غیرت و محبت و وفاداری و ذرہ نوازی کا ایک عجیب نظارہ نظر آتا ہے کہ جب میں اس واقعہ کو پڑھتا ہوں کہ جب ایک دفعہ قبل دعویٰ مسیحیت لوگوں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کے مقابلہ میں بعض حنفی اور وہابی مسائل کی بحث کیلئے بلایا اور ایک بڑا مجمع لوگوں کا اس بحث کے سننے کے لئے جمع ہو گیا اور مولوی محمد حسین نے ایک تقریر کر کے لوگوں میں ایک جوش کی حالت پیدا کر دی اور وہ حضرت صاحب کا جواب سننے کے لئے ہمہ تن انتظار ہو گئے۔ مگر حضرت صاحب نے سامنے سے صرف اس قدر کہا کہ اسوقت کی تقریر میں جو کچھ مولوی صاحب نے بیان کیا ہے اس میں مجھے کوئی ایسی بات نظر نہیں آئی کہ جو قابل اعتراض ہو اسلئے میں اسکے جواب میں کچھ نہیں کہنا چاہتا۔ کیونکہ میرا مقصد خواہ نخواہ بحث کرنا نہیں بلکہ تحقیق حق ہے۔ آپ کے اس جواب نے جو مایوسی اور استہزاء کی لہر لوگوں کے اندر پیدا کی ہوگی وہ ظاہر ہے مگر آپ نے حق کے مقابل میں اپنی ذاتی شہرت و نام و نمود کی پروا نہیں کی اور "ڈر گئے" "بھاگ گئے" "ذلیل ہو گئے" کے طعن سنتے ہوئے وہاں سے اٹھ آئے۔ مگر خدا کو اپنے بندے کی یہ "شکست" جو اس کی خاطر اختیار کی گئی تمام "فتحوں" سے زیادہ پیاری ہوئی اور ابھی ایک رات بھی اس واقعہ پر نہ گذری تھی کہ اس نے اپنے اس بندے کو الہام کیا کہ "خدا کو تیرا یہ فعل بہت پسند آیا اور وہ

تجھے بہت عزت اور برکت دیگا یہاں تک کہ بادشاہ تیرے کپڑوں سے برکت ڈھونڈینگے" اور پھر عالم کشف میں وہ بادشاہ دکھائے گئے کہ جو گھوڑوں پر سوار تھے اور تعداد میں سات تھے جس میں غالباً یہ اشارہ تھا کہ ہفت اقلیم کے فرماں روا تیرے حلقہ بگوشوں میں داخل ہو کر تجھ سے برکتیں پائینگے۔ یہ خدائی غیرت اور خدائی محبت اور خدائی وفاداری اور خدائی ذرہ نوازی کا ایک کرشمہ ہے اور حضرت صاحب پر ہی بس نہیں بلکہ ہر ایک وہ شخص کہ جو خالصۃً خدا کی خاطر بغیر کسی قسم کی نفس کی ملونی کے خدا سے اس قسم کا پیوند باندھیگا وہ یقیناً اسے ایسا ہی مہربان پائے گا کان ذالک سنت اللہ ولن تجد لسنت اللہ تبدیلا۔ الغرض حضرت مسیح موعود نے مولوی محمد بشیر کے ساتھ مباحثہ کرتے ہوئے بجائے پانچ پرچوں کے تین پرچوں پر ہی بحث کو ختم کر دیا اور پھر غالباً اسی روز دہلی سے روانہ ہو کر پٹیالہ تشریف لے آئے جہاں ان دنوں میں ہمارے نانا جان میر ناصر نواب صاحب مرحوم ملازم تھے اور یہاں آکر آپ نے ایک اشتہار مورخہ ۳۱ر اکتوبر ۱۸۹۱ء کے ذریعہ سے مولوی محمد اسحاق کو وفات حیات مسیح ناصری کے مسئلہ میں بحث کی دعوت دی۔ مگر کوئی مباحثہ نہیں ہوا۔ اور اسکے بعد آپ قادیان واپس تشریف لے آئے مگر ۱۸۹۲ء کے شروع میں آپ پھر عازم سفر ہوئے اور سب سے پہلے لاہور تشریف لے گئے جہاں ۳۱ر جنوری کو آپ کی ایک پبلک تقریر ہوئی اور مولوی عبدالحکیم صاحب کلانوری کے ساتھ ایک مباحثہ بھی ہوا جو ۳ر فروری ۱۸۹۲ء کو ختم ہوا۔ لاہور سے آپ سیالکوٹ اور سیالکوٹ سے جالندھر اور جالندھر سے لدھیانہ تشریف لے گئے اور لدھیانہ سے واپس قادیان تشریف لے آئے۔ اور اس طرح آپ کے دعوی مسیحیت کے بعد کے ابتدائی سفروں کا اختتام ہوا۔ ۱۸۹۳ء کے ماہ مئی میں آپ پھر قادیان سے نکلے اور امرتسر میں ڈپٹی عبداللہ آتھم عیسائی کے ساتھ تحریری مباحثہ فرمایا جس کی روئداد جنگ مقدس میں شائع ہو چکی ہے۔ یہ مباحثہ ۲۲ مئی ۱۸۹۳ء کو شروع ہو کر ۵ جون ۱۸۹۳ء کو ختم ہوا اور حضرت صاحب نے اپنے آخری پرچہ میں آتھم کے لیئے خدا سے خبر پا کر وہ پیشگوئی فرمائی جس کے نتیجہ میں آتھم بالآخر اپنی کیفر کردار کو پہنچا۔ انہی دنوں میں آپ نے ایک دن یعنی ۱۰ ذی قعدہ ۱۳۱۰ھ مطابق ۲۷ر مئی ۱۸۹۳ء کو مولوی عبدالحق غزنوی کے ساتھ امرتسر کی عیدگاہ کے میدان میں مباہلہ فرمایا اور گو حضرت صاحب نے اپنے اشتہار مورخہ

۳۰ شوال سنہ ۱۳۱۰ھ میں ہندوستان کے تمام مشہور علماء کو جو مکفرین میں سے تھے مباہلہ کے لئے بلایا تھا لیکن سوائے مولوی عبدالحق غزنوی کے کوئی مولوی میدان میں سامنے نہیں آیا (اس ساری سرگذشت کے لئے ملاحظہ ہو حضرت صاحب کی تصانیف ازالہ اوہام والحق لدھیانہ والحق دہلی و جنگ مقدس و اشتہارات مورخہ ۳۰ شوال سنہ ۱۳۱۰ھ و مورخہ ۹ ذیقعدہ سنہ ۱۳۱۰ھ و نیز اشتہارات مورخہ ۲ اکتوبر و ۶۔ اکتوبر و ۱۷۔ اکتوبر و ۲۳۔ اکتوبر سنہ ۱۸۹۱ء و ۲۸ جنوری و ۳ فروری و ۱۷ مارچ سنہ ۱۸۹۲ء و خط و کتابت مابین حضرت صاحب و میر عباس علی مورخہ ۶ و ۷ و ۹ مئی سنہ ۱۸۹۲ء و تذکرۃ المہدی حصہ اوّل و سیرۃ مسیح موعود مصنفہ حضرت خلیفۃ المسیح ثانی ایدہ اللہ بنصرہ) اس جگہ یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ اس مباہلہ میں کوئی میعاد مقرر نہیں کی گئی تھی اور نہ ہی حضرت صاحب نے فریق مخالف کے لئے بددعا کی تھی بلکہ صرف یہی دعا کی تھی کہ اگر میں جھوٹا اور مفتری ہوں تو "خدا تعالیٰ وہ لعنت اور عذاب میرے پر نازل کرے جو ابتدائے دنیا سے آج تک کسی کافر بے ایمان پر نہ کی ہو" چنانچہ حضرت صاحب نے مباہلہ سے قبل ہی اپنے اشتہار مورخہ ۹ ذیقعدہ سنہ ۱۳۱۰ھ مطابق ۲۶ مئی سنہ ۱۸۹۳ء میں یہ شائع فرمایا تھا کہ میں صرف اپنے متعلق اس قسم کی دعا کرونگا۔ چنانچہ اس مباہلہ کے بعد جو ترقی خدا نے حضرت صاحب کو دی وہ ظاہر ہے۔ اسکے بعد سنہ ۱۸۹۶ء میں ایک اور اشتہار مباہلہ آپ نے اپنی کتاب انجام آتھم میں شائع فرمایا اور اس میں آپ نے ایک سال کی میعاد بھی مقرر فرمائی۔ اور یہ بھی شرط لگائی کہ اگر اس عرصہ میں مَیں عذاب الٰہی میں مبتلا ہو جاؤں یا میرے مقابل پر مباہلہ کرنے والوں میں سے خواہ وہ ہزاروں ہوں کوئی ایک شخص بھی خدا کے غیر معمولی عذاب کا نشانہ نہ بنے تو میں جھوٹا ہوں اور آپ نے بڑی غیرت دلانے والے الفاظ میں مولویوں کو ابھارا مگر کوئی سامنے نہیں آیا۔)

(۱۸۴) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ مولوی شیر علی صاحب نے مجھ سے بیان کیا کہ مولوی عبدالکریم صاحب مرحوم بیان کرتے تھے کہ مَیں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو ہمدردی اور وفاداری کے ذکر میں یہ فرماتے ہوئے سُنا ہے کہ اگر ہمارا کوئی دوست ہو اور اس کے متعلق ہمیں یہ اطلاع ملے کہ وہ کسی گلی میں شراب کے نشے میں مدہوش پڑا ہے تو ہم بغیر کسی شرم اور روک کے وہاں جاکر اسے اپنے مکان میں اُٹھا لائیں اور پھر جب اسے ہوش آنے لگے تو اسکے پاس سے اُٹھ جائیں تاکہ ہمیں دیکھ کر وہ شرمندہ نہ ہو۔ اور حضرت صاحب فرماتے تھے کہ وفاداری ایک بڑا عجیب جوہر ہے

خاکسار عرض کرتا ہے کہ اس کا یہ مطلب نہیں کہ شرابیوں اور فاسق فاجروں کو اپنا دوست بنانے میں کوئی حرج نہیں بلکہ منشاء یہ ہے کہ اگر کسی شخص کا کوئی دوست ہو اور وہ کسی قسم کی عملی کمزوری میں مبتلا ہو جائے تو اس وجہ سے اسکا ساتھ نہیں چھوڑ دینا چاہیئے بلکہ اسکے ساتھ ہمدردی اور وفاداری کا طریق برتنا چاہیئے اور مناسب طریق پر اس کی اصلاح کی کوشش کرنی چاہیئے۔ کیونکہ دراصل یہی وقت ہے جبکہ اسے اپنے دوستوں کی حقیقی ہمدردی اور ان کی محبت آمیز نصائح کی ضرورت ہوتی ہے اور ایسے وقت پر چھوڑ کر الگ ہو جانا دوستانہ وفاداری کے بالکل خلاف ہے۔ ہاں البتہ اگر خود اس دوست کی طرف سے ایسے امور پیش آجاویں کہ جو تعلقات کے قطع ہو جانے کا باعث ہوں تو اور بات ہے۔ انسان کو حتی الوسع اپنے لئے ہمیشہ اچھے دوستوں کا انتخاب کرنا چاہیئے۔ لیکن جب کسی کے ساتھ دوستانہ تعلقات قائم ہو جائیں تو پھر ان تعلقات کا نبھانا بھی ضروری ہوتا ہے اور صرف اسوجہ سے کہ دوست کی طرف سے کوئی عملی کمزوری ظاہر ہوئی ہے یا یہ کہ اسکے اندر کوئی کمزوری پیدا ہوگئی ہے۔ تعلقات کا قطع کرنا جائز نہیں ہوتا بلکہ ایسے وقت میں خصوصیت کے ساتھ ہمدردی اور محبت اور دوستانہ نصیحت کو کام میں لانا چاہیئے اور یہ خیال نہ کرنا چاہیئے کہ لوگ یہ اعتراض کرینگے کہ ایک خراب آدمی کے ساتھ کیوں تعلقات رکھے جاتے ہیں۔ مومن کو لوگوں کے گندوں کو دھونے کے لئے پیدا کیا گیا ہے اگر وہ ایسے موقعوں پر چھوڑ کر الگ ہو جائیگا تو علاوہ بے وفائی کا مرتکب ہونے کے اپنے فرض منصبی میں بھی کوتاہی کرنے والا ٹھہریگا۔ ہاں بے شک جس شخص کی اپنی طبیعت کمزور ہو اور اسکے متعلق یہ اندیشہ ہو کہ وہ بجائے اپنا نیک اثر ڈالنے کے خود دوسرے کے مضر اثر کو قبول کرنا شروع کر دیگا تو ایسے شخص کے لئے یہی ضروری ہے کہ وہ اپنے اس قسم کے دوست سے میل جول ترک کر دے اور صرف اپنے طور پر خدا تعالیٰ سے اس کی اصلاح کے متعلق دعائیں کرتا رہے۔ بچے بھی بوجہ اپنے علم اور عقل اور تجربہ کی خامی کے اس قسم کے اندر شامل ہیں یعنی بچوں کو بھی چاہیئے کہ جب اپنے کسی دوست کو بداعمالی کی طرف مائل ہوتا دیکھیں یا جب ان کے والدین یا گاردین انہیں کسی خراب شخص کی دوستی سے منع کریں تو آئندہ اس کی صحبت کو کلیتہً ترک کر دیں۔

(۴۱۹) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ ڈاکٹر میر محمد اسماعیل صاحب نے مجھ سے بیان کیا کہ دعوے مسیحیت سے قبل مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ساتھ بہت تعلق تھا

چنانچہ مجھے یاد ہے کہ قادیان سے انبالہ چھاونی جاتے ہوئے آپ مع اہل وعیال کے مولوی محمد حسین صاحب کے مکان پر بٹالہ میں ایک رات ٹھیرے تھے اور مولوی صاحب نے بڑے اہتمام سے حضرت صاحب کی دعوت کی تھی۔ نیز ڈاکٹر صاحب موصوف نے بیان کیا کہ جس جس جگہ حضرت والد صاحب (یعنے خاکسار کے نانا جان مرحوم) کا قیام ہوتا تھا وہاں حضرت مسیح موعود علیہ السلام بھی عموماً تشریف لایا کرتے تھے مثلاً انبالہ چھاونی۔ لدھیانہ۔ پٹیالہ۔ فیروز پور چھاونی میں آپ تشریف لے گئے تھے اور سب سے زیادہ آپ لدھیانہ میں رہے۔ حضور کی سب سے بڑی لڑکی عصمت انبالہ چھاونی میں پیدا ہوئی تھی اور باقی سب بچے قادیان میں پیدا ہوئے۔ بیعت اولیٰ۔ فتح اسلام۔ توضیح مرام کی اشاعت مباحثہ مولوی محمد حسین اور وفات عصمت لدھیانہ میں ہوئے۔ انبالہ میں کچھ مدت کیلئے ایک بنگلہ کرایہ پر لیا تھا اور لدھیانہ میں ہمارے رہائشی مکان کے ساتھ بالکل ملحق شاہزادہ والا گوہر کا ایک اور بڑا مکان محلہ اقبال گنج میں تھا وہ کرایہ پر لے لیتے تھے۔ جب حضور لدھیانہ تشریف لاتے تھے تو ہم سب حضور کے مکان میں آجاتے تھے اور ہمارے والا مکان مردانہ کے طور پر استعمال ہوتا تھا چنانچہ اسی میں مولوی محمد حسین والا مباحثہ بھی ہوا تھا۔ اس کے سوا کسی اور جگہ حضور نے الگ مکان نہیں لیا۔ اور نہ کسی جگہ حضور اتنا زیادہ ٹھہرے۔

(۴۲۰) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ ڈاکٹر محمد اسماعیل صاحب نے مجھ سے بیان کیا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام سر کے بال منڈوانے کو بہت ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ یہ خارجیوں کی علامت ہے۔ نیز حضرت صاحب فرماتے تھے کہ ہمارے سر کے بال عقیقہ کے بعد نہیں مونڈے گئے۔ چنانچہ آپ کے سر کے بال نہایت باریک اور ریشم کی طرح ملائم تھے اور نصف گردن تک لمبے تھے لیکن آپ کی ریش مبارک کے بال سر کے بالوں کی نسبت موٹے تھے خاکسار عرض کرتا ہے کہ یہ جو میر صاحب نے بیان کیا ہے کہ حضرت صاحب کے بال نصف گردن تک لمبے تھے اس سے یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ جس طرح ان لوگوں کے بال نظر آتے ہیں جنہوں نے پٹے رکھے ہوتے ہیں اس طرح آپ کے بال نظر آتے تھے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ گو آپ کے بال لمبے ہوتے تھے لیکن بوجہ اسکے کہ وہ نہایت نرم اور باریک تھے اور گھنے بھی نہ تھے وہ پٹوں کی طرح نظر نہ آتے تھے۔

(۴۲۱) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ ڈاکٹر میر محمد اسماعیل صاحب نے مجھ سے بیان کیا کہ حضرت

مسیح موعود علیہ السلام کو پرندوں کا گوشت پسند تھا اور بعض دفعہ بیماری وغیرہ کے دنوں میں بھائی عبدالرحیم صاحب کو حکم ہوتا تھا کہ کوئی پرندہ شکار کر لائیں۔ اسی طرح جب تازہ شہد معہ چھتہ کے آتا تھا تو آپ اسے پسند فرما کر نوش کرتے تھے۔ شہد کا چھتہ تلاش کرنے اور توڑنے میں بھائی عبدالعزیز صاحب خوب ماہر تھے۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ بھائی عبدالرحیم صاحب اور بھائی عبدالعزیز صاحب ہر دو نو مسلمین میں سے ہیں۔ بھائی عبدالرحیم صاحب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت میں بڑے شوق سے حصہ لیتے تھے۔ اور حضرت صاحب بھی از راہ شفقت بعض متفرق خدمات ان کے سپرد فرما دیتے تھے۔ آجکل وہ ہمارے مدرسہ تعلیم الاسلام میں دینیات کے اول مدرس ہیں۔

(۴۲۲) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ میاں عبداللہ صاحب سنوری نے مجھ سے بیان کیا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنے خدام کے ساتھ بالکل بے تکلفی سے گفتگو فرماتے تھے۔ میں آپ کی خدمت میں اپنے ساری حالات کھلکر عرض کر دیتا تھا اور آپ ہمدردی اور توجہ سے سنتے تھے اور بعض اوقات آپ اپنے گھر کے حالات خود بھی بے تکلفی سے بیان فرما دیتے تھے اور ہمیشہ مسکراتے ہوئے ملتے تھے جس سے دل کی ساری کلفتیں دُور ہو جاتی تھیں۔

(۴۲۳) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ مولوی قطب الدین صاحب نے مجھ سے بیان کیا کہ اوائل زمانہ میں جب میں نے علم طب کے حاصل کرنے کی طرف توجہ کی تو میں نے بعض ابتدائی درسی کتابیں پڑھنے کے بعد کسی ماہر فن سے علم سیکھنے کا ارادہ کیا۔ اور چونکہ میں نے حکیم محمد شریف صاحب امرتسری کے علم و کمال کی بہت تعریف سُنی تھی اسلئے میں ان کے پاس گیا اور علم سیکھنے کی خواہش کی مگر انہوں نے جواب دیدیا اور ایسے رنگ میں جواب دیا کہ میں ان کی طرف سے مایوس ہو گیا۔ اس کے بعد میں جب قادیان آیا تو میں نے حضرت صاحب کی خدمت میں عرض کی کہ میں طب کا علم کسی ماہر سے حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ حضرت صاحب نے حکیم محمد شریف صاحب کا نام لیا میں نے عرض کیا کہ انہوں نے تو جواب دیدیا ہے۔ حضرت صاحب فرمانے لگے کہ بعض اوقات ایک شخص اپنے عام حالات کے ماتحت دوسرے کی درخواست کو رد کر دیتا ہے لیکن جب اس امر کے متعلق اسکے پاس کسی ایسے شخص کی سفارش کی جاتی ہے جس کا اسے خاص لحاظ ہوتا ہے تو پھر وہ مان لیتا ہے۔ پس ہمیں بھی امید ہے

کہ حکیم صاحب ہماری سفارش کو رد نہیں کرینگے۔ چنانچہ میں حضرت صاحب کی سفارش لے کر گیا تو حکیم صاحب خوشی کے ساتھ رضامند ہو گئے اور کہنے لگے کہ تم ایک ایسے شخص کی سفارش لائے ہو جس کا کہنا مینے آجتک کبھی رد نہیں کیا اور نہ کر سکتا ہوں۔"

(۴۲۴) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ مولوی عبد اللہ صاحب سنوری نے مجھ سے بیان کیا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے مینے سُنا ہے کہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ بعض اوقات ایک انسان بداعمالی میں مبتلا ہوتا ہے اور ترقی کرتا جاتا ہے حتیٰ کہ دوزخ کے منہ تک پہنچ جاتا ہے لیکن پھر اس کی زندگی میں ایک پلٹا آتا ہے اور وہ نیکی کی طرف مائل ہو جاتا ہے اور اس کا انجام بہت اچھا ہو جاتا ہے۔ اور ایک دوسرا شخص نیک ہوتا ہے اور اچھے اعمال بجالاتا ہے حتیٰ کہ جنت کے منہ تک پہنچ جاتا ہے لیکن پھر اسے کوئی ٹھوکر لگتی ہے اور وہ بدی کی طرف جھک جاتا ہے اور اس کا انجام خراب ہو جاتا ہے۔ اور میاں عبد اللہ صاحب کہتے تھے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام یہ حدیث بیان فرما کر فرماتے تھے کہ جو شخص بداعمالی میں زندگی گذارتا ہے لیکن بالآخر اسی دنیا میں اسکا انجام نیک ہو جاتا ہے وہ بھی عجیب نصیبے والا انسان ہوتا ہے کہ اس جہان میں بھی وہ اپنی خواہشات کے مطابق آزادانہ زندگی گذار لیتا ہے اور اگلے جہان میں بھی اسے جنت میں جگہ ملتی ہے۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ جو شخص ساری عمر بداعمالی میں مبتلا رہکر آخری عمر میں توبہ کا موقعہ پاکر جنت میں داخل ہو جاتا ہے وہ سب سے زیادہ خوش نصیب ہے۔ کیونکہ اگر دوسرے حالات مساوی ہوں تو یقیناً ایسا شخص اُس شخص سے رتبہ میں بہت کم ہے جو دنیا کی زندگی بھی خدا کے لئے تقویٰ و طہارت میں صرف کرتا ہے۔ مگر ہاں چونکہ آخری عمر کی توبہ مقدم الذکر شخص کی نجات اُخروی کا موجب ہو جاتی ہے۔ اسلئے اس میں شک نہیں کہ وہ خاص طور پر خوش نصیب سمجھا جانا چاہئیے۔ اور یہ جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ ایسا شخص اس جہان میں بھی اپنی خواہشات کے مطابق آزادانہ زندگی گذار لیتا ہے اسکا مطلب یہ نہیں کہ جو شخص خدا کے لئے اس دنیا میں زندگی گذارتا ہے اور اپنی خواہشات نفسانی کو دبا کر رکھتا ہے اس کی زندگی کوئی تلخی کی زندگی ہوتی ہے۔ کیونکہ گو مادی نقطہ نگاہ سے اس کی زندگی تلخ سمجھی جا سکتی ہے لیکن اسکے لئے وہی خوشی کی زندگی ہوتی ہے بلکہ حق یہ ہے کہ خدا کے لئے زندگی گذارنے والا

جو روحانی سرور اور لطف اپنی زندگی میں پاتا ہے وہ ہرگز ایک دنیا دار کو اپنی جسمانی لذات میں حاصل نہیں ہو سکتا پس حضرت صاحب کا مطلب صرف یہ ہے کہ ایک دنیا دار شخص اپنے رنگ میں خوش رہتا ہے کیونکہ اس کی جسمانی خواہشات بالکل آزاد ہوتی ہیں۔

(۴۲۵) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ مولوی عبد اللہ صاحب سنوری مجھ سے بیان کرتے تھے کہ حضرت مسیح موعود فرماتے تھے اور میں نے خود بھی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو یہ بیان فرماتے ہوئے سُنا ہے کہ قیامت کے دن ایک شخص خدا تعالیٰ کے سامنے پیش ہوگا اور اللہ تعالیٰ اس سے پوچھیگا کہ اگر تو نے دنیا میں کوئی نیک عمل کیا ہے تو بیان کر اور وہ جواب دیگا کہ اے میرے خدا میں نے کبھی کوئی نیک عمل نہیں کیا۔ خدا فرمائے گا کہ اچھی طرح یاد کر کے اپنا کوئی ایک نیک عمل ہی بیان کر دے۔ وہ جواب دیگا کہ مجھے اپنا کوئی ایک نیک عمل بھی یاد نہیں ہے خدا فرمائیگا اچھا یہ بتا کہ کیا تو نے کبھی میرے کسی نیک بندے کی صحبت اٹھائی ہے؟ وہ کہیگا۔ اے میرے خدا میں کبھی تیرے کسی نیک بندے کی صحبت میں نہیں بیٹھا۔ خدا فرمائیگا۔ اچھا یہ بتا کہ کیا کبھی تو نے میرے کسی نیک بندے کو دیکھا ہے؟ وہ جواب دیگا کہ اے میرے خدا مجھے زیادہ شرمندہ نہ کر میں نے کبھی تیرے کسی نیک بندے کو دیکھا بھی نہیں۔ خدا فرمائیگا تیرے گاؤں کے دوسرے کنارے پر میرا ایک نیک بندہ رہتا تھا کیا فلاں دن فلاں وقت جب کہ تو فلاں گلی میں سے جارہا تھا اور وہ میرا بندہ سامنے سے آتا تھا تیری نظر اس پر نہیں پڑی؟ وہ جواب دیگا۔ ہاں ہاں میرے خدا اب مجھے یاد آیا اس دن میں نے بے شک تیرے اس بندے کو دیکھا تھا۔ مگر اے میرے خدا تو جانتا ہے کہ صرف ایک دفعہ میری نظر اس پر پڑی اور پھر میں اسکے پاس سے نکل کر آگے گذر گیا۔ خدا فرمائیگا میرے بندے جا میں نے تجھے اس نظر کی وجہ سے بخشا۔ جا اور میری جنت میں داخل ہو جا۔

خاکسار عرض کرتا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام یہ مثال خدا کے رحم اور بخشش کو ظاہر کرنے کے لئے بیان فرماتے تھے۔ نیز خاکسار عرض کرتا ہے کہ اس مثال کا یہ مطلب نہیں سمجھنا چاہئے کہ انسان خواہ اس دنیا میں کیسی حالت میں رہا ہو اور کیسی بداعمالی میں اس کی زندگی گذر گئی ہو۔ وہ محض اس قسم کی وجہ کی بنا پر بخشدیا جاوے گا۔ بلکہ منشاء یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی انسان دنیا میں ایسی حالت میں رہا ہے کہ اس کی فطرت کے اندر نیکی اور سعادت کا تخم قائم رہا ہے لیکن اس تخم کو نشوونما

دینے والے عناصر اسے میسر نہیں آئے اور وہ ہمیشہ بدصحبت اور غافل کن حالات میں گھرا رہنے کی وجہ سے بداعمالی کا مرتکب ہوتا رہا ہے مگر اسکا فطری میلان ایسا تھا کہ اگر اسے نیکی کی طرف مائل کرنے والے حالات پیش آتے تو وہ بدی کو ترک کرکے نیکی کو اختیار کرلیتا تو ایسا شخص یقیناً خدا کی بخشش خاص سے حصہ پائیگا۔ علاوہ ازیں حق یہ ہے کہ گو کوئی خشک مزاج مولوی میرے اس ریمارک پر چونکے لیکن خدا کی بخشش اور رحم کے لئے کوئی قاعدہ اور قانون تلاش کرنا یہ محض لاعلمی اور تنگ خیالی کی باتیں ہیں۔ اسکے عذاب وسزا کے واسطے بیشک قواعد اور قوانین موجود ہیں جو خود اسنے بیان فرما دیئے ہیں۔ لیکن اسکے رحم کے واسطے کوئی قانون نہیں۔ کیونکہ اس کی یہ صفت کسی نہ کسی صورت میں ہر وقت ہر چیز پر ہر حالت میں اور ہر جگہ جاری رہتی ہے۔ چنانچہ خدا تعالےٰ فرماتا ہے ان عذابی اصیب بہ من اشاء ورحمتی وسعت کل شئ۔ یعنی میرا عذاب تو صرف میری مقرر کردہ قانون کے ماتحت خاص خاص حالتوں میں پہنچتا ہے لیکن میری رحمت ہر وقت ہر چیز پر وسیع ہے۔ اس آیت کریمہ میں جو من اشاء کا لفظ ہے۔ اس سے یہ مراد نہیں کہ خدا کا عذاب تو اس کی مرضی کے ماتحت ہے لیکن اس کی رحمت مرضی کے حدود کو توڑ کر ہر چیز پر وسیع ہو گئی ہے بلکہ بات یہ ہے کہ یہ لفظ قرآنی محاورہ کے ماتحت خدائی قانون کی طرف اشارہ کرنے کے لئے آتا ہے یعنی مراد یہ ہی کہ خدا کا عذاب اسکے قانون کے ماتحت خاص خاص حالتوں میں آتا ہے لیکن خدا کی رحمت کے لئے کوئی قانون نہیں ہے۔ بلکہ وہ صرف خدا کی مرضی اور خوشی پر موقوف ہے۔ اور چونکہ خدا کی صفت رحمت اس کی ہر دوسری صفت پر غالب ہے اسلئے اس کی یہ صفت ہر وقت ہر چیز پر ظاہر ہو رہی ہے۔ اور بسا اوقات اس کی رحمت ایسے رنگ میں ظاہر ہوتی ہے کہ انسان کی کوتہ نظر اسکا موجب دریافت کرنے سے قاصر رہتی ہے اور ممکن ہے کہ بعض صورتوں میں اسکا کوئی بھی موجب نہ ہوتا ہو سوائے اس کے کہ خدا رحیم ہے اور اپنے پیدا کردہ بندے پر رحم کرنا چاہتا ہے اور بس۔ واللہ اعلم۔

(۴۲۶) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ مولوی محمد اسماعیل صاحب مولوی فاضل نے مجھ سے بیان کیا کہ جب میں ۱۹۰۵ء میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ہاتھ پر بیعت کرنے کے لئے قادیان آیا تو اس وقت نماز ظہر کے قریب کا وقت تھا اور میں مہمانخانہ میں وضو کرکے مسجد مبارک میں حاضر ہوا۔ اس وقت حضرت مسیح موعود علیہ السلام مسجد میں ہی تشریف رکھتے تھے اور حضور کے بہت سے

اصحاب حضرت کے پاس بیٹھے تھے۔ میں بھی مجلس کے پیچھے ہو کر بیٹھ گیا۔ اسوقت شیخ محمد یوسف صاحب ایڈیٹر نور چشمہ معرفت کے لئے سکھ مذہب کے متعلق بعض حوالجات حضور کے سامنے پیش کر رہے تھے اور حضور کبھی کبھی ان کے متعلق گفتگو فرماتے تھے اور بعض دفعہ ہنستے بھی تھے۔ حضرت مولوی نورالدین صاحب خلیفہ اوّل رضی اللہ عنہ حضور کے بائیں طرف بیٹھے تھے میں جب آکر بیٹھا تو مجھے کچھ وقت تک یہ شبہ رہا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کون ہیں۔ کیونکہ میں حضرت مولوی صاحب اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے درمیان پوری طرح یہ فیصلہ نہیں کر سکا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام یہ ہیں یا وہ۔ لیکن پھر گفتگو کے سلسلہ میں مجھے سمجھ آگئی جب حوالجات کے متعلق گفتگو بند ہوئی تو میں بیعت کی خواہش ظاہر کر کے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی طرف آگے بڑھنے لگا۔ جس پر سید احمد نور صاحب کابلی نے کسی قدر بلند آواز سے کہا کہ یہ شخص مسلمان ہونا چاہتا ہے اسے رستہ دیدیا جاوے۔ میں دل میں حیران ہوا کہ مسلمان ہونے کے کیا معنے ہیں۔ لیکن پھر ساتھ ہی خیال آیا کہ واقعی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بیعت میں داخل ہونا مسلمان ہونا نہیں ہے تو اور کیا ہے۔ چنانچہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بیعت سے مشرف ہو گیا۔ اسوقت میرے ساتھ ایک اور شخص نے بھی بیعت کی تھی۔ بیعت کے بعد دعا کر کے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نماز کے لئے کھڑے ہو گئے اور حضرت مولوی نورالدین صاحب نے نماز کرائی اور حضرت مسیح موعود نے پہلی صف سے آگے حضرت مولوی صاحب کے ساتھ جانب شمال حضرت مولوی صاحب کی اقتدا میں نماز ادا کی۔ اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام نماز فریضہ ادا کرتے ہی اندرون خانہ تشریف لے گئے۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام آخری ایام میں ہمیشہ امام کے ساتھ کھڑے ہو کر نماز ادا فرمایا کرتے تھے اور آپ کے وصال کے بعد حضرت خلیفہ اوّل ہمیشہ مصلے پر آپ والی جگہ کو چھوڑ کر بائیں جانب کھڑے ہوا کرتے تھے اور کبھی ایک دفعہ بھی آپ مصلے کے وسط میں یا دائیں جانب کھڑے نہیں ہوئے اور اب حضرت خلیفہ ثانی کا بھی یہی طریق ہے۔ اور ایسا غالباً حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے احترام کے خیال سے کیا جاتا ہے۔ واللہ اعلم۔

(۴۲۷) بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ مکرمی مفتی محمد صادق صاحب نے مجھ سے بیان کیا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام جب کسی سفر پر تشریف لے جانے لگتے تھے تو عموماً مجھے فرما دیتے تھے کہ

ساتھ جانے والوں کی فہرست بنائی جائے اور ان دنوں میں جو مہمان قادیان آئے ہوئے ہوتے تھے ان میں سے بھی بعض کے متعلق فرماتے تھے کہ ان کا نام لکھ لیں۔ اور اوائل میں حضرت صاحب انٹر کلاس میں سفر کیا کرتے تھے اور اگر حضرت بیوی صاحبہ ساتھ ہوتی تھیں تو ان کو اور دیگر مستورات کو زنانہ تھرڈ کلاس میں بٹھا دیا کرتے تھے اور حضرت صاحب کا یہ طریق تھا کہ زنانہ سواریوں کو خود ساتھ جاکر اپنے سامنے زنانہ گاڑی میں بٹھاتے تھے اور پھر اس کے بعد خود اپنی گاڑی میں اپنے خدام کے ساتھ بیٹھ جاتے تھے اور جس سٹیشن پر اُترنا ہوتا تھا اس پر بھی خود زنانہ گاڑی کے پاس جاکر اپنے سامنے حضرت بیوی صاحبہ کو اُتارتے تھے۔ مگر دوران سفر میں سٹیشنوں پر عموماً خود اُتر کر زنانہ گاڑی کے پاس دریافت حالات کے لئے نہیں جاتے تھے بلکہ کسی خادم کو بھیج دیا کرتے تھے اور سفر میں حضرت صاحب اپنے خدام کے آرام کا بہت خیال رکھا کرتے تھے۔ اور آخری سالوں میں حضور عموماً ایک سالم سیکنڈ کلاس کمرہ اپنے لئے ریزرو کروالیا کرتے تھے اور اس میں حضرت بیوی صاحبہ اور بچوں کے ساتھ سفر فرماتے تھے اور حضور کے اصحاب دوسری گاڑی میں بیٹھتے تھے مگر مختلف سٹیشنوں پر اُتر اُتر کر وہ حضور سے ملتے رہتے تھے۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ حضور الگ کمرہ اس خیال سے ریزرو کروالیتے تھے کہ تاکہ حضرت والدہ صاحبہ کو علیحدہ کمرہ میں تکلیف نہ ہو اور حضور اپنے اہل وعیال کے ساتھ اطمینان کے ساتھ سفر کرسکیں نیز آخری ایام میں چونکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے سفر کے وقت عموماً ہر سٹیشن پر سینکڑوں ہزاروں زائرین کا مجمع ہوجاتا تھا۔ اور ہر مذہب وملت کے لوگ بڑی کثرت کے ساتھ حضور کو دیکھنے کے لئے جمع ہوجاتے تھے اور مخالف وموافق ہر قسم کے لوگوں کا مجمع ہوتا تھا اسلئے بھی کمرہ کا ریزرو کرانا ضروری ہوتا تھا تاکہ حضور اور حضرت اماں جان صاحبہ وغیرہ اطمینان کے ساتھ اپنے کمرہ کے اندر تشریف رکھ سکیں اور بعض اوقات حضور ملاقات کرنے کے لئے گاڑی سے باہر نکل کر سٹیشن پر تشریف لے آیا کرتے تھے۔ مگر عموماً گاڑی ہی میں بیٹھے ہوئے کھڑکی میں سے ملاقات فرمالیتے تھے اور ملنے والے لوگ باہر سٹیشن پر کھڑے رہتے تھے۔ نیز مفتی صاحب نے بیان فرمایا کہ جس سفر میں حضرت ام المومنین حضور کے ساتھ نہیں ہوتی تھیں میں ہی حضور کے قیام گاہ میں حضور کے کمرہ کے اندر ہی ایک چھوٹی سی چارپائی لے کر سو رہتا تھا تاکہ اگر حضور کو رات کے وقت کوئی ضرورت پیش آئے تو میں خدمت کرسکوں چنانچہ

اس زمانہ میں چونکہ مجھے ہوشیار اور فکرمند ہوکر سونا پڑتا تھا تاکہ ایسا نہ ہو حضرت صاحب مجھ کو کوئی آواز دیں اور میں جاگنے میں دیر کروں اسلئے اسوقت سے میری نیند بہت ہلکی ہوگئی ہے۔ اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام اگر کبھی مجھے آواز دیتے تھے اور میری آنکھ نہ کھلتی تھی تو حضور آہستہ سے اُٹھکر میری چارپائی پر آکر بیٹھ جاتے تھے اور میری بدن پر اپنا دست مبارک رکھ دیتے تھے جس سے میں جاگ پڑتا تھا اور سب سے پہلے حضور وقت دریافت فرماتے تھے اور حضور کو جو الہام ہوتا تھا حضور مجھے جگاکر نوٹ کروا دیتے تھے۔ چنانچہ ایک رات ایسا اتفاق ہوا کہ حضور نے مجھے الہام لکھنے کے لئے جگایا مگر اسوقت اتفاق سے میرے پاس کوئی قلم نہیں تھا۔ چنانچہ مینے ایک کوئلہ کا ٹکڑا لیکر اس سے الہام لکھا لیکن اسوقت کے بعد سے میں باقاعدہ پنسل یا فونٹین پن اپنے پاس رکھنے لگ گیا۔

(۴۲۸) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام عموماً صبح کے وقت سیر کے لئے تشریف لیجایا کرتے تھے اور عموماً بہت سے اصحاب حضور کے ساتھ ہوجاتے تھے۔ تعلیم الاسلام ہائی اسکول قادیان کے بعض طالب علم بھی حضور کے ساتھ جانے کے شوق میں کسی بہانہ وغیرہ سے اپنے کلاس روم سے نکل کر حضور کے ساتھ ہو لیتے تھے۔ اساتذہ کو پتہ لگتا تھا تو تعلیم کے حرج کا خیال کرکے بعض اوقات ایسے طلبہ کو بلا اجازت چلے جانے پر سزا وغیرہ بھی دیتے تھے مگر بچوں کو کچھ ایسا شوق تھا کہ وہ عموماً موقعہ لگاکر نکل ہی جاتے تھے۔

(۴۲۹) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ مکرمی مفتی محمد صادق صاحب نے مجھ سے بیان کیا کہ ایک دفعہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ میں مَیں کسی وجہ سے اپنی بیوی مرحومہ پر کچھ خفا ہوا۔ جس پر میری بیوی نے حضرت مولوی عبدالکریم صاحب کی بڑی بیوی کے پاس جاکر میری ناراضگی کا ذکر کیا۔ اور حضرت مولوی صاحب کی بیوی نے مولوی صاحب سے ذکر کر دیا۔ اسکے بعد مَیں جب حضرت مولوی عبدالکریم صاحب سے ملا تو انہوں نے مجھے مخاطب کرکے فرمایا کہ "مفتی صاحب آپ کو یاد رکھنا چاہیئے کہ یہاں ملکہ کا راج ہے"۔ بس اسکے سوا اور کچھ نہیں کہا۔ مگر میں ان کا مطلب سمجھ گیا۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ حضرت مولوی عبدالکریم صاحب کے یہ الفاظ عجیب معنی خیز ہیں۔ کیونکہ ایک طرف تو ان دنوں میں برطانیہ کے تخت پر ملکہ وکٹوریا متمکن تھیں اور دوسری طرف حضرت مولوی صاحب کا اس طرف اشارہ تھا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنے خانگی معاملات میں حضرت ام المومنین کی بات بہت مانتے ہیں۔

اور گویا گھر میں حضرت ام المومنین ہی کی حکومت ہے۔ اور اس اشارہ سے مولوی صاحب کا مقصد یہ تھا کہ مفتی صاحب کو اپنی بیوی کے ساتھ سلوک کرتے ہوئے محتاط رہنا چاہیئے۔

(۴۳۰) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ مکرمی مفتی محمدؐ صادق صاحب نے مجھ سے بیان کیا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنے خدام کے ساتھ بہت بے تکلف رہتے تھے جس کے نتیجہ میں خدام بھی حضور کے ساتھ ادب و احترام کو ملحوظ رکھتے ہوئے بے تکلفی سے بات کر لیتے تھے۔ چنانچہ ایک دفعہ میں لاہور سے حضور کی ملاقات کے لئے آیا اور وہ سردیوں کے دن تھے اور میرے پاس اوڑھنے کے لئے رضائی وغیرہ نہیں تھی۔ میں نے حضرت کی خدمت میں کہلا بھیجا کہ حضور رات کو سردی لگنے کا اندیشہ ہے حضور مہربانی کر کے کوئی کپڑا عنایت فرماویں۔ حضرت صاحب نے ایک ہلکی رضائی اور ایک دُھسا ارسال فرمائے اور ساتھ ہی پیغام بھیجا کہ رضائی محمود کی ہے اور دُھسا میرا ہے۔ آپ ان میں سے جو پسند کریں رکھ لیں اور چاہیں تو دونوں رکھ لیں۔ میں نے رضائی رکھ لی اور دھسا واپس بھیجدیا۔ نیز مفتی صاحب نے بیان کیا کہ جب میں قادیان سے واپس لاہور جایا کرتا تھا تو حضور اندر سے میرے لئے ساتھ لیجانے کے واسطے کھانا بھجوایا کرتے تھے چنانچہ ایک دفعہ جب میں شام کے قریب قادیان سے آنے لگا تو حضرت صاحب نے اندر سے میرے واسطے کھانا منگایا۔ جو خادم کھانا لایا وہ یونہی کھلا کھانا لے آیا حضرت صاحب نے اس سے فرمایا کہ مفتی صاحب یہ کھانا کس طرح ساتھ لے جائینگے کوئی رومال بھی تو ساتھ لانا تھا جسمیں کھانا باندھ دیا جاتا۔ اچھا میں کچھ انتظام کرتا ہوں اور پھر آپ نے اپنے سر کی پگڑی کا ایک کنارہ کاٹ کر اسمیں کھانا باندھ دیا۔ ایک دفعہ سفر جہلم کے دوران میں جبکہ حضور کو کثرت پیشاب کی شکایت تھی حضور نے مجھ سے فرمایا کہ مفتی صاحب! مجھے پیشاب کثرت کے ساتھ آتا ہے کوئی برتن لائیں جس میں میں رات کو پیشاب کر لیا کروں۔ میں نے تلاش کر کے ایک مٹی کا لوٹا لا دیا۔ جب صبح ہوئی تو میں لوٹا اٹھانے لگا تاکہ پیشاب گرا دوں مگر حضرت صاحب نے مجھے روکا اور کہا کہ نہیں آپ نہ اٹھائیں میں خود گرا دوں گا اور باوجود میرے اصرار کے ساتھ عرض کرنے کے آپ نے نہ مانا اور خود ہی لوٹا اٹھا کر مناسب جگہ پیشاب کو گرا دیا لیکن اسکے بعد جب پھر یہ موقع آیا تو میں نے بڑے اصرار کے ساتھ عرض کیا کہ میں گراؤں گا جس پر حضرت صاحب نے میری عرض کو قبول کر لیا۔ نیز مفتی صاحب نے بیان کیا کہ حضرت صاحب نے ایک دفعہ مجھے دو گھڑیاں عنایت فرمائیں اور کہا کہ یہ ایک عرصہ سے ہمارے پاس رکھی ہوئی ہیں اور کچھ بگڑی ہوئی ہیں۔ آپ انہیں ٹھیک کرالیں اور خود ہی رکھیں

(۴۳۱) بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ مکرمی مفتی محمد صادق صاحب نے مجھ سے بیان کیا کہ اوائل میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کِلک کے قلم سے لکھا کرتے تھے اور ایک وقت میں چار چار۔ پانچ پانچ قلمیں بنوا کر اپنے پاس رکھتے تھے تاکہ جب ایک قلم گھس جاوے تو دوسرے کے لئے انتظار نہ کرنا پڑے کیونکہ اس طرح روانی میں فرق آتا ہے۔ لیکن ایک دن جبکہ عید کا موقعہ تھا میں نے حضور کی خدمت میں بطور تحفہ دو ٹیڑھی نبیں پیش کیں۔ اس وقت تو حضرت صاحب نے خاموشی کے ساتھ رکھ لیں لیکن جب میں لاہور واپس گیا تو دو تین دن کے بعد حضرت کا خط آیا کہ آپ کی وہ نبیں بہت اچھی ثابت ہوئی ہیں اور اب میں انہیں سے لکھا کرونگا۔ آپ ایک ڈبیہ ویسی نبوں کی بھیجدیں۔ چنانچہ میں نے ایک ڈبیہ بھجوادی اور اس کے بعد میں اسی قسم کی نبیں حضور کی خدمت میں پیش کرتا رہا۔ لیکن جیسا کہ ولائتی چیزوں کا قاعدہ ہوتا ہے کچھ عرصہ کے بعد مال میں کچھ نقص پیدا ہو گیا اور حضرت صاحب نے مجھ سے ذکر فرمایا کہ اب یہ نب اچھا نہیں لکھتا۔ جس پر مجھے آیندہ کے لئے اس ثواب سے محروم ہو جانے کا فکر دامنگیر ہوا اور میں نے کارخانہ کے مالک کو ولایت میں خط لکھا کہ میں اس طرح حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت میں تمہارے کارخانہ کی نبیں پیش کیا کرتا تھا لیکن اب تمہارا مال خراب آنے لگا ہے اور مجھے اندیشہ ہے کہ حضرت صاحب اس نب کے استعمال کو چھوڑ دیں گے۔ اور اس طرح تمہاری وجہ سے میں اس ثواب سے محروم ہو جاؤں گا اور اس خط میں میں نے یہ بھی لکھا کہ تم جانتے ہو کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کون ہیں؟ اور پھر میں نے حضور کے دعاوی وغیرہ کا ذکر کر کے اس کو اچھی طرح تبلیغ بھی کر دی۔ کچھ عرصہ کے بعد اس کا جواب آیا جس میں اس نے معذرت کی اور ٹیڑھی نبوں کی ایک اعلیٰ قسم کی ڈبیہ مفت ارسال کی جو میں نے حضرت کے حضور پیش کر دی اور اپنے خط اور اس کے جواب کا ذکر کیا۔ حضور یہ ذکر سُنکر مسکرائے مگر حضرت مولوی عبدالکریم صاحب جو اس وقت حاضر تھے ہنستے ہوئے فرمانے لگے کہ جس طرح شاعر اپنے شعروں میں ایک مضمون سے دوسرے مضمون کی طرف گریز کرتا ہے اسی طرح آپ نے بھی اپنے خط میں گریز کرنا چاہا ہو گا۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت میں نبوں کے پیش کرنے کا ذکر کرتے ہوئے آپ کے دعاوی کا ذکر شروع کر دیا۔ لیکن یہ کوئی گریز نہیں ہے بلکہ زبردستی ہے۔

(۴۳۲) بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ مکرمی مفتی محمد صادق صاحب نے مجھ سے بیان کیا کہ

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ میں ایک دفعہ نماز استسقاء ہوئی تھی جس میں حضرت صاحب بھی شامل ہوئے تھے اور شاید مولوی محمد احسن صاحب مرحوم امام ہوئے تھے۔ لوگ اس نماز میں بہت روئے تھے۔ مگر حضرت صاحب میں چونکہ ضبط کمال کا تھا اسلئے آپ کو میں نے روتے نہیں دیکھا اور مجھے یاد ہے کہ اسکے بعد بہت جلد بادل آکر بارش ہوگئی تھی بلکہ شائد اسی دن بارش ہوگئی تھی۔

(۴۳۳) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ مکرمی مفتی محمد صادق صاحب نے بیان کیا کہ میں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو صرف ایک دفعہ روتے دیکھا ہے اور وہ اس طرح کہ ایک دفعہ آپ اپنے خدام کے ساتھ سیر کے لئے تشریف لے جارہے تھے اور ان دنوں میں حاجی حبیب الرحمٰن صاحب حاجی پورہ والوں کے داماد قادیان آئے ہوئے تھے۔ کسی شخص نے حضرت صاحب سے عرض کیا کہ حضور یہ قرآن شریف بہت اچھا پڑھتے ہیں۔ حضرت صاحب وہیں رستہ کے ایک طرف بیٹھ گئے اور فرمایا کہ کچھ قرآن شریف پڑھکر سنائیں۔ چنانچہ انہوں نے قرآن شریف سنایا تو اس وقت میں نے دیکھا کہ آپ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے تھے اور حضرت مولوی عبدالکریم صاحب کی وفات پر میں نے بہت غور سے دیکھا مگر میں نے آپ کو روتے نہیں پایا۔ حالانکہ آپ کو مولوی صاحب کی وفات کا نہایت سخت صدمہ تھا۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ یہ بالکل درست ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام بہت کم روتے تھے اور آپ کو اپنے آپ پر بہت ضبط حاصل تھا اور جب کبھی آپ روتے بھی تھے تو صرف اس حد تک روتے تھے کہ آپ کی آنکھیں ڈبڈبا آتی تھیں۔ اس سے زیادہ آپ کو روتے نہیں دیکھا گیا۔

(۴۳۴) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ مکرمی مفتی محمد صادق صاحب نے مجھ سے بیان کیا کہ ایک دفعہ میاں اللہ دین عرف فلاسفر نے۔ جن کی زبان کچھ آزاد واقع ہوئی ہے حضرت مولوی عبدالکریم صاحب کی کچھ گستاخی کی جس پر حضرت مولوی صاحب کو غصہ آگیا اور اُنہوں نے فلاسفر کو ایک تھپڑ ماردیا۔ اس پر فلاسفر صاحب اور تیز ہو گئے۔ اور بہت بُرا بھلا کہنے لگے جس پر بعض لوگوں نے فلاسفر کو خوب اچھی طرح زدوکوب کیا۔ اس پر فلاسفر نے چوک میں کھڑے ہو کر بڑے زور سے رونا چلانا شروع کر دیا اور آہ وپکار کے نعرے بلند کئے۔ یہ آواز اندرون خانہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے کانوں تک بھی جا پہنچی اور آپ بہت سخت ناراض ہوئے۔ چنانچہ جب آپ نماز مغرب کے

قبل مسجد میں تشریف لائے تو آپ کے چہرے پر ناراضگی کے آثار تھے اور آپ مسجد میں ادھر ادھر ٹہلنے لگے۔ اسوقت حضرت مولوی عبدالکریم صاحب بھی موجود تھے۔ حضرت صاحب نے فرمایا کہ اس طرح کسی کو مارنا بہت ناپسندیدہ فعل ہے اور یہ بہت بُری حرکت کی گئی ہے۔ مولوی عبدالکریم صاحب نے فلاسفر کے گستاخانہ رویہ اور اپنی بریت کے متعلق کچھ عرض کیا مگر حضرت صاحب نے غصہ سے فرمایا کہ نہیں یہ بہت ناواجب بات ہوئی ہے۔ جب خدا کا رسول آپ لوگوں کے اندر موجود ہے تو آپ کو خود بخود اپنی رائے سے کوئی فعل نہیں کرنا چاہئے تھا بلکہ مجھ سے پوچھنا چاہئے تھا۔ وغیر ذلک۔ حضرت صاحب کی اس تقریر پر حضرت مولوی عبدالکریم صاحب رو پڑے اور حضرت صاحب سے معافی مانگی اور عرض کیا کہ حضور میرے لئے دعا فرمائیں۔ اور اس کے بعد مارنے والوں نے فلاسفر سے معافی مانگ کر اسے راضی کیا اور اسے دودھ وغیرہ پلایا۔

(۴۳۵) بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ میاں فخر الدین صاحب ملتانی ثم قادیانی نے مجھ سے بیان کیا کہ جب ۱۹۰۱ء میں حضرت بیوی صاحبہ لاہور تشریف لے گئیں تو ان کی واپسی کی اطلاع آنے پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام ان کو لانے کے لئے بٹالہ تک تشریف لے گئے۔ میں نے بھی مولوی سید محمد احسن صاحب مرحوم کے وسطہ سے حضرت صاحب سے آپ کے ساتھ جانے کی اجازت حاصل کی اور حضرت صاحب نے اجازت عطا فرمائی۔ مگر مولوی صاحب سے فرمایا کہ فخر الدین سے کہدیں کہ اور کسی کو خبر نہ کرے اور خاموشی سے ساتھ چلا چلے۔ بعض اور لوگ بھی حضرت صاحب کے ساتھ ہمرکاب ہوئے۔ حضرت صاحب پالکی میں بیٹھ کر روانہ ہوئے جسے آٹھ کہار باری باری اُٹھاتے تھے۔ قادیان سے نکلتے ہی حضرت صاحب نے قرآن شریف کھول کر اپنے سامنے رکھ لیا اور سورہ فاتحہ کی تلاوت شروع فرمائی اور میں غور کے ساتھ دیکھتا گیا کہ بٹالہ تک حضرت صاحب سورہ فاتحہ ہی پڑھتے چلے گئے اور دوسرا ورق نہیں اُلٹا۔ رستہ میں ایک دفعہ نہر پر حضرت صاحب نے اتر کر پیشاب کیا اور پھر وضو کرکے پالکی میں بیٹھ گئے اور اسکے بعد پھر اسی طرح سورۃ فاتحہ کی تلاوت میں مصروف ہو گئے۔ بٹالہ پہنچ کر حضرت صاحب نے سب خدام کی معیت میں کھانا کھایا اور پھر سٹیشن پر تشریف لے گئے۔ جب حضرت صاحب سٹیشن پہنچے تو گاڑی آچکی تھی۔ اور حضرت بیوی صاحبہ گاڑی سے اُتر کر آئی ہوئی تھیں اور حضرت صاحب کو ادھر دیکھ رہی تھیں۔ حضرت صاحب بھی بیوی صاحبہ کو دیکھتے

پھرتے تھے کہ اتنے میں لوگوں کے مجمع میں حضرت بیوی صاحبہ کی نظر حضرت صاحب پر پڑ گئی اور انھوں نے محمود کے ابا کہکر حضرت صاحب کو اپنی طرف متوجہ کیا اور پھر حضرت صاحب نے سٹیشن پر ہی سب لوگوں کے سامنے بیوی صاحبہ کے ساتھ مصافحہ فرمایا اور ان کو ساتھ لے کر فرودگاہ پر واپس تشریف لے آئے۔

(۴۳۶) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ آج بتاریخ ۷ اکتوبر ۱۹۲۷ء بروز جمعہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ایک بہت بڑی یادگار اور خداوند عالم کی ایک زبردست آیت مقبرہ بہشتی میں سپرد خاک ہوگئی۔ یعنے میاں عبداللہ صاحب سنوری کے ساتھ حضرت مسیح موعود کا وہ کُرتہ جس پر خدائی روشنائی کے چھینٹے پڑے تھے دفن کر دیا گیا۔ خاکسار نے سیرۃ المہدی حصہ اول میں میاں عبداللہ صاحب کی زبانی وہ واقعہ قلمبند کیا ہے جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے کرتہ پر چھینٹے پڑنے کے متعلق ہے۔ حضرت صاحب نے میاں عبداللہ صاحب کے اصرار پر ان کو یہ کرتہ عنایت کرتے ہوئے ہدائت فرمائی تھی کہ یہ کرتہ میاں عبداللہ صاحب کی وفات پر ان کے ساتھ دفن کر دیا جاوے تاکہ بعد میں کسی زمانہ میں شرک کا موجب نہ بنے سو آج میاں عبداللہ صاحب کی وفات پر وہ ان کے ساتھ دفن کر دیا گیا۔ مجھے یہ کرتہ میاں عبداللہ صاحب نے اپنی زندگی میں کئی دفعہ دکھایا تھا اور میں نے وہ چھینٹے بھی دیکھے تھے جو خدائی ہاتھ کی روشنائی سے اس پر پڑے تھے۔ اور جب آج آخری وقت میں غسل کے بعد یہ کرتہ میاں عبداللہ صاحب کو پہنایا گیا تو اس وقت بھی خاکسار وہاں موجود تھا۔ میاں عبداللہ صاحب نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ہاتھ کا دیا ہوا ایک صابن کا ٹکڑا اور ایک بالوں کو لگانے کے تیل کی چھوٹی بوتل اور ایک عطر کی چھوٹی سی شیشی بھی رکھی ہوئی تھی اور غسل کے بعد جو اسی صابن سے دیا گیا۔ یہی تیل اور عطر میاں عبداللہ صاحب کے بالوں وغیرہ کو لگایا گیا۔ اور کرتہ پہنائے جانے کے بعد خاکسار نے خود اپنے ہاتھ سے کچھ عطر اس کرتہ پر بھی لگایا۔ نماز جنازہ سے قبل جب تک حضرت خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ کی آمد کا انتظار رہا لوگ نہائت شوق اور درد و رقت کے ساتھ میاں عبداللہ صاحب کو دیکھتے رہے جو اس کرتہ میں ملبوس ہوکر عجیب شان میں نظر آتے تھے اور جنازہ میں اس کثرت کے ساتھ لوگ شریک ہوئے کہ اس سے قبل میں نے قادیان میں کسی جنازہ میں

اتنا مجمع نہیں دیکھا۔ اسکے بعد حضرت خلیفۃ المسیح کے سامنے میاں عبداللہ صاحب کو اس کرتہ کے ساتھ بہشتی مقبرہ کے خاص بلاک میں جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے سابقون اولون خدام کے لئے مخصوص ہے دفن کیا گیا اور حضرت خلیفۃ المسیح نے دفن کئے جانے کے وقت فرمایا کہ جن لوگوں کے سامنے یہ کرتہ بعد غسل میاں عبداللہ صاحب کو پہنایا گیا ان کی ایک حلفیہ شہادت اخبار میں شائع ہونی چاہیئے تاکہ کسی آئندہ زمانہ میں کوئی شخص کوئی جعلی کرتہ پیش کرکے یہ دعویٰ نہ کرے کہ یہی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا وہ کرتہ ہے جس پر چھینٹے پڑے تھے۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ میاں عبداللہ صاحب مرحوم سابقون اولون میں سے تھے۔ اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ساتھ ان کو ایک غیر معمولی عشق تھا۔ میرے ساتھ جب وہ حضرت صاحب کا ذکر فرماتے تھے تو اکثر ان کی آنکھیں ڈبڈبا آتی تھیں اور بعض اوقات ایسی رقت طاری ہو جاتی تھی کہ وہ بات نہیں کر سکتے تھے۔ جب وہ پہلے پہل حضرت صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے تو ان کی عمر صرف اٹھارہ سال کی تھی اور اسکے بعد آخری لمحہ تک ایسے روز افزوں اخلاص اور وفاداری کے ساتھ مرحوم نے اس تعلق کو نبھایا کہ جو صرف انبیاء کے خاص اصحاب ہی کی شان ہے۔ ایسے لوگ جماعت کے لئے موجب برکت و رحمت ہوتے ہیں اور ان کی وفات ایک ایسا قومی نقصان ہوتی ہے جس کی تلافی ممکن نہیں ہوتی۔ مرحوم کو اس خاکسار کے ساتھ بہت انس تھا اور آخری ایام میں جب کہ وہ پنشن لے کر قادیان آگئے تھے انھوں نے خاص شوق کے ساتھ ہمارے اس نئے باغ کا انتظام اپنے ہاتھ میں لے لیا تھا جو فارم کے نام سے مشہور ہے اور جو یہ خاکسار کچھ عرصہ سے تیار کروا رہا ہے اور پھر مرحوم نے اس انتظام کو ایسی خوبی کے ساتھ نبھایا کہ میں اسکے تفکرات سے قریباً بالکل آزاد ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کو عالم اُخروی میں اعلےٰ انعامات کا وارث کرے اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے خاص قرب میں جگہ عطا فرمائے جنکا عشق مرحوم کی زندگی کا جزو تھا اور مرحوم کے پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق دے۔ اللھم آمین۔ بوقت وفات مرحوم کی عمر کم و بیش چھیاسٹھ سال کی تھی وفات مرض فالج سے ہوئی جس میں مرحوم نے تیرہ دن بہت تکلیف سے کاٹے فالج کا اثر زبان پر بھی تھا اور طاقت گویائی نہیں رہی تھی مگر ہوش قائم تھے۔ یوں تو سب نے مرنا ہے مگر ایسے پاک نفس بزرگوں کی جدائی دل پر سخت شاق گذرتی ہے۔ اور زیادہ افسوس یہ ہے کہ حضرت

مسیح موعود علیہ السلام کے دیرینہ صحبت یافتہ یکے بعد دیگرے گذرتے جاتے ہیں اور ابھی تک ہم میں اکثر نے ان سے وہ درس وفا نہیں سیکھا جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام خدا کی طرف سے لائے تھے اور جس کے بغیر ایک مذہبی قوم کی ترقی محال ہے ؎

(۴۳۷) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ ہماری تائی صاحبہ نے مجھ سے بیان کیا کہ میں تمہارے تایا سے عمر میں چند ماہ بڑی تھی اور تمہارے تایا تمہارے ابا سے دو سال بڑے تھے۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ اس حساب سے ہماری تائی صاحبہ کی عمر اس وقت جو اکتوبر ۱۹۲۷ء ہے قریباً ستانوے سال کی بنتی ہے مگر یہ عمروں کا معاملہ کچھ شکی سا ہے کیونکہ سارا حساب زبانی ہے۔ اس زمانہ میں عمروں کے متعلق کوئی تحریری ضبط نہیں تھا۔ نیز تائی صاحبہ نے بیان کیا کہ تمہارے دادا کے ہاں صرف چار بچے پیدا ہوئے۔ سب سے بڑی مراد بیگم تھیں۔ پھر تمہارے تایا پیدا ہوئے اور پھر تمہارے ابا اور ان کے ساتھ ایک لڑکی توام پیدا ہوئی۔ مگر یہ لڑکی جلد فوت ہو گئی۔ ان سب میں دو دو سال کا فرق تھا ؎

(۴۳۸) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ خاکسار کی نانی اماں نے مجھ سے بیان کیا۔ کہ جب تمہارے نانا جان کی اس نہر کے بنوانے پر ڈیوٹی لگی جو قادیان سے غرب کی طرف دو ڈھائی میل کے فاصلہ پر سے گذرتی ہے تو اسوقت تمہارے تایا مرزا غلام قادر صاحب کے ساتھ ان کا کچھ تعارف ہو گیا اور اتفاق سے ان دنوں میں مَیں کچھ بیمار ہوئی تو تمہارے تایا نے میر صاحب سے کہا کہ میرے والد صاحب بہت ماہر طبیب ہیں۔ آپ ان سے علاج کرائیں چنانچہ تمہارے نانا مجھے ڈولے میں بٹھا کر قادیان لائے۔ جب میں یہاں آئی تو نیچے کی منزل میں تمہارے تایا مجلس لگائے ہوئے بیٹھے تھے اور کچھ لوگ ان کے آس پاس بیٹھے تھے اور ایک نیچے کی کوٹھری میں تمہارے ابا (حضرت مسیح موعود علیہ السلام) ایک کھڑکی کے پاس بیٹھے ہوئے قرآن شریف پڑھ رہے تھے اور اوپر کی منزل میں تمہارے دادا صاحب تھے۔ تمہارے دادا نے میری نبض دیکھی اور ایک نسخہ لکھ دیا اور پھر میر صاحب کے ساتھ اپنے دلی جانے اور وہاں حکیم محمد شریف صاحب سے علم طب سیکھنے کا ذکر کرتے رہے۔ اس کے بعد میں جب دوسری دفعہ قادیان آئی تو تمہارے دادا فوت ہو چکے تھے اور ان کی برسی کا دن تھا جو قدیم رسوم کے مطابق منائی جارہی تھی۔ چنانچہ ہمارے گھر بھی بہت سا کھانا وغیرہ آیا تھا۔ اس دفعہ

تمہارے تایا نے میر صاحب سے کہا کہ آپ تتلہ (قادیان کے قریب ایک گاؤں ہے) میں رہتے ہیں جہاں آپ کو تکلیف ہوتی ہوگی اور وہ گاؤں بھی بدمعاش لوگوں کا گاؤں ہے۔ بہتر ہے کہ آپ یہاں ہمارے مکان میں آجائیں۔ میں گورداسپور رہتا ہوں اور غلام احمدؑ (یعنے حضرت مسیح موعود علیہ السلام) بھی گھر میں بہت کم آتا ہے۔ اسلئے آپ کو پردہ وغیرہ کی تکلیف نہیں ہوگی۔ چنانچہ میر صاحب نے مان لیا اور ہم یہاں آکر رہنے لگے۔ ان دنوں میں جب بھی تمہارے تایا گورداسپور سے قادیان آتے تھے تو ہمارے لئے پان لایا کرتے تھے اور میں ان کے واسطے کوئی اچھا سا کھانا وغیرہ تیار کر کے بھیجا کرتی تھی۔ ایک دفعہ جو میں نے شامی کباب ان کے لئے تیار کئے اور بھیجنے لگی تو مجھے معلوم ہوا کہ وہ گورداسپور واپس چلے گئے ہیں۔ جس پر مجھے خیال آیا کہ کباب تو تیار ہی ہیں میں ان کے چھوٹے بھائی کو بھجوا دیتی ہوں چنانچہ میں نے نائن کے ہاتھ تمہارے ابا کو کباب بھجوا دیئے اور نائن نے مجھے آکر کہا کہ وہ بہت ہی شکر گزار ہوئے تھے اور انہوں نے بڑی خوشی سے کباب کھائے اور اسدن انھوں نے اپنے گھر سے آیا ہوا کھانا نہیں کھایا۔ اسکے بعد میں ہر دوسرے تیسرے ان کو کچھ کھانا بنا کر بھیجدیا کرتی تھی اور وہ بڑی خوشی سے کھاتے تھے لیکن جب اس بات کی اطلاع تمہاری تائی کو ہوئی تو انہوں نے بہت بُرا منایا کہ میں کیوں ان کو کھانا بھیجتی ہوں۔ کیونکہ وہ اس زمانہ میں تمہارے ابا کے سخت مخالف تھیں اور چونکہ گھر کا سارا انتظام ان کے ہاتھ میں تھا وہ ہر بات میں انھیں تکلیف پہنچاتی تھیں مگر تمہارے ابا صبر کے ساتھ ہر بات کو برداشت کرتے تھے۔ ان دنوں میں گو میر صاحب کا زیادہ تعلق تمہارے تایا سے تھا مگر وہ کبھی کبھی گھر میں آکر کہتے تھے کہ مرزا غلام قادر کا چھوٹا بھائی بہت نیک اور متقی آدمی ہے۔ اسکے بعد ہم رخصت پر دہلی گئے اور چونکہ تمہاری اماں اسوقت جوان ہو چکی تھیں ہمیں انکی شادی کا فکر پیدا ہوا اور میر صاحب نے ایک خط تمہارے ابا کے نام لکھا کہ مجھے اپنی لڑکی کے واسطے بہت فکر ہے آپ دعا کریں کہ خدا کسی نیک آدمی کے ساتھ تعلق کی صورت پیدا کردے تمہارے ابا نے جواب میں لکھا کہ اگر آپ پسند کریں تو میں خود شادی کرنا چاہتا ہوں اور آپ کو معلوم ہے کہ گو میری پہلی بیوی موجود ہے اور بچے بھی ہیں مگر آجکل میں عملاً مجرد ہی ہوں وغیرہ ذلک۔ میر صاحب نے اس ڈر کی وجہ سے کہ میں اسے بُرا مانوں گی مجھ سے اس خط کا ذکر نہیں کیا۔ اور اس عرصہ میں اور بھی کئی جگہ سے تمہاری اماں کے لئے پیغام آئے لیکن میری کسی جگہ تسلی نہ ہوئی۔ حالانکہ بعض پیغام

دہنے والوں میں سے بعض اچھے اچھے متمول آدمی بھی تھے اور بہت اصرار کے ساتھ درخواست کرتے تھے۔ مولوی محمد حسین بٹالوی کے ساتھ تمہارے نانا کے بہت تعلقات تھے انہوں نے کئی دفعہ تمہارے ابا کے لئے سفارشی خط لکھا اور بہت زور دیا کہ مرزا صاحب بڑے نیک اور شریف اور خاندانی آدمی ہیں مگر میری یہاں بھی تسلی نہ ہوئی کیونکہ ایک تو عمر کا بہت فرق تھا دوسرے ان دنوں میں دہلی والوں میں پنجابیوں کے خلاف بہت تعصب ہوتا تھا۔ بالآخر ایک دن میر صاحب نے ایک لدھیانہ کے باشندہ کے متعلق کہا کہ اس کی طرف سے بہت اصرار کی درخواست ہے اور ہے بھی وہ اچھا آدمی اسے رشتہ دیدو۔ میں نے اس کی ذات وغیرہ دریافت کی تو مجھے شرح صدر نہ ہوا اور میں نے انکار کیا جس پر میر صاحب نے کچھ ناراض ہو کر کہا کہ لڑکی اٹھارہ سال کی ہو گئی ہے کیا ساری عمر اسے یونہی بٹھا چھوڑو گی میں نے جواب دیا کہ ان لوگوں سے تو پھر غلام احمدؑ ہی ہزار درجہ اچھا ہے۔ میر صاحب نے جھٹ ایک خط نکال کر میرے سامنے رکھدیا کہ لو پھر مرزا غلام احمدؑ کا بھی خط آیا ہوا ہے۔ جو کچھ ہو ہمیں اب جلد فیصلہ کرنا چاہیئے۔ میں نے کہا اچھا۔ پھر غلام احمدؑ کو لکھدو۔ چنانچہ تمہارے نانا جان نے اسی وقت قلم دوات لیکر خط لکھدیا اور اسکے آٹھ دن بعد تمہارے ابا دہلی پہنچ گئے۔ ان کے ساتھ ایک دو نوکر تھے اور بعض ہندو اور مسلمان ساتھی تھے۔ جب ہماری برادری کے لوگوں کو معلوم ہوا تو وہ سخت ناراض ہوئے کہ ایک بوڑھے شخص کو اور پھر پنجابی کو رشتہ دیدیا ہے اور کئی لوگ ان میں سے اسی ناراضگی میں نکاح میں شامل بھی نہیں ہوئے۔ مگر ہم نے فیصلہ کر لیا ہوا تھا۔ نکاح پڑھا کر رخصتانہ کر دیا۔ تمہارے ابا اپنے ساتھ کوئی زیور یا کپڑا وغیرہ نہیں لے گئے تھے۔ بلکہ صرف ڈھائی سو روپیہ نقد لے گئے تھے۔ اس پر بھی برادری والوں نے بہت طعن دیئے۔ کہ اچھا نکاح ہوا ہے کہ کوئی زیور کپڑا ساتھ نہیں آیا جس کا جواب ہماری طرف سے یہ دیا گیا کہ مرزا صاحب کے اپنے رشتہ داروں کے ساتھ زیادہ تعلقات نہیں ہیں اور گھر کی عورتیں ان کی مخالف ہیں اور پھر وہ جلدی میں آئے ہیں اس حالت میں وہ زیور اور کپڑے کہاں سے بنوا لاتے۔ الغرض برادری کی طرف سے اس قسم کے طعن تشنیع بہت ہوئے۔ اور مزید برآں یہ اتفاق ہوا کہ جب تمہاری اماں قادیان آئیں تو یہاں سے ان کے خط گئے کہ میں سخت گھبرائی ہوئی ہوں اور شائد میں اس غم اور گھبراہٹ سے مر جاؤنگی چنانچہ ان خطوں کی وجہ سے ہمارے خاندان کے لوگوں کو اور بھی اعتراض کا موقعہ مل گیا۔ اور بعض نے

کہا کہ اگر آدمی نیک تھا تو اس کی نیکی کیوجہ سے لڑکی کی عمر کیوں خراب کی۔ اس پر ہم لوگ بھی کچھ گھبرا گئے اور رخصتانہ کے ایک مہینہ کے بعد میر صاحب قادیان آکر تمہاری اماں کو لے گئے۔ جب وہ دہلی پہنچے تو میں نے اس عورت سے پوچھا جس کو میں نے دتی سے ساتھ بھیجا تھا کہ لڑکی کیسی رہی؟ اس عورت نے تمہارے ابا کی بہت تعریف کی اور کہا کہ لڑکی یونہی شروع شروع میں اجنبیت کی وجہ سے گھبرا گئی ہوگی ورنہ مرزا صاحب نے تو ان کو بہت ہی اچھی طرح سے رکھا ہے اور وہ بہت اچھے آدمی ہیں اور تمہاری اماں نے بھی کہا کہ مجھے انہوں نے بڑے آرام کے ساتھ رکھا مگر میں یونہی گھبرا گئی تھی۔ اس کے تھوڑے عرصہ کے بعد تمہاری اماں پھر قادیان آگئیں اور پھر بہت عرصہ کے بعد واپس ہمارے پاس گئیں۔

(۴۳۹) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ میاں غلام نبی صاحب سیٹھی نے جو پہلے راول پنڈی میں تجارت کرتے تھے اور آجکل قادیان میں ہجرت کر آئے ہوئے ہیں مجھے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ایک خط دیا ہے جو حضور نے سیٹھی صاحب کو اپریل ۱۸۹۸ء میں اپنے دست مبارک سے لکھکر ارسال کیا تھا۔ اس خط میں مسئلہ سود کے متعلق حضرت کا ایک اصولی فیصلہ درج ہے۔ اور اسلئے میں اسے ذیل میں نقل کرتا ہوں:۔

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ نحمدہٗ ونصلی علےٰ رسولہ الکریم۔ محبی عزیزی شیخ غلام نبی صاحب سلمہٗ تعالیٰ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ کل کی ڈاک میں مجھ کو آپ کا عنایت نامہ ملا۔ میں امید رکھتا ہوں کہ آپ کی اس نیک نیتی اور خوف الٰہی پر اللہ تعالیٰ خود کوئی طریق مخلصی پیدا کر دے گا۔ اُس وقت تک صبر سے استغفار کرنا چاہئیے۔ اور سود کے بارے میں میرے نزدیک ایک انتظام احسن ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ جس قدر سود کا روپیہ آوے آپ اپنے کام میں اسکو خرچ نہ کریں۔ بلکہ اسکو الگ جگہ جمع کرتے جائیں۔ اور جب سود دینا پڑے اسی روپیہ میں سے دیدیں۔ اور اگر آپکے خیال میں کچھ زیادہ روپیہ ہو جائے تو اس میں کچھ مضائقہ نہیں ہے کہ وہ روپیہ کسی ایسے دینی کام میں خرچ ہو جس میں کسی شخص کا ذاتی خرچ نہ ہو۔ بلکہ صرف اس سے اشاعت دین ہو۔ میں اس سے پہلے یہ فتویٰ اپنی جماعت کیلئے بھی دے چکا ہوں کہ اللہ تعالےٰ نے جو سود حرام فرمایا ہے وہ انسان کی ذاتیات کے لئے ہے۔ حرام یہ طریق ہے کہ کوئی انسان سود کے روپیہ سے اپنی اور اپنے عیال کی معیشت چلاوے۔ یا

خوراک یا پوشاک یا عمارت میں خرچ کرے یا ایسا ہی کسی دوسرے کو اس نیت سے دے کہ وہ اس میں سے کھاوے یا پہنے۔ لیکن اسطرح پر سود کے روپیہ کا خرچ کرنا ہرگز حرام نہیں ہے کہ وہ بغیر اپنے کسی ذرہ ذاتی نفع کے خدا تعالےٰ کی طرف رد کیا جائے یعنی اشاعت دین پر خرچ کیا جائے۔ قرآن شریف سے ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر ایک چیز کا مالک ہے۔ جو چیز اس کی طرف آتی ہے وہ پاک ہو جاتی ہے بجز اسکے کہ ایسے مال نہ ہوں کہ انسانوں کی مرضی کے بغیر لئے گئے ہوں جیسے چوری یا رہزنی یا ڈاکہ۔ کہ یہ مال کسی طرح سے بھی خدا کے اور دین کے کاموں میں بھی خرچ کرنے کے لائق نہیں لیکن جو مال رضامندی سے حاصل کیا گیا ہو وہ خدا تعالےٰ کے دین کی راہ میں خرچ ہو سکتا ہے دیکھنا چاہئے کہ ہم لوگوں کو اسوقت مخالفوں کے مقابل پر جو ہمارے دین کے رد میں شائع کر تے ہیں۔ کس قدر روپیہ کی ضرورت ہے۔ گویا یہ ایک جنگ ہے جو ہم ان سے کر رہے ہیں۔ اس صورت میں اس جنگ کی امداد کیلئے ایسے مال اگر خرچ کئے جائیں تو کچھ مضائقہ نہیں۔ یہ فتویٰ ہے جو میں نے دیا ہے۔ اور بیگانہ عورتوں سے بچنے کے لئے آنکھوں کو خوابیدہ رکھنا اور کھول کر نظر نہ ڈالنا کافی ہے۔ اور پھر خدا تعالیٰ سے دعا کرتے رہیں۔ یہ تو شکر کی بات ہے کہ دینی سلسلہ کی تائید میں آپ ہمیشہ اپنے مال سے مدد دیتے رہتے ہیں۔ اس ضرورت کے وقت یہ ایک ایسا کام ہے کہ میرے خیال میں خدا تعالیٰ کے راضی کرنے کے لئے نہایت اقرب طریق ہے۔ سو شکر کرنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے آپکو توفیق دے رکھی ہے۔ اور میں دیکھتا ہوں کہ ہمیشہ آپ اس راہ میں سرگرم ہیں۔ ان عملوں کو اللہ تعالیٰ دیکھتا ہے وہ جزا دیگا۔ ہاں ماسوا اسکے دعا اور استغفار میں بھی مشغول رہنا چاہئے۔ زیادہ خیریت ہے۔ والسلام۔ خاکسار مرزا غلام احمد از قادیان ۲۴ر اپریل ۱۸۹۸ء۔

سود کے اشاعتِ دین میں خرچ کرنے سے میرا یہ مطلب نہیں ہے کہ کوئی انسان عمداً اپنے تئیں اس کام میں ڈالے۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ اگر کسی مجبوری سے جیساکہ آپکو پیش ہے یا کسی اتفاق سے کوئی شخص سود کے روپیہ کا وارث ہو جائے تو وہ روپیہ اُس طرح پر جیساکہ مینے بیان (کیا ہے) خرچ ہو سکتا ہے اور اسکے ساتھ ثواب کا بھی مستحق ہوگا۔ غ "

خاکسار عرض کرتا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اس خط سے جسے میں خوب اچھی طرح پہچانتا ہوں کہ وہ آپ ہی کا ہے مندرجہ ذیل اصولی باتیں پتہ لگتی ہیں:۔

(۱) سودی آمدنی کا روپیہ سود کی ادائیگی پر خرچ کیا جا سکتا ہے۔ بلکہ اگر حالات کی مجبوری پیدا ہو جائے اور سود دینا پڑ جائے تو اسکے واسطے یہی انتظام احسن ہے کہ سودی آمد کا روپیہ سود کی ادائیگی میں خرچ کیا جاوے۔ مسلمان تاجر جو آجکل گردوپیش کے حالات کی مجبوری کی وجہ سے سود سے بچ نہ سکتے ہوں وہ ایسا انتظام کر سکتے ہیں؛

(۲) سود کی آمد کا روپیہ باقی روپے سے الگ حساب رکھ کر جمع کرنا چاہئے تاکہ دوسرے روپے کے حساب کے ساتھ مخلوط نہ ہو اور اسکا مصرف الگ ممتاز رکھا جا سکے؛

(۳) سود کا روپیہ کسی صورت میں بھی ذاتی مصارف میں خرچ نہیں کیا جا سکتا اور نہ کسی دوسرے کو اس نیت سے دیا جا سکتا ہے کہ وہ اسے اپنی ذاتی مصارف میں خرچ کرے؛

(۴) سودی آمد کا روپیہ ایسے دینی کام میں خرچ ہو سکتا ہے جس میں کسی شخص کا ذاتی خرچ شامل نہ ہو مثلاً طبع و اشاعت لٹریچر۔ مصارف ڈاک وغیر ذالک؛

(۵) دین کی راہ میں ایسے اموال خرچ کئے جا سکتے ہیں جنکا استعمال گو افراد کے لئے ممنوع ہو لیکن وہ دوسروں کی رضامندی کے خلاف نہ حاصل کئے گئے ہوں یعنے ان کے حصول میں کوئی رنگ جبر اور دھوکے کا نہ ہو جیسا کہ مثلاً چوری یا ڈاکہ یا خیانت وغیرہ میں ہوتا ہے؛

(۶) اسلام اور مسلمانوں کی موجودہ نازک حالت اس فتوے کی مؤید ہے۔

(۷) لیکن ایسا نہیں ہونا چاہئے کہ کوئی شخص اپنے آپ کو عمداً سود کے لین دین میں ڈالے بلکہ مذکورہ بالا فتویٰ صرف اسی صورت میں ہے کہ کوئی حالات کی مجبوری پیش آجائے یا کسی اتفاق کے نتیجہ میں کوئی شخص سودی روپے کا وارث بن جاوے؛

(۸) موجودہ زمانہ میں تجارت وغیرہ کے معاملات میں جو طریق سود کے لین دین کا قائم ہو گیا ہے اور جس کی وجہ سے فی زمانہ کوئی بڑی تجارت بغیر سودی لین دین میں پڑنے کے نہیں کی جا سکتی وہ ایک حالات کی مجبوری سمجھی جاوے گی جس کے ماتحت سود کا لینا دینا مذکورہ بالا شرائط کے مطابق جائز ہوگا۔ کیونکہ حضرت صاحب نے سیٹھی صاحب کی مجبوری کو جو ایک تاجر تھے اور اسی قسم کے حالات ان کو پیش آتے تھے اس فتویٰ کی اغراض کے لئے ایک صحیح مجبوری قرار دیا ہے۔ گویا حضرت صاحب کا منشاء یہ ہے کہ کوئی شخص سود کے لین دین کو ایک غرض و غایت بنا کر کاروبار نہ کرے

لیکن اگر عام تجارت وغیرہ میں گردو پیش کے حالات کے ماتحت سودی لین دین پیش آجاوے تو اس میں مضائقہ نہیں اور اس صورت کو ملحوظ رکھتے ہوئے یہ فتویٰ دیا گیا ہے۔ اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے نزدیک ایسا نہیں ہونا چاہئیے کہ سود میں ملوث ہونے کے اندیشہ سے مسلمان لوگ تجارت چھوڑ دیں۔ یا اپنے کاروبار کو صرف معمولی دکانوں تک محدود رکھیں جن میں سود کی دقت بالعموم پیش نہیں آتی۔ اور اس طرح مخالف اقوام کے مقابلہ میں اپنے اقتصادیات کو تباہ کرلیں؛

(۹) اس فتویٰ کے ماتحت اس زمانہ میں مسلمانوں کی بہبودی کے لئے بینک بھی جاری کئے جا سکتے ہیں جن میں اگر حالات کی مجبوری کی وجہ سے سودی لین دین کرنا پڑے تو بشرائط مذکورہ بالا حرج نہیں؛

(۱۰) جو شخص اس فتویٰ کے ماتحت سودی روپیہ حاصل کرتا ہے اور پھر اسے دین کی راہ میں خرچ کرتا ہے وہ اس خرچ کی وجہ سے بھی عنداللہ ثواب کا مستحق ہوگا؛

(۱۱) ایک اصولی بات اس خط میں موجودہ زمانہ میں بے پردہ عورتوں سے ملنے جلنے کے متعلق بھی پائی جاتی ہے۔ اور وہ یہ کہ اس زمانہ میں جو بے پردہ عورتیں کثرت کے ساتھ باہر پھرتی ہوئی نظر آتی ہیں، اور جن سے نظر کو مطلقاً بچانا قریباً محال ہے اور بعض صورتوں میں بے پردہ عورتوں کے ساتھ انسان کو ملاقات بھی کرنی پڑ جاتی ہے۔ اسکے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے یہ ارشاد فرمایا ہے کہ ایسی غیر محرم عورتوں کے سامنے آتے ہوئے انسان کو یہ احتیاط کرلینی کافی ہے کہ کھول کر نظر نہ ڈالے اور اپنی آنکھوں کو خوابیدہ رکھے۔ اور یہ نہیں کہ انکے سامنے بالکل ہی نہ آئے۔ کیونکہ بعض عورتوں میں یہ بھی ایک حالات کی مجبوری ہے۔ ہاں آدمی کو چاہئیے کہ خدا سے دعا کرتا رہے کہ وہ اسے ہر قسم کے فتنے سے محفوظ رکھے۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ میں بچپن میں دیکھتا تھا کہ جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام گھر میں کسی ایسی عورت کے ساتھ بات کرنے لگتے تھے جو غیر محرم ہوتی تھی اور وہ آپ سے پردہ نہیں کرتی تھی تو آپ کی آنکھیں قریباً بند سی ہوتی تھیں اور مجھے یاد ہے کہ میں اس زمانہ میں دل میں تعجب کیا کرتا تھا کہ حضرت صاحب اس طرح آنکھوں کو بند کیوں رکھتے ہیں لیکن بڑے ہوکر سمجھ آئی کہ دراصل وہ اسی حکمت سے تھا؛

(۱۲) ایک بات حضرت صاحب کے اس خط سے یہ بھی معلوم ہوتی ہے کہ جو موجودہ نازک وقت

اسلام اور مسلمانوں پر آیا ہوا ہے اس میں سب اعمال سے بہتر عمل اسلام کی خدمت و نصرت ہے اور اس سے بڑھ کر خدا تک پہنچنے کا اور کوئی ذریعہ نہیں۔

اس خط میں ایک عجیب بات یہ بھی ہے کہ جو نوٹ حضرت اقدس نے اس خط کے نیچے اپنے دستخط کرنے کے بعد لکھا ہے اس کے اختتام پر حضرت صاحب نے بجائے پورے دستخط کے صرف غ کا حرف درج فرمایا ہے جیسا کہ انگریزی میں قاعدہ ہے کہ نام کا پہلا حرف لکھدیتے ہیں۔

(۴۴۰) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ حافظ نور احمد صاحب لدھیانوی نے مجھ سے بیان کیا کہ ابھی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا کوئی دعویٰ وغیرہ نہیں تھا اور مینے آپ کا نام تک نہ سُنا تھا کہ مجھے خواب میں ایک نظارہ دکھایا گیا جس میں مینے آنحضرت صلعم کو دیکھا اور آپ کے ساتھ بہت سے عالی مرتبہ صحابہ بھی تھے اور اس جماعت میں ایک شخص ایسا تھا جس کا لباس وغیرہ آنحضرت صلعم اور صحابہ سے مختلف تھا۔ اسکے متعلق مینے آنحضرت صلعم سے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ یہ کون شخص ہے؟ جس پر آپ نے فرمایا ھٰذا عیسیٰ یعنی یہ عیسے مسیح ہے اور آپ نے فرمایا کہ یہ قادیان میں رہتا ہے اور تم اس پر ایمان لانا۔ اسکے بعد میری آنکھ کھُل گئی۔ اور مینے قادیان کی تلاش شروع کی اور ضلع لدھیانہ میں ایک قادیان گاؤں ہے وہاں آیا گیا مگر کچھ پتہ نہ چلا۔ آخر جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام لدھیانہ تشریف لیگئے تو میں آپ کا نام سُن کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور مینے دیکھتے ہی آپ کو پہچان لیا کہ یہ وہی ہیں جو مجھے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خواب میں دکھائے گئے تھے اور جن کے متعلق آپ نے فرمایا تھا کہ یہ عیسیٰ ہیں تم اس پر ایمان لانا مگر اسوقت آپ کو مسیحیت کا کوئی دعویٰ نہ تھا اور نہ ہی سلسلہ بیعت شروع ہوا تھا۔ غرض اسوقت سے میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے معتقدین میں شامل ہوگیا۔ اور جب پہلی دفعہ لدھیانہ میں بیعت ہوئی تو مینے پہلی بیعت کے دوسرے دن چونسٹھ نمبر پر بیعت کی اور پہلے دن سب سے پہلی بیعت حضرت مولوی نور الدین صاحب نے کی تھی اور ان کے دوسرے نمبر پر شائد میر عباس علی نے کی تھی۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ حافظ صاحب بہت پرانے آدمیوں میں سے ہیں اور ان دنوں قادیان ہجرت کرکے آگئے ہیں اور معمر آدمی ہیں۔

(۴۴۱) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ حافظ نور احمد صاحب لدھیانوی نے مجھ سے بیان

کیا کہ ایک دفعہ جب کہ میں قادیان میں آیا ہوا تھا حضرت صاحب نے مجھ سے فرمایا کہ امرتسر سے کچھ سودا منگوانا ہے آپ جاکر لے آئیں۔ اور آپ نے مجھے بٹالہ تک سواری کے لئے اپنا گھوڑا دینا چاہا۔ مگر میںنے یہ کہکر عذر کیا کہ حضور گھوڑے کو میں کہاں سنبھالتا پھروں گا۔ میں بٹالہ تک پیدل ہی چلا جاتا ہوں۔ حضرت صاحب نے فرمایا کہ نہیں بٹالہ میں میاں عبدالرحیم صاحب ہیں ان کے مکان پر گھوڑا چھوڑ جانا اور آتے ہوئے لے آنا۔ میںنے عرض کیا نہیں حضور میں پیدل ہی جاتا ہوں۔ چنانچہ میں پیدل گیا اور بٹالہ سے ریل پر سوار ہوکر امرتسر سے سودا لے آیا۔ حافظ صاحب بیان کرتے تھے کہ میاں عبدالرحیم صاحب مولوی محمد حسین بٹالوی کے والد تھے اور حضرت صاحب کے ساتھ اچھے تعلقات رکھتے تھے۔ نیز حافظ صاحب نے بیان کیا کہ حضرت مسیح موعود گھوڑے کی اچھی سواری کر لیتے تھے۔ میںنے کئی دفعہ اوائل میں آپ کو گھوڑے پر چڑھے ہوئے دیکھا ہے۔ باوجود اسکے کہ آپ کا دایاں ہاتھ بوجہ ضرب کے کمزور تھا۔ آپ اچھی سواری کرتے تھے اور شروع شروع میں آپ کے گھر میں کوئی نہ کوئی گھوڑا رہا کرتا تھا۔

(۴۴۲) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ میاں غلام نبی صاحب سیٹھی نے مجھ سے بیان کیا کہ شروع شروع میں بوجہ اسکے کہ میری بیوی کو اٹھرا کا مرض تھا میری اولاد ضائع ہو ہو جاتی تھی۔ اور اس کے لئے میں ایک دفعہ قادیان آیا اور حضرت خلیفۃ المسیح اوّل کا علاج شروع کیا اور ساتھ ہی حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے دعاء کیلئے عرض کرتا رہا۔ انہی دنوں میں ایک دن میں حضرت خلیفہ اوّل رض کے مطب میں بیٹھا تھا کہ آپ تشریف لائے اور مجھے مخاطب کرکے فرمانے لگے۔ میاں غلام نبی! تمھیں مبارک ہو! اب تمھیں زیادہ علاج وغیرہ کی ضرورت نہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تمھارے لئے لڑکے کی بشارت دیدی ہے۔ اور پھر انھوں نے مجھے قصّہ سنایا کہ آج صبح حضرت مسیح موعود علیہ السلام حضرت ام المومنین کے ساتھ سیر کے لئے اپنی باغ کو تشریف لیگئے تھے۔ تمھاری بیوی بھی ساتھ چلی گئی تھی اور میری بیوی اور بعض اور مستورات بھی ساتھ تھیں۔ باغ میں جاکر حضرت مسیح موعود نے کچھ شہتوت منگوائے۔ جس پر بعض عورتیں حضرت کے لئے شہتوت لانے کے واسطے گئیں اور تمھاری بیوی بھی گئی۔ مگر اور عورتیں تو یونہی درخت پر سے شہتوت جھاڑ کرلے آئیں مگر تمھاری بیوی باغ کے ایک طرف جاکر اور

خود شہتوت کے درخت پر چڑھ کر اچھے اچھے شہتوت اپنے ہاتھ سے توڑ کر لائی۔ حضرت صاحب نے جب ان دونوں شہتوتوں کو دیکھا تو فرمایا کہ کیا بات ہے کہ یہ شہتوت میلے ہیں اور یہ بہت صاف ہیں؟ حضرت بیوی صاحبہ نے عرض کیا کہ یہ جو صاف شہتوت ہیں یہ غلام نبی کی بیوی خود درخت پر چڑھ کر آپ کے لئے ایک ایک دانہ توڑ کر لائی ہے۔ اس پر حضرت صاحب بہت خوش ہوئے اور اسکے لئے دعا فرمائی اور فرمایا کہ خدا اسے بچہ دے۔ میاں غلام نبی صاحب بیان کرتے ہیں کہ اسکے بعد اللہ تعالےٰ نے مجھے ایک لڑکا عطا کیا۔ لیکن لڑکا ڈیڑھ سال کی عمر پاکر فوت ہو گیا اور میں نے اس کی وفات پر حضرت صاحب کی خدمت میں خط لکھا کہ یہ لڑکا تو حضور کی دعا اور بشارت سے ہوا تھا مگر یہ بھی فوت ہو گیا ہے۔ حضور نے میرے اس خط کے جواب میں مندرجہ ذیل خط ارسال فرمایا:-

"۱۷۔ اکتوبر ۱۹۰۶ء۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ نحمدہٗ ونصلے۔ محبی عزیزی۔ میاں شیخ غلام نبی صاحب سلمہٗ تعالےٰ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ کارڈ پہنچا۔ آپ کو اپنے فرزند دلبند کی وفات پر بہت صدمہ ہوا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو نعم البدل عطا فرما دے۔ یہ خیال آپ دل میں نہ لاویں کہ اس لڑکے کی پیدائش تو بطور معجزہ تھی پھر وہ کیوں فوت ہو گیا کیونکہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے ما ننسخ من اٰیۃ او ننسہا نأت بخیر منہا او مثلہا الم تعلم ان اللہ علےٰ کل شیئ قدیر۔ یعنی اگر کوئی نشان اور معجزہ ہم دور کر دیتے ہیں تو اس سے بہتر اور نشان ظاہر کرتے ہیں۔ اور اولاد کے بارے میں یہ بھی فرمایا ہے۔ انما اموالکم واولادکم فتنۃ۔ یعنی تمہارے مال اور تمہاری اولاد تمہارے لئے فتنہ ہے یعنی آزمائش کی جگہ ہے۔ خدا تعالیٰ دیکھتا ہے کہ تم میں سے کون قائم رہتا ہے اور کون ٹھوکر کھاتا ہے۔ بالخصوص جبکہ آپ کی عمر ہنوز بہت چھوٹی ہے اور مرد کو تو نوّے ۹۰ برس کی عمر میں بھی اولاد ہو سکتی ہے۔ اسلئے میں لکھتا ہوں کہ آپ اب کی دفعہ تو ثواب حاصل کر لو اور اس آیت کی رو سے موعودہ رحمت میں سے حصہ لے لو جو اللہ تعالےٰ فرماتا ہے ولنبلونکم بشیئ من الخوف والجوع ونقص من الاموال والانفس والثمرات (و) بشر الصابرین الذین اذا اصابتہم (مصیبۃ) قالوا انا للہ وانا الیہ راجعون۔ سو ہرگز غم نہ کرو اور خدا تعالیٰ کے دوسرے معجزہ کے منتظر رہو۔ والسلام۔ خاکسار غلام احمدؐ از قادیان۔"

میاں غلام نبی صاحب نے بیان کیا کہ جب حضرت صاحب کا یہ خط مجھے ملا تو مجھے بہت ہی خوشی ہوئی اور لڑکے کی وفات کا سارا غم دل سے دُھل گیا۔ اور جو لوگ ماتم پرسی کے لئے اسوقت میرے گھر آئے ہوئے تھے ان سب سے میں نے کہدیا کہ اب آپ لوگ جائیں مجھے کوئی غم نہیں ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مجھے ایک اور لڑکے کی بشارت لکھکر بھیجی ہے۔ چنانچہ میاں غلام نبی صاحب بیان کرتے ہیں کہ اسکے کچھ عرصہ بعد اللہ تعالےٰ نے مجھے ایک اور لڑکا عطا کیا جو خدا کے فضل سے ابتک زندہ موجود ہے اور اسکا نام کرم الٰہی ہے۔ اور وہ خدا تعالےٰ کے فضل سے صاحبِ اولاد ہے۔

(۴۴۳) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام دعا کا ذکر کرتے ہوئے اکثر فرمایا کرتے تھے کہ دعا کی تو یہ مثال ہے کہ:۔

"جو منگے سو مر رہے مرے سو منگن جائے"

یعنے جو شخص مانگتا ہے اسے اپنے واسطے ایک موت قبول کرنے کو تیار ہو جانا چاہیئے اور جو مر رہا ہو وہی مانگنے کے لئے نکلتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ دعا کی قبولیت کے لئے یہ ضروری ہے کہ انسان اپنے اوپر ایک موت وارد کرے اور آستانہ درگاہ باری پر ایک بے جان مردہ کی طرح گر جاوے اور خدا کے دروازے کے سوا اپنی ساری امیدوں کو قطع کر دے۔ اور مصرع کے دوسرے حصہ کا مطلب یہ ہے کہ مانگتا بھی دراصل وہی ہے جو مر رہا ہو یعنی جسے کوئی ایسی حقیقی ضرورت پیش آگئی ہو کہ اسکے لئے سوائے سوال کے کوئی چارہ نہ رہے لیکن دعا کے مسئلہ کے ساتھ صرف مصرع کے پہلے حصہ کا تعلق معلوم ہوتا ہے۔ واللہ اعلم۔

(۴۴۴) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ ڈاکٹر میر محمد اسماعیل صاحب جو ہمارے حقیقی ماموں ہیں ان کا ایک مضمون الحکم مورخہ ۱۹/۲۸ جون ۱۹۱۴ء میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے شمائل کے متعلق شائع ہوا تھا۔ یہ مضمون حضرت صاحب کے شمائل میں ایک بہت عمدہ مضمون ہے اور میر صاحب موصوف کی بیس سالہ ذاتی مشاہدہ اور تجربہ پر مبنی ہے۔ لہٰذا درج ذیل کیا جاتا ہے۔ میر صاحب تحریر فرماتے ہیں :۔

احمدی تو خدا کے فضل سے ہندوستان کے ہر گوشہ میں موجود ہیں بلکہ غیر ملک میں بھی مگر

احمد کے دیکھنے والے اور نہ دیکھنے والے احمدیوں میں بھی ایک فرق ہے۔ دیکھنے والوں کے دل میں ایک سرور اور لذت اسکے دیدار اور صحبت کی ابتک باقی ہے۔ نہ دیکھنے والے بارہا تاسف کرتے پائے گئے کہ ہائے ہمنے جلدی کیوں نہ کی اور کیوں نہ اس محبوب کا اصلی چہرہ اس کی زندگی میں دیکھ لیا تصویر اور اصل میں بہت فرق ہے۔ اور وہ فرق بھی وہی جانتے ہیں جنہوں نے اصل کو دیکھا۔ میرا دل چاہتا ہے کہ احمدؐ (صلے اللہ علیہ وسلم) کے حلیہ اور عادات پر کچھ تحریر کروں۔ شائد ہمارے وہ دوست جنہوں نے اس ذات بابرکات کو نہیں دیکھا حظ اُٹھاویں۔

حلیہ مبارک بجائے اسکے کہ میں آپ کا حلیہ بیان کروں اور ہر چیز پر خود کوئی نوٹ دوں یہ بہتر ہے کہ میں سرسری طور پر اس کا ذکر کرتا جاؤں۔ اور نتیجہ پڑھنے والے کی اپنی رائے پر چھوڑ دوں آپ کے تمام حلیہ کا خلاصہ ایک فقرہ میں یہ ہوسکتا ہے کہ

"آپ مردانہ حسن کے اعلیٰ نمونہ تھے"

مگر یہ فقرہ بالکل نامکمل رہے گا اگر اسکے ساتھ دوسرا یہ نہ ہو کہ

"یہ حسن انسانی ایک روحانی چمک دمک اور انوار اپنے ساتھ لئے ہوئے تھا"

اور جس طرح آپ جمالی رنگ میں اس امت کے لئے مبعوث ہوئے تھے اسی طرح آپ کا جمال بھی خدا کی قدرت کا نمونہ تھا۔ اور دیکھنے والے کے دل کو اپنی طرف کھینچتا تھا۔ آپ کے چہرہ پر نورانیت کے ساتھ رعونت ہیبت اور استکبار نہ تھے۔ بلکہ فروتنی، خاکساری، اور محبت کی آمیزش موجود تھی چنانچہ ایک دفعہ کا واقعہ میں بیان کرتا ہوں کہ جب حضرت اقدس چولہ صاحب کو دیکھنے ڈیرہ بابا نانک تشریف لے گئے تو وہاں پہنچکر ایک درخت کے نیچے سایہ میں کپڑا بچھادیا گیا اور سب لوگ بیٹھ گئے۔ آس پاس کے دیہات اور خاص قصبہ کے لوگوں نے حضرت صاحب کی آمد سُنکر ملاقات اور مصافحہ کے لئے آنا شروع کیا۔ اور جو شخص آتا مولوی سید محمد احسن صاحب کی طرف آتا اور ان کو حضرت اقدس سمجھ کر مصافحہ کرکے بیٹھ جاتا۔ غرض کچھ دیر تک لوگوں پر یہ امر نہ کھلا۔ جب تک خود مولوی صاحب موصوف نے اشارہ سے اور یہ کہکر لوگوں کو ادھر متوجہ نہ کیا کہ "حضرت صاحب یہ ہیں"۔ بعینہ ایسا واقعہ ہجرت کے وقت نبی کریم صلعم کو مدینہ میں پیش آیا تھا۔ وہاں بھی لوگ حضرت ابوبکرؓ کو رسول خدا سمجھ کر مصافحہ کرتے رہے۔ جب تک کہ انہوں نے آپ پر چادر سے سایہ کرکے لوگوں کو ان کی غلطی سے

آگاہ نہ کر دیا۔

جسم اور قد آپکا جسم دُبلا نہ تھا۔ نہ آپ بہت موٹے تھے۔ البتہ آپ دوہرے جسم کے تھے۔ قد متوسط تھا۔ اگرچہ ناپا نہیں گیا مگر اندازاً پانچ فٹ آٹھ انچ کے قریب ہوگا۔ کندھے اور چھاتی کشادہ اور آخر عمر تک سیدھے رہے نہ کمر جھکی نہ کندھے تمام جسم کے اعضاء میں تناسب تھا۔ یہ نہیں کہ ہاتھ بے حد لمبے ہوں یا ٹانگیں یا پیٹ اندازہ سے زیادہ نکلا ہوا ہو غرض کسی قسم کی بدصورتی آپ کے جسم میں نہ تھی۔ جلد آپ کی متوسط درجہ کی تھی نہ سخت نہ کھُردری اور نہ ایسی ملائم جیسی عورتوں کی ہوتی ہے۔ آپکا جسم پِلپلا اور نرم نہ تھا بلکہ مضبوط اور جوانی کی سی سختی لئے ہوئے۔ آخر عمر میں آپ کی کھال کہیں سے بھی نہیں لٹکی نہ آپ کے جسم پر جھُرّیاں پڑیں۔

آپ کا رنگ ؎ رنگم چو گندم است وبمو فرق بین ست
زاں ساں کہ آمدست دراخبار سرورم

آپ کا رنگ گندمی اور نہائت اعلیٰ درجہ کا گندمی تھا۔ یعنی اس میں ایک نورانیت اور سُرخی جھلک مارتی تھی۔ اور یہ چمک جو آپ کے چہرہ کے ساتھ وابستہ تھی عارضی نہ تھی بلکہ دائمی کبھی کسی صدمہ، رنج ابتلا مقدمات اور مصائب کے وقت آپ کا رنگ زرد ہوتے نہیں دیکھا گیا۔ اور ہمیشہ چہرہ مبارک کُندن کی طرح دمکتا رہتا تھا کسی مصیبت اور تکلیف نے اس چمک کو دور نہیں کیا۔ علاوہ اس چمک اور نور کے آپکے چہرہ پر ایک بشاشت اور تبسم ہمیشہ رہتا تھا اور دیکھنے والے کہتے تھے کہ اگر یہ شخص مفتری ہے اور دل میں اپنے تئیں جھوٹا جانتا ہے تو اسکے چہرہ پر بشاشت اور خوشی اور فتح اور طمانیت قلب کے آثار کیونکر ہو سکتے ہیں۔ یہ نیک ظاہر کسی بدباطن کے ساتھ وابستہ نہیں رہ سکتا۔ اور ایمان کا نور بدکار کے چہرہ پر درخشندہ نہیں ہو سکتا۔ آتھم کی پیشگوئی کا آخری دن آگیا اور جماعت میں لوگوں کے چہرے پژمردہ ہیں اور دل سخت منقبض ہیں بعض لوگ ناواقفی کے باعث مخالفین سے اس کی موت پر شرطیں لگا چکے ہیں۔ ہر طرف سے اُداسی کے آثار ظاہر ہیں۔ لوگ نمازوں میں چیخ چیخ کر رو رہے ہیں کہ اے خداوند ہمیں رسوا مت کریو غرض ایسا کہرام مچ رہا ہے کہ غیروں کے رنگ بھی فق ہو رہے ہیں۔ مگر یہ خدا کا شیر گھر سے نکلتا ہے ہنستا ہوا اور جماعت کے سربرآوردوں کو مسجد میں بلاتا ہے مُسکراتا ہوا۔ ادھر حاضرین کے دل بیٹھے جاتے

ہیں۔ ادھر وہ کہہ رہا ہے کہ لو پیش گوئی پوری ہو گئی۔ اطلع اللہ علیٰ ھمہ وغمہ۔ مجھے الہام ہوا۔ اسنے حق کی طرف رجوع کیا حق نے اس کی طرف رجوع کیا۔ کسی نے اس کی بات مانی نمانی اسنے اپنی سُنادی اور سُننے والوں نے اسکے چہرہ کو دیکھ کر یقین کیا کہ یہ سچا ہے۔ ہم کو غم کھا رہا ہے اور یہ بے فکر اور بے غم مسکرا مسکرا کر باتیں کر رہا ہے۔ اس طرح کہ گویا حق تعالیٰ نے آتھم کے معاملہ کا فیصلہ اسی کے اپنے ہاتھ میں دیدیا۔ اور پھر اسنے آتھم کا رجوع اور بیقراری دیکھ کر خود اپنی طرف سے مہلت دیدی اور اب اس طرح خوش ہے جس طرح ایک دشمن کو مغلوب کر کے ایک پہلوان پھر محض اپنی دریادلی سے خود ہی اسے چھوڑ دیتا ہے کہ جاؤ ہم تم پر رحم کرتے ہیں۔ ہم مرے کو مدنا اپنی ہتک سمجھتے ہیں۔

لیکھرام کی پیشگوئی پوری ہوئی۔ مخبروں نے فوراً اتہام لگانے شروع کئے۔ پولیس میں تلاشی کی درخواست کی گئی۔ صاحب سپرنٹنڈنٹ پولیس یکایک تلاشی کے لئے آموجود ہوئے۔ لوگ الگ کر دیئے گئے اندر کے باہر باہر کے اندر نہیں جا سکتے۔ مخالفین کا یہ زور کہ ایک حرف بھی تحریر کا مشتبہ نکلے تو پکڑ لیں مگر آپ کا یہ عالم کہ وہی خوشی اور مسرت چہرہ پر ہے اور خود پولیس افسروں کو لیجا کر اپنے بستے اور کتابیں تحریریں اور خطوط اور کوٹھریاں اور مکان دکھا رہے ہیں۔ کچھ خطوط اُنھوں نے مشکوک سمجھ کر اپنے قبضہ میں بھی کر لئے ہیں مگر یہاں وہی چہرہ ہے اور وہی مسکراہٹ۔ گویا نہ صرف بیگناہی بلکہ ایک فتح مبین اور اتمام حجت کا موقعہ نزدیک آتا جاتا ہے۔ برخلاف اس کے باہر جو لوگ بیٹھے ہیں ان کے چہروں کو دیکھو وہ ہر ایک کنسٹبل کو باہر نکلتے اور اندر جاتے دیکھ دیکھ کر سہمے جاتے ہیں۔ ان کا رنگ فق ہے ان کو یہ معلوم نہیں کہ اندر تو وہ جس کی آبرو کا انہیں فکر ہے خود افسروں کو بلا بلا کر اپنے بستے اور اپنی تحریریں دکھلا رہا ہے اور اسکے چہرے پر ایک مسکراہٹ ایسی ہے جس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اب حقیقت پیش گوئی کی پورے طور پر کھلے گی اور میرا دامن ہر طرح کی آلائش اور سازش سے پاک ثابت ہو گا۔

غرض یہی حالت تمام مقدمات۔ ابتلاؤں مصائب اور مباحثات میں رہی اور یہ وہ اطمینان قلب کا اعلا اور اکمل نمونہ تھا جسے دیکھ کر بہت سی سعید روحیں ایمان لے آئی تھیں۔

آپ کے بال آپکے سر کے بال نہائت باریک سیدھے چکنے چمکدار اور نرم تھے۔ اور مہندی

کے رنگ سے رنگین رہتے تھے۔ گھنے اور کثرت سے نہ تھے۔ بلکہ کم کم۔ اور نہایت ملائم تھے گردن تک
تھے۔ آپ نہ سر منڈواتے تھے نہ خشخاش یا اسکے قریب کترواتے تھے بلکہ اتنے لمبے رکھتے تھے جیسے
عام طور پر پٹے رکھے جاتے ہیں۔ سر میں تیل بھی ڈالتے تھے۔ چنبیلی یا حنا وغیرہ کا۔ یہ عادت تھی کہ
بال سوکھے نہ رکھتے تھے؛

ریش مبارک آپ کی داڑھی اچھی گنجان تھی بال مضبوط موٹے اور چمکدار سیدھے اور نرم حنا سے سُرخ رنگے ہوئے تھے۔ ڈاڑھی کو لمبا چھوڑ کر حجامت کے وقت فاضل آپ کتروا دیتے تھے یعنے بے ترتیب اور ناہموار نہ رکھتے تھے بلکہ سیدھی نیچے کو اور برابر رکھتے تھے۔ داڑھی میں بھی ہمیشہ تیل لگایا کرتے تھے۔ ایکدفعہ ایک پھنسی گال پر ہونے کیوجہ سے وہاں سے کچھ بال پورے بھی کتروائے تھے۔ اور وہ تبرک کے طور پر لوگوں کے پاس ابتک موجود ہیں۔ ریش مبارک تینوں طرف چہرہ کے تھی۔ اور بہت خوبصورت۔ نہ اتنی کم کہ چھدری اور نہ صرف ٹھوڑھی پر ہو نہ اتنی کہ آنکھوں تک بال پہنچیں؛

وسمہ مہندی ابتداء ایام میں آپ وسمہ اور مہندی لگایا کرتے تھے۔ پھر دماغی دورے بکثرت ہونے کی وجہ سے سر اور ریش مبارک پر آخر عمر تک مہندی ہی لگاتے رہے وسمہ ترک کردیا تھا۔ البتہ کچھ روز انگریزی وسمہ بھی استعمال فرمایا۔ مگر پھر ترک کردیا۔ آخری دنوں میں میر حامد شاہ صاحب سیالکوٹی نے ایک وسمہ تیار کر کے پیش کیا تھا وہ لگاتے تھے۔ اس سے ریش مبارک میں سیاہی آگئی تھی۔ مگر اسکے علاوہ ہمیشہ برسوں مہندی پر ہی اکتفا کی جو اکثر جمعہ کے جمعہ یا بعض اوقات اور دنوں میں بھی آپ نائی سے لگوایا کرتے تھے؛

ریش مبارک کی طرح موچھوں کے بال بھی مضبوط اور اچھے موٹے اور چمکدار تھے۔ آپ لبیں کترواتے تھے۔ مگر نہ اتنی کہ جو وہابیوں کی طرح مونڈی ہوئی معلوم ہوں۔ نہ اتنی لمبی کہ ہونٹ کے کنارے سے نیچے ہوں؛

جسم پر آپ کے بال صرف سامنے کی طرف تھے۔ پشت پر نہ تھے اور بعض اوقات سینہ اور پیٹ کے بال آپ مونڈ دیا کرتے تھے۔ یا کتروا دیتے تھے۔ پنڈلیوں پر بہت کم بال تھے۔ اور جو تھے وہ نرم اور چھوٹے۔ اس طرح ہاتھوں کے بھی؛

چہرۂ مبارک آپکا چہرہ کتابی یعنے معتدل لمبا تھا۔ اور حالانکہ عمر شریف ۷۰۔ اور ۸۰ کے درمیان تھی پھر بھی جھریوں کا نام و نشان نہ تھا۔ اور نہ متفکر اور غصہ ور طبیعت والوں کی طرح پیشانی پر شکن کے نشانات نمایاں تھے۔ رنج۔ فکر۔ تردد یا غم کے آثار چہرہ پر دیکھنے کی بجائے زیارت کنندہ اکثر تبسم اور خوشی کے آثار ہی دیکھتا تھا؛

آپ کی آنکھوں کی سیاہی سیاہی مائل شربتی رنگ کی تھی۔ اور آنکھیں بڑی بڑی تھیں مگر پپوٹے اس وضع کے تھے کہ سوائے اسوقت کے جب آپ ان کو خاص طور پر کھولیں ہمیشہ قدرتی غض بصر کے رنگ میں رہتی تھیں۔ بلکہ جب مخاطب ہو کر بھی کلام فرماتے تھے تو آنکھیں نیچی ہی رہتی تھیں اسی طرح جب مردانہ مجالس میں بھی تشریف لیجاتے تو بھی اکثر ہر وقت نظر نیچے ہی رہتی تھی۔ گھر میں بھی بیٹھتے تو اکثر آپ کو یہ نہ معلوم ہوتا کہ اس مکان میں اور کون کون بیٹھا ہے۔ اس جگہ یہ بات بھی بیان کے قابل ہے کہ آپنے کبھی عینک نہیں لگائی اور آپ کی آنکھیں کام کرنے سے کبھی نہ تھکتی تھیں۔ خدا تعالیٰ کا آپ کے ساتھ حفاظت عین کا ایک وعدہ تھا جس کے ماتحت آپ کی چشمانِ مبارک آخر وقت تک بیماری اور تکان سے محفوظ رہیں البتہ پہلی رات کا ہلال آپ فرمایا کرتے تھے کہ ہمیں نظر نہیں آتا۔ ناک حضرت اقدس کی نہائت خوبصورت اور بلند بالا تھی۔ پتلی۔ سیدھی۔ اونچی اور موزون نہ پھیلی ہوئی تھی نہ موٹی۔ کان آنحضور کے متوسط یا متوسط سے ذرا بڑے۔ نہ باہر کو بہت بڑھے ہوئے نہ بالکل سر کے ساتھ لگے ہوئے قلمی آم کی قاش کی طرح اوپر سے بڑے نیچے سے چھوٹے۔ قوت شنوائی آپ کی آخر وقت تک عمدہ اور خدا کے فضل سے برقرار رہی؛

رخسار مبارک آپ کے نہ پچکے ہوئے اندر کو تھے نہ اتنے موٹے کہ بہت باہر کو نکل آویں۔ نہ رخساروں کی ہڈیاں اُبھری ہوئی تھیں۔ بھنویں آپ کی الگ الگ تھیں۔ پیوستہ ابرو نہ تھے؛

پیشانی اور سر مبارک پیشانی مبارک آپ کی سیدھی اور بلند اور چوڑی تھی اور نہائت درجہ کی فراست اور ذہانت آپ کے جبین سے ٹپکتی تھی۔ علم قیافہ کے مطابق ایسی پیشانی بہترین نمونہ اعلےٰ صفات اور اخلاق کا ہے۔ یعنے جو سیدھی ہو نہ آگے کو نکلی ہوئی نہ پیچھے کو دھسی ہوئی۔ اور بلند ہو یعنی اونچی اور کشادہ ہو اور چوڑی ہو۔ بعض پیشانیاں گو اونچی ہوں

مگر چوڑان ماتھے کی تنگ ہوتی ہے۔ آپ میں یہ تینوں خوبیاں جمع تھیں۔ اور پھر یہ خوبی کہ چین جبیں بہت کم پڑتی تھی۔ سر آپکا بڑا تھا۔ خوبصورت بڑا تھا۔ اور علم قیافہ کی رو سے ہر سمت سے پورا تھا۔ یعنی لمبا بھی تھا۔ چوڑا بھی تھا۔ اونچا بھی اور سطح اوپر کی۔ اکثر حصہ ہموار اور پیچھے سے بھی گولائی درست تھی۔ آپ کی کنپٹی کشادہ تھی اور آپ کی کمال عقل پر دلالت کرتی تھی۔

لب مبارک آپ کے لب مبارک پتلے نہ تھے۔ مگر تاہم ایسے موٹے بھی نہ تھے کہ بُرے لگیں۔ دہانہ آپ کا متوسط تھا۔ اور جب بات نہ کرتے ہوں تو مُنہ کھُلا نہ رہتا تھا بعض اوقات مجلس میں جب خاموش بیٹھے ہوں تو آپ عمامہ کے شملہ سے دہان مبارک ڈھک لیا کرتے تھے۔

دندان مبارک آپ کے آخر عمر میں کچھ خراب ہو گئے تھے یعنی کیڑا بعض ڈاڑھوں کو لگ گیا تھا۔ جس سے کبھی کبھی تکلیف ہو جاتی تھی۔ چنانچہ ایک دفعہ ایک ڈاڑھ کا سرا ایسا نوکدار ہو گیا تھا کہ اس سے زبان میں زخم پڑ گیا تو ریتی کے ساتھ اسکو گھسوا کر برابر بھی کرایا تھا۔ مگر کبھی کوئی دانت نکلوایا نہیں۔ مسواک آپ اکثر فرمایا کرتے تھے۔

پیر کی ایڑیاں آپکی بعض دفعہ گرمیوں کے موسم میں پھٹ جایا کرتی تھیں۔

اگرچہ گرم کپڑے سردی گرمی برابر پہنتے تھے۔ تاہم گرمیوں میں پسینہ بھی خوب آجاتا تھا مگر آپکے پسینہ میں کبھی بو نہیں آتی تھی خواہ کتنے ہی دن بعد کرتہ بدلیں۔ اور کیسا ہی موسم ہو۔

گردن مبارک آپ کی گردن متوسط لمبائی اور موٹائی میں تھی۔ آپ اپنے مطاع نبی کریم صلعم کی طرح ان کے اتباع میں ایک حد تک جسمانی زینت کا خیال ضرور رکھتے تھے۔ غسل جمعہ۔ حجامت۔ حنا۔ مسواک روغن اور خوشبو۔ کنگھی اور آئینہ کا استعمال برابر مسنون طریق پر آپ فرمایا کرتے تھے۔ مگر ان باتوں میں انہماک آپ کی شان سے بہت دُور تھا۔

لباس سب سے اول یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہیئے کہ آپ کو کسی قسم کے خاص لباس کا شوق نہ تھا۔ آخری ایام کے کچھ سالوں میں آپکے پاس کپڑے سانتے اور سلے سلائے بطور تحفہ کے بہت آتے تھے۔ خاص کر کوٹ صدری اور پاجامہ قمیض وغیرہ جو اکثر شیخ رحمت اللہ صاحب لاہوری ہر عید بقرعید کے موقعہ پر اپنے ہمراہ نذر لاتے تھے وہی آپ استعمال فرمایا کرتے تھے۔ مگر علاوہ ان کے کبھی کبھی آپ خود بھی بنوا لیا کرتے تھے۔ عمامہ تو اکثر خود ہی خرید کر باندھتے تھے جس طرح

کپڑے بنتے تھے اور استعمال ہوتے تھے۔ اوسیطرح ساتھ ساتھ خرچ بھی ہوتے جاتے تھے یعنی ہر وقت تبرک مانگنے والے طلب کرتے رہتے تھے بعض دفعہ تو یہ نوبت پہنچ جاتی کہ آپ ایک کپڑا بطور تبرک کے عطا فرماتے تو دوسرا بنوا کر اس وقت پہننا پڑتا۔ اور بعض سمجھدار اس طرح بھی کرتے تھے کہ مثلاً ایک کپڑا اپنا بھیج دیا اور ساتھ عرض کر دیا کہ حضور ایک اپنا اترا ہوا تبرک مرحمت فرما دیں۔

خیر یہ تو جملہ معترضہ تھا۔ اب آپ کے لباس کی ساخت سنئے۔ عموماً یہ کپڑے آپ زیب تن فرمایا کرتے تھے۔ کرتہ یا قمیض۔ پائجامہ۔ صدری۔ کوٹ۔ عمامہ۔ اسکے علاوہ رومال بھی ضرور رکھتے تھے اور جاڑوں میں جرابیں۔ آپ کے سب کپڑوں میں خصوصیت یہ تھی کہ وہ بہت کھلے کھلے ہوتے تھے۔ اور اگرچہ شیخ صاحب مذکور کے آورده کوٹ انگریزی طرز کے ہوتے مگر وہ بھی بہت کشادہ اور لمبے یعنی گھٹنوں سے نیچے ہوتے تھے۔ اور جبّے اور چوغہ بھی جو آپ پہنتے تھے تو وہ بھی ایسے لمبے کہ بعض تو ان میں سے ٹخنے تک پہنچتے تھے۔ اسی طرح کرتے اور صدریاں بھی کشادہ ہوتی تھیں۔

بنیان آپ کبھی نہ پہنتے تھے بلکہ اس کی تنگی سے گھبراتے تھے۔ گرم قمیض جو پہنتے تھے ان کا اکثر اوپر کا بٹن کھلا رکھتے تھے۔ اسی طرح صدری اور کوٹ کا اور قمیص کے کفوں میں اگر بٹن ہوں تو وہ بھی ہمیشہ کھلے رہتے تھے آپکا طرز عمل "ما انا من المتکلفین" کے ماتحت تھا کہ کسی مصنوعی جکڑ بندی میں جو شرعاً غیر ضروری ہے پابند رہنا آپ کے مزاج کے خلاف تھا اور نہ آپ کو کبھی پرواہ تھی کہ لباس عمدہ ہے یا برش کیا ہوا ہے یا بٹن سب درست لگے ہوئے ہیں یا نہیں۔ صرف لباس کی اصلی غرض مطلوب تھی۔ بارہا دیکھا گیا کہ بٹن اپنا کاج چھوڑ کر دوسرے ہی میں لگے ہوئے ہوتے تھے بلکہ صدری کے بٹن کوٹ کے کاجوں میں لگائے ہوئے دیکھے گئے۔ آپ کی توجہ ہمہ تن اپنے مشن کی طرف تھی اور اصلاح امت میں اتنے محو تھے کہ اصلاح لباس کی طرف توجہ نہ تھی۔ آپ کا لباس آخر عمر میں چند سال سے بالکل گرم وضع کا ہی رہتا تھا۔ یعنی کوٹ اور صدری اور پاجامہ گرمیوں میں بھی گرم رکھتے تھے۔ اور یہ علالت طبع کے باعث تھا۔ سردی آپ کو موافق نہ تھی۔ اسلئے اکثر گرم کپڑے رکھا کرتے تھے۔ البتہ گرمیوں میں نیچے کرتہ ململ کا رہتا تھا۔ بجائے گرم کرتے کے پاجامہ آپ کا معروف شرعی وضع کا ہوتا تھا (پہلے غرارہ یعنی ڈھیلا مردانہ پاجامہ بھی پہنا کرتے تھے۔ مگر آخر عمر میں ترک کر دیا تھا) مگر گھر میں گرمیوں میں کبھی کبھی دن کو اور عادتاً رات کے وقت تہ بند باندھ کر

خواب فرمایا کرتے تھے۔

صدری گھر میں اکثر پہنے رہتے مگر کوٹ عموماً باہر جاتے وقت ہی پہنتے۔ اور سردی کی زیادتی کے دنوں میں اوپر تلے دو دو کوٹ بھی پہنا کرتے۔ بلکہ بعض اوقات پوستین بھی۔

صدری کی جیب میں یا بعض اوقات کوٹ کی جیب میں ایک رومال ہوتا تھا۔ آپ ہمیشہ بڑا رومال رکھتے تھے۔ نہ کہ چھوٹا جنٹلمینی رومال جو آجکل کا بہت مروج ہے اسی کے کونوں میں آپ مشک اور ایسی ہی ضروری ادویہ جو آپ کے استعمال میں رہتی تھیں اور ضروری خطوط وغیرہ باندھ رکھتے تھے۔ اور اسی رومال میں نقد وغیرہ جو نذر لوگ مسجد میں پیش کر دیتے تھے باندھ لیا کرتے۔

گھڑی بھی آپ ضرور اپنے پاس رکھا کرتے مگر اس کی کنجی (چابی) دینے میں چونکہ اکثر ناغہ ہو جاتا اسلئے اکثر وقت غلط ہی ہوتا تھا۔ اور چونکہ گھڑی جیب میں سے اکثر نکل پڑتی اسلئے آپ اسے بھی رومال میں باندھ لیا کرتے۔ گھڑی کو ضرورت کے لئے رکھتے نہ زیبائش کے لئے۔

آپ کو دیکھ کر کوئی شخص ایک لمحہ کے لئے بھی یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ اس شخص کی زندگی میں یا لباس میں کسی قسم کا بھی تصنع ہے یا یہ زیب و زینت دنیوی کا دلدادہ ہے۔ ہاں البتہ والرجز فاهجر کے ماتحت آپ صاف اور ستھری چیز ہمیشہ پسند فرماتے اور گندی اور میلی چیز سے سخت نفرت رکھتے۔ صفائی کا اس قدر اہتمام تھا کہ بعض اوقات آدمی موجود نہ ہو تو بیت الخلا میں خود فینائل ڈالتے تھے۔

عمامہ شریف آپ ململ کا باندھا کرتے تھے۔ اور اکثر اگز یا کچھ اوپر لمبا ہوتا تھا۔ شملہ آپ لمبا چھوڑتے تھے کبھی کبھی شملہ کو آگے ڈال لیا کرتے اور کبھی اس کا پلہ دہن مبارک پر بھی رکھ لیتے۔ جبکہ مجلس میں خاموشی ہوتی۔ عمامہ کے باندھنے کی آپ کی خاص وضع تھی۔ نوک تو ضرور سامنے ہوتی مگر سر پر ڈھیلا ڈھالا لپٹا ہوا ہوتا تھا۔ عمامہ کے نیچے اکثر رومی ٹوپی رکھتے تھے اور گھر میں عمامہ اُتار کر صرف یہ ٹوپی ہی پہنے رہا کرتے۔ مگر نرم قسم کی دوسری جو سخت قسم کی نہ ہوتی۔

جرابیں آپ سردیوں میں استعمال فرماتے اور ان پر مسح فرماتے۔ بعض اوقات زیادہ سردی میں دو دو جرابیں اوپر تلے چڑھا لیتے۔ مگر بارہا جراب اس طرح پہن لیتے کہ وہ پیر پر ٹھیک نہ چڑھتی۔ کبھی تو سرا آگے لٹکتا رہتا اور کبھی جراب کی ایڑی کی جگہ پیر کی پشت پر آ جاتی۔ کبھی ایک جراب سیدھی دوسری الٹی۔ اگر جراب کہیں سے کچھ پھٹ جاتی تو بھی مسح جائز رکھتے بلکہ فرماتے تھے کہ رسول صلعم کے

اصحاب ایسی موزوں پر بھی مسح کر لیا کرتے تھے جس میں سے ان کی انگلیوں کے پوٹے باہر نکلے رہا کرتے۔

جوتی آپ کی دیسی ہوتی۔ خواہ کسی وضع کی ہو۔ پٹھواری۔ لاہوری۔ لدھیانوی۔ سلیم شاہی ہر وضع کی پہن لیتے مگر ایسی جو کھلی کھلی ہو۔ انگریزی بوٹ کبھی نہیں پہنا۔ گرگابی حضرت صاحب کو پہنے ہیں نہیں دیکھا۔

جوتی اگر تنگ ہوتی تو اس کی ایڑی بٹھا لیتے۔ مگر ایسی جوتی کے ساتھ باہر تشریف نہیں لیجاتے تھے۔ لباس کے ساتھ ایک چیز کا اور بھی ذکر کر دیتا ہوں وہ یہ کہ آپ عصا ضرور رکھتے تھے۔ گھر یا جب مسجد مبارک میں روزانہ نماز کو جانا ہوتا۔ تب تو نہیں مگر مسجد اقصیٰ کو جانے کے وقت یا جب باہر سیر وغیرہ کے لئے تشریف لاتے تو ضرور ہاتھ میں ہوا کرتا تھا۔ اور موٹی اور مضبوط لکڑی کو پسند فرماتے مگر کبھی اس پر سہارا یا بوجھ دیکر نہ چلتے تھے جیسے اکثر ضعیف العمر آدمیوں کی عادت ہوتی ہے۔

موسم سرما میں ایک دھسہ لیکر آپ مسجد میں نماز کے لئے تشریف لایا کرتے تھے جو اکثر آپ کے کندھے پر پڑا ہوا ہوتا تھا۔ اور اسے اپنے آگے ڈال لیا کرتے تھے۔ جب تشریف رکھتے تو پھر پیروں پر ڈال لیتے۔

کپڑوں کی احتیاط کا یہ عالم تھا کہ کوٹ۔ صدری۔ ٹوپی۔ عمامہ رات کو اُتار کر تکیہ کے نیچے ہی رکھ لیتے۔ اور رات بھر تمام کپڑے جنہیں محتاط لوگ شکن اور میل سے بچانے کو الگ جگہ کھونٹی پر ٹانگ دیتے ہیں وہ بستر پر سر اور جسم کے نیچے مَلے جاتے اور صبح کو ان کی ایسی حالت ہو جاتی کہ اگر کوئی فیشن کا دلدادہ اور سلوٹ کا دشمن ان کو دیکھ لے تو سر پیٹ لے۔

موسم گرما میں دن کو بھی اور رات کو تو اکثر آپ کپڑے اُتار دیتے اور صرف چادر یا لنگی باندھ لیتے گرمی دانے بعض دفعہ بہت نکل آتے تو اس کی خاطر بھی کرتہ اُتار دیا کرتے۔ تہ بند اکثر نصف ساق تک ہوتا تھا۔ اور گھٹنوں سے اوپر ایسی حالتوں میں مجھے یاد نہیں کہ آپ برہنہ ہوئے ہوں۔

آپ کے پاس کچھ کنجیاں بھی رہتی تھیں۔ یہ یا تو رومال میں یا اکثر آزاربند میں باندھ کر رکھتے رہی دار کوٹ پہننا آپ کی عادت میں داخل تھا۔ نہ ایسی رضائی اوڑھ کر باہر تشریف لاتے بلکہ چادر یسفیدی یا دھسہ رکھا کرتے تھے اور وہ بھی سر پر کبھی نہیں اوڑھتے تھے بلکہ کندھوں اور

گردن تک رہتی تھی۔ گلوبند اور دستانوں کی آپکو عادت نہ تھی۔ بستر آپ کا ایسا ہوتا تھا کہ ایک لحاف جس میں ۵۔۶ سیر روئی کم ازکم ہوتی تھی۔ اور اچھا لمبا چوڑا ہوتا تھا۔ چادر بستر کے اوپر اور تکیہ۔ اور توشک۔ توشک آپ گرمی جاڑے دونوں موسموں میں بسبب سردی کی ناموافقت کے بچھواتے تھے۔

تحریر وغیرہ کا سب کام پلنگ پر ہی اکثر فرمایا کرتے اور دوات قلم بستہ اور کتابیں یہ سب چیزیں پلنگ پر موجود رہا کرتی تھیں۔ کیونکہ یہی جگہ میز کرسی اور لائبریری سب کا کام دیتی تھی۔ اور ما انا من المتکلفین کا عملی نظارہ خوب واضح طور پر نظر آتا تھا۔

ایک بات کا ذکر کرنا میں بھول گیا۔ وہ یہ کہ آپ امیروں کی طرح ہر روز کپڑے نہ بدلا کرتے تھے۔ بلکہ جب ان کی صفائی میں فرق آنے لگتا۔ تب بدلتے تھے۔

خوراک کی مقدار قرآن شریف میں کفار کے لئے وارد ہے یاکلون کما تاکل الانعام اور حدیث شریف میں آیا ہے کہ کافر، انتڑی میں کھاتا اور مومن ایک میں۔ مراد ان باتوں سے یہ ہے کہ مومن طیب چیز کھانے والا اور دنیا دار یا کافر کی نسبت بہت کم خور ہوتا ہے۔ جب مومن کا یہ حال ہوا تو انبیاء اور مرسلین علیہم السلام کا تو کیا کہنا۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے دسترخوان پر بھی اکثر ایک سالن ہی ہوتا تھا۔ بلکہ ستو یا صرف کھجور یا دودھ کا ایک پیالہ ہی ایک غذا ہوا کرتی تھی۔ اسی سُنت پر ہمارے حضرت اقدس علیہ السلام بھی بہت ہی کم خور تھے۔ اور بمقابلہ اس کام اور محنت کے جس میں حضور دن رات لگے رہتے تھے۔ اکثر حضور کی غذا دیکھی جاتی تو بعض اوقات حیرانی سے بے اختیار لوگ یہ کہہ اُٹھتے تھے کہ اتنی خوراک پر یہ شخص زندہ کیونکر رہ سکتا ہے۔ خواہ کھانا کیسا ہی عمدہ اور لذیذ ہو اور کیسی ہی بھوک ہو آپ کبھی حلق تک ٹھونس کر نہیں کھاتے تھے۔ عام طور پر دن میں دو وقت مگر بعض اوقات جب طبیعت خراب ہوتی تو دن بھر میں ایک ہی وقت کھانا نوش فرمایا کرتے تھے۔ علاوہ اسکے چائے وغیرہ ایک پیالی صبح کو بطور ناشتہ بھی پی لیا کرتے تھے۔ مگر جہاں تک مینے غور کیا آپ کو لذیذ مزیدار کھانے کا ہرگز شوق نہ تھا۔

اوقات معمولاً آپ صبح کا کھانا ۱۰ بجے سے ظہر کی اذان تک اور شام کا نماز مغرب کے بعد سے سونے کے وقت تک کھالیا کرتے تھے۔ کبھی شاذ و نادر ایسا بھی ہوتا تھا کہ دن کا کھانا آپ نے

بعد ظہر کھایا ہو۔ شام کا کھانا مغرب سے پہلے کھانے کی عادت نہ تھی۔ مگر کبھی کبھی کھا لیا کرتے تھے مگر معمول دو طرح کا تھا۔ جن دنوں میں آپ بعد مغرب عشا تک باہر تشریف رکھا کرتے تھے اور کھانا گھر میں کھاتے تھے ان دنوں میں یہ وقت عشاء کے بعد ہوا کرتا تھا ورنہ مغرب اور عشاء کے درمیان۔

مدتوں آپ باہر مہمانوں کے ہمراہ کھانا کھایا کرتے تھے اور یہ دستر خوان گول کمرہ یا مسجد مبارک میں بچھا کرتا تھا اور خاص مہمان آپ کے ہمراہ دستر خوان پر بیٹھا کرتے تھے۔ یہ عام طور پر وہ لوگ ہوا کرتے تھے جن کو حضرت صاحب نامزد کر دیا کرتے تھے ایسے دستر خوان پر تعداد کھانے والوں کی دس سے بیس پچیس تک ہو جایا کرتی تھی۔

گھر میں جب کھانا نوش جان فرماتے تھے تو آپ کبھی تنہا مگر اکثر ام المومنین اور کسی ایک یا سب بچوں کو ساتھ لیکر تناول فرمایا کرتے تھے۔ یہ عاجز کبھی قادیان میں ہوتا تو اس کو بھی شرف اس خانگی دستر خوان پر بیٹھنے کا مل جایا کرتا تھا۔

سحری آپ ہمیشہ گھر میں ہی تناول فرماتے تھے۔ اور ایک دو موجودہ آدمیوں کے ساتھ۔ یا تنہا سوائے گھر کے باہر جب کبھی آپ کھانا کھاتے تو آپ کسی کے ساتھ نہ کھاتے تھے۔ یہ آپکا حکم نہ تھا مگر خدام آپ کو عزت کی وجہ سے ہمیشہ الگ ہی برتن میں کھانا پیش کیا کرتے تھے۔ اگرچہ اور مہمان بھی سوائے کسی خاص وقت کے الگ الگ ہی برتنوں میں کھایا کرتے تھے۔

کس طرح کھانا تناول فرماتے تھے

جب کھانا آگے رکھا جاتا یا دستر خوان بچھتا تو آپ اگر مجلس میں ہوتے تو یہ پوچھ لیا کرتے۔ کیوں جی شروع کریں؟ مطلب یہ کہ کوئی مہمان رہ تو نہیں گیا۔ یا سب کے آگے کھانا آ گیا۔ پھر آپ جواب ملنے پر کھانا شروع کرتے۔ اور تمام دوران میں نہایت آہستہ آہستہ چبا چبا کر کھاتے۔ کھانے میں کوئی جلدی آپ سے صادر نہ ہوتی۔ آپ کھانے کے دوران میں ہر قسم کی گفتگو فرمایا کرتے تھے۔ سالن آپ بہت کم کھاتے تھے۔ اور اگر کسی خاص دعوت کے موقعہ پر دو تین قسم کی چیزیں سامنے ہوں تو اکثر صرف ایک ہی پر ہاتھ ڈالا کرتے تھے۔ اور سالن کی جو رکابی آپ کے آگے سے اٹھتی تھی وہ اکثر ایسی معلوم ہوتی تھی کہ گویا اسے کسی نے ہاتھ بھی نہیں لگایا۔ بہت بوٹیاں یا ترکاری آپ کو کھانے کی عادت نہ تھی۔ بلکہ صرف لعاب سے اکثر چھوا کر ٹکڑا کھا لیا کرتے تھے۔ لقمہ چھوٹا ہوتا تھا اور روٹی کے ٹکڑے آپ بہت سے کر لیا کرتے تھے۔ اور یہ

آپ کی عادت تھی۔ دستر خوان سے اُٹھنے کے بعد سب سے زیادہ ٹکڑے روٹی کے آپ کے آگے سے ملتے تھے اور لوگ بطور تبرک کے اُن کو اُٹھا کر کھا لیا کرتے تھے۔ آپ اس قدر کم خور تھے کہ باوجودیکہ سب مہمانوں کے برابر آپ کے آگے کھانا رکھا جاتا تھا۔ مگر پھر بھی سب سے زیادہ آپ کے آگے سے بچتا تھا؛

بعض دفعہ تو دیکھا گیا کہ آپ صرف روکھی روٹی کا نوالہ منہ میں ڈال لیا کرتے تھے۔ اور پھر انگلی کا سرا شوربے میں تر کرکے زبان سے چھوا دیا کرتے تا کہ لقمہ نمکین ہو جاوے پچھلے دنوں میں جب آپ گھر میں کھانا کھاتے تھے تو آپ اکثر صبح کے وقت مکی کی روٹی اکثر کھایا کرتے تھے اور اسکے ساتھ کوئی ساگ یا صرف لسّی کا گلاس یا کچھ مکھن ہوا کرتا تھا۔ یا کبھی اچار سے بھی لگا کر کھا لیا کرتے تھے۔ آپ کا کھانا صرف اپنے کام کے لئے قوت حاصل کرنے کے لئے ہوا کرتا تھا نہ کہ لذت نفس کے لئے۔ بارہا آپ نے فرمایا کہ ہمیں تو کھانا کھا کر یہ بھی معلوم نہیں ہوا کہ کیا پکا تھا اور ہم نے کیا کھایا۔ ہڈیاں چوسنے اور بڑا نوالہ اُٹھانے۔ زور زور سے چپڑ چپڑ کرنے۔ ڈکاریں مارنے یا رکابیاں چاٹنے یا کھانے کے مدح و ذم اور لذائذ کا تذکرہ کرنے کی آپ کی عادت نہ تھی۔ بلکہ جو پکتا تھا وہ کھا لیا کرتے تھے۔ کبھی کبھی آپ پانی کا گلاس یا چائے کی پیالی بائیں ہاتھ سے پکڑ کر پیا کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ ابتدائی عمر میں دائیں ہاتھ میں ایسی چوٹ لگی تھی کہ اب تک بوجھل چیز اس ہاتھ سے برداشت نہیں ہوتی۔ اکڑوں بیٹھ کر آپ کو کھانے کی عادت نہ تھی بلکہ آلتی پالتی مار کر بیٹھتے یا بائیں ٹانگ بٹھا دیتے اور دایاں گھٹنا کھڑا رکھتے؛

کیا کھاتے تھے؟ میں نے پہلے ذکر کیا ہے کہ مقصد آپ کے کھانے کا صرف قوت قائم رکھنا تھا نہ کہ لذت اور ذائقہ اُٹھانا۔ اسلئے آپ صرف وہ چیزیں ہی کھاتے تھے جو آپ کی طبیعت کے موافق ہوتی تھیں۔ اور جنسے دماغی قوت قائم رہتی تھی تا کہ آپ کے کام میں ہرج نہ ہو۔ علاوہ بریں آپ کو چند بیماریاں بھی تھیں جن کی وجہ سے آپ کو کچھ پرہیز بھی رکھنا پڑتا تھا۔ مگر عام طور پر آپ سب طیبات ہی استعمال فرما لیتے تھے۔ اور اگرچہ آپ سے اکثر یہ پوچھ لیا جاتا کہ آج آپ کیا کھائیں گے مگر جہاں تک ہمیں معلوم ہے خواہ کچھ پکا ہو آپ اپنی ضرورت کے مطابق کھا ہی لیا کرتے تھے۔ اور کبھی کھانے کے بدمزہ ہونے پر اپنی ذاتی وجہ سے خفگی نہیں فرمائی۔ بلکہ اگر خراب پکے ہوئے کھانے اور

سالن پر ناپسندیدگی کا اظہار بھی فرمایا تو صرف اسلئے اور یہ کہکر کہ مہمانوں کو یہ کھانا پسند نہ آیا ہوگا۔ روٹی آپ تنوری اور چولھے کی دونو قسم کی کھاتے تھے۔ ڈبل روٹی چائے کے ساتھ یا بسکٹ اور بکرم بھی استعمال فرمالیا کرتے تھے۔ بلکہ ولائتی بسکٹوں کو بھی جائز فرماتے تھے اسلئے کہ ہمیں کیا معلوم کہ اس میں چربی ہے۔ کیونکہ بنانے والوں کا ادعا تو مکھن ہے۔ پھر ہم ناحق بدگمانی اور شکوک میں کیوں پڑیں۔ مکی کی روٹی بہت مدت آپ نے آخری عمر میں استعمال فرمائی۔ کیونکہ آخری سات آٹھ سال سے آپ کو دستوں کی بیماری ہوگئی تھی اور ہضم کی طاقت کم ہوگئی تھی۔ علاوہ ان روٹیوں کے آپ شیرمال کو بھی پسند فرماتے تھے۔ اور باقرخانی قلچہ وغیرہ غرض جو جو اقسام روٹی کے سامنے آجایا کرتے تھے آپ کسی کو رد نہ فرماتے تھے۔

سالن آپ بہت کم کھاتے تھے۔ گوشت آپکے ہاں دووقت پکتا تھا مگر دال آپ کو گوشت سے زیادہ پسند تھی۔ یہ دال ماش کی یا اوڑد کی ہوتی تھی جس کے لئے گورداسپور کا ضلع مشہور ہے۔ سالن ہر قسم کا اور ترکاری عام طور پر ہر طرح کی آپکے دسترخوان پر دیکھی گئی ہے اور گوشت بھی ہر حلال اور طیب جانور کا آپ کھاتے تھے۔ پرندوں کا گوشت آپ کو مرغوب تھا اسلئے بعض اوقات جب طبیعت کمزور ہوتی تو تیتر۔ فاختہ وغیرہ کے لئے شیخ عبدالرحیم صاحب نومسلم کو ایسا گوشت مہیا کرنے کو فرمایا کرتے تھے۔ مرغ اور بٹیروں کا گوشت بھی آپ کو پسند تھا۔ مگر بٹیرے جب سے کہ پنجاب میں طاعون کا زور ہوا کھانے چھوڑ دیئے تھے۔ بلکہ منع کیا کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ اسکے گوشت میں طاعون پیدا کرنے کی خاصیت ہے۔ اور بنی اسرائیل میں ان کے کھانے سے سخت طاعون پڑی تھی۔ حضور کے سامنے دو ایک دفعہ گوہ کا گوشت پیش کیا گیا مگر آپ نے فرمایا کہ جائز ہے جس کا جی چاہے کھالے۔ مگر رسول کریم صلعم نے چونکہ اس سے کراہت فرمائی اس لئے ہم کو بھی اس سے کراہت ہے۔ اور جیسا کہ وہاں ہوا تھا یہاں بھی لوگوں نے آپکے مہمان خانہ بلکہ گھر میں بھی کچھ بچوں اور لوگوں نے گوہ کا گوشت کھایا مگر آپ نے اُسے اپنے قریب آنے دیا۔ مرغ کا گوشت ہر طرح کا آپ کھالیتے تھے سالن ہو یا بھنا ہوا کباب ہو۔ یا پلاؤ۔ مگر اکثر ایک ران پر ہی گذارہ کر لیتے تھے۔ اور وہی آپکو کافی ہو جاتی تھی بلکہ کبھی کچھ بچ بھی رہا کرتا تھا۔ پلاؤ بھی آپ کھاتے تھے مگر ہمیشہ نرم اور گداز اور گلے گلے ہوئے چاولوں کا اور میٹھے چاول تو کبھی خود کہہ کر پکوالیا کرتے تھے۔ مگر گڑ کے اور وہی آپ کو پسند تھے۔ عمدہ کھانے یعنی کباب مرغ۔ پلاؤ یا انڈے اور اسی طرح فیرنی میٹھے چاول وغیرہ تب ہی آپ کہکر

پکوا لیا کرتے تھے جب ضعف معلوم ہوتا۔ جن دنوں میں تصنیف کا کام کم ہوتا یا صحت اچھی ہوتی تو ان دنوں میں معمولی کھانا ہی کھاتے تھے۔ اور وہ بھی کبھی ایک وقت ہی صرف اور دوسرے وقت دودھ وغیرہ سے گزارہ کر لیتے۔ دودھ بالائی۔ مکھن یہ اشیاء بلکہ بادام روغن تک صرف قوت کے قیام اور ضعف کے دُور کرنے کو استعمال فرماتے تھے اور ہمیشہ معمولی مقدار میں بعض لوگوں نے آپکے کھانے پر اعتراض کئے ہیں۔ مگر ان بیوقوفوں کو یہ خبر نہیں کہ ایک شخص جو عمر میں بوڑھا ہے اور اُسے کئی امراض لگے ہوئے ہیں اور باوجود ان کے وہ تمام جہان سے مصروف پیکار ہے۔ ایک جماعت بنا رہا ہے جس کے فرد فرد پر اس کی نظر ہے۔ اصلاح اسکے کام میں مشغول ہے۔ ہر مذہب سے الگ الگ قسم کی جنگ ٹھنی ہوئی ہے۔ دن رات تصانیف میں مصروف ہے جو نہ صرف اردو بلکہ فارسی اور عربی میں اور پھر وہی ان کو لکھتا اور وہی کاپی دیکھتا۔ وہی پروف درست کرتا اور وہی ان کی اشاعت کا انتظام کرتا ہے۔ پھر سینکڑوں مہمانوں کے ٹھہرنے اُترنے اور علیٰ حسب مراتب کھلانے کا انتظام۔ مباحثات اور وفود کا اہتمام۔ نمازوں کی حاضری۔ مسجد میں روزانہ مجلسیں اور تقریریں۔ ہر روز بیسیوں آدمیوں سے ملاقات۔ اور پھر ان سے طرح طرح کی گفتگو۔ مقدمات کی پیروی۔ روزانہ سینکڑوں خطوط پڑھنے اور پھر ان میں سے بہتوں کے جواب لکھنے۔ پھر گھر میں اپنے بچوں اور اہلبیت کو بھی وقت دینا اور باہر گھروں میں بیعت کا سلسلہ اور نصیحتیں اور دعائیں۔ غرض اس قدر کام اور دماغی محنتیں اور تفکرات کے ہوتے ہوئے اور پھر تقاضائے عمر اور امراض کی وجہ سے اگر صرف اس عظیم الشان جہاد کے لئے قوت پیدا کرنے کو وہ شخص بادام روغن استعمال کرے تو کون بیوقوف اور ناحق شناس ظالم طبع انسان ہے جو اسکے اس فعل پر اعتراض کرے۔ کیا وہ نہیں جانتا کہ بادام روغن کوئی مزیدار چیز نہیں اور لوگ لذت کے لئے اسکا استعمال نہیں کرتے۔ پھر اگر مزے کی چیز بھی استعمال کی تو ایسی نیت اور کام کرنے والے کے لئے تو وہ فرض ہے۔ حالانکہ ہمارے جیسے کاہل الوجود انسانوں کے لئے وہی کھانے تعیش میں داخل ہیں۔

اور پھر جس وقت دیکھا جائے کہ وہ شخص ان مقوی غذاؤں کو صرف بطور قوت لایموت اور سد رمق کے طور پر استعمال کرتا ہے تو کون عقل کا اندھا ایسا ہوگا کہ اس خوراک کو لذائذ حیوانی اور حظوظ نفسانی سے تعبیر کرے۔ خدا تعالیٰ ہر مومن کو بدظنی سے بچائے۔

دودھ کا استعمال آپ اکثر رکھتے تھے اور سوتے وقت تو ایک گلاس ضرور پیتے تھے اور دن کو بھی پچھلے دنوں میں زیادہ استعمال فرماتے تھے۔ کیونکہ یہ معمول ہو گیا تھا کہ ادھر دودھ پیا اور ادھر دست آ گیا۔ اسلئے بہت ضعف ہو جاتا تھا۔ اسکے دُور کرنے کو دن میں تین چار مرتبہ تھوڑا تھوڑا دودھ طاقت قائم کرنے کو پی لیا کرتے تھے۔

دن کے کھانے کے وقت پانی کی جگہ گرمی میں آپ لسّی بھی پی لیا کرتے تھے اور برف موجود ہو تو اس کو بھی استعمال فرما لیتے تھے۔

ان چیزوں کے علاوہ شیرۂ بادام بھی گرمی کے موسم میں جس میں چند دانہ مغز بادام اور چند چھوٹی الائچیاں اور کچھ مصری پیس کر چھنکر پڑتے تھے۔ پیا کرتے تھے۔ اور اگرچہ معمولاً نہیں مگر کبھی کبھی رفع ضعف کے لئے آپ کچھ دن متواتر یخنی گوشت یا پاؤں کی پیا کرتے تھے۔ یہ یخنی بھی بہت بدمزہ چیز ہوتی تھی یعنی صرف گوشت کا اُبلا ہوا رس ہوا کرتا تھا۔

میوہ جات آپ کو پسند تھے اور اکثر خدام بطور تحفہ کے لایا بھی کرتے تھے۔ گاہے بگاہے خود بھی منگواتے تھے۔ پسندیدہ میووں میں سے آپکو انگور۔ بمبئی کا کیلا۔ ناگپوری سنگترے۔ سیب۔ سردے اور سرولی آم زیادہ پسند تھے۔ باقی میوے بھی گاہے ملہے جو آتے رہتے تھے کھا لیا کرتے تھے۔ گنا بھی آپ کو پسند تھا۔

شہتوت بیدانہ کے موسم میں آپ بیدانہ اکثر اپنے باغ کی جنس سے منگوا کر کھاتے تھے اور کبھی کبھی ان دنوں سیر کے وقت باغ کی جانب تشریف لیجاتے اور مع سب رفیقوں کے اسی جگہ بیدانہ تڑوا کر سب کے ہمراہ ایک ٹوکرے میں نوش جان فرماتے۔ اور خشک میووں میں سے صرف بادام کو ترجیح دیتے تھے۔

چائے کا میں پہلے اشارہ کر آیا ہوں۔ آپ جاڑوں میں صبح کو اکثر مہمانوں کے لئے روزانہ بنواتے تھے اور خود بھی پی لیا کرتے تھے۔ مگر عادت نہ تھی۔ سبز چائے استعمال کرتے۔ اور سیاہ کو ناپسند فرماتے تھے۔ اکثر دودھ دالی میٹھی پیتے تھے۔

زمانہ موجودہ کے ایجادات مثلاً برف اور سوڈا لیمونیڈ جنجر وغیرہ بھی گرمی کے دنوں میں پی لیا کرتے تھے بلکہ شدت گرمی میں برف بھی امرتسر۔ لاہور سے خود منگوا لیا کرتے تھے۔

بازاری مٹھائیوں سے بھی آپ کو کسی قسم کا پرہیز نہ تھا نہ اس بات کی پرواہ تھی کہ ہندو کی ساختہ ہے یا مسلمانوں کی۔ لوگوں کی نذرانہ کے طور پر آوردہ مٹھائیوں میں سے بھی کھا لیتے تھے۔ اور خود بھی روپیہ دو روپیہ کی مٹھائی منگوا کر رکھا کرتے تھے۔ یہ مٹھائی بچوں کے لئے ہوتی تھی۔ کیونکہ وہ اکثر حضور ہی کے پاس چیزیں یا پیسہ مانگنے دوڑے آتے تھے۔ میٹھے بھرے ہوئے سموسے یا بیدانہ عام طور پر یہ دو ہی چیزیں آپ ان بچوں کے لئے منگوا رکھتے۔ کیونکہ یہی قادیان میں ان دنوں میں اچھی بنتی تھیں۔

ایک بات یہ بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ آپ کو اپنے کھانے کی نسبت اپنے مہمانوں کے کھانے کا زیادہ فکر رہتا تھا۔ اور آپ دریافت فرمالیا کرتے کہ فلاں مہمان کو کیا کیا پسند ہے۔ اور کس کس چیز کی اسکو عادت ہے۔ چنانچہ مولوی محمد علی صاحب ایم اے۔ کا جب تک نکاح نہیں ہوا۔ تب تک آپ کو ان کی خاطر داری کا اس قدر اہتمام تھا کہ روزانہ خود اپنی نگرانی میں ان کے لئے دودھ چائے۔ بسکٹ مٹھائی۔ انڈے وغیرہ برابر صبح کے وقت بھیجا کرتے اور پھر بھیجنے والے سے دریافت بھی کر لیتے تھے کہ انہوں نے اچھی طرح سے کھا بھی لیا۔ تب آپ کی تسلی ہوتی۔ اسی طرح خواجہ صاحب کا بڑا خیال رکھتے اور بار بار دریافت فرمایا کرتے کہ کوئی مہمان بھوکا تو نہیں رہ گیا یا کسی کی طرف سے ملازمانِ لنگر خانہ نے تغافل تو نہیں کیا۔ بعض موقعہ پر ایسا ہوا کہ کسی مہمان کے لئے سالن نہیں بچا یا وقت پر ان کے کھانا رکھنا بھول گئے تو اپنا سالن یا سب کھانا اسکے لئے اٹھوا کر بھجوا دیا۔

بارہا ایسا بھی ہوا کہ آپ کے پاس تحفہ میں کوئی چیز کھانے کی آئی یا خود کوئی چیز آپ نے ایک وقت منگوائی پھر اس کا خیال نہ رہا اور وہ صندوق میں پڑی پڑی سڑ گئی یا خراب ہو گئی۔ اور اسے سب کا سب پھینکنا پڑا۔ یہ دنیا دار کا کام نہیں۔

ان اشیاء میں سے اکثر چیزیں تحفہ کے طور پر خدا کے وعدوں کے ماتحت آتی تھیں۔ اور بارہا ایسا ہوا کہ حضرت صاحب نے ایک چیز کی خواہش فرمائی اور وہ اسی وقت کسی نو وارد یا مرید با اخلاص نے لا کر حاضر کر دی۔

آپکو کوئی عادت کسی چیز کی نہ تھی۔ ہاں البتہ کبھی کبھی دل کی تقویت یا کھانے کے بعد منہ کی صفائی کے لئے یا کبھی گھر میں سے پیش کر دیا گیا تو کھا لیا کرتے تھے۔ یا کبھی کھانسی نزلہ یا گلے کی خراش ہوئی

تو بھی استعمال فرمایا کرتے تھے۔ حقہ تمباکو کو آپ ناپسند فرمایا کرتے تھے۔ بلکہ ایک موقعہ پر کچھ حقہ نوشوں کو نکال بھی دیا تھا۔ ہاں جن ضعیف العمر لوگوں کو مدت العمر سے عادت لگی ہوئی تھی ان کو آپ نے بسبب مجبوری کے اجازت دیدی تھی۔ کئی احمدیوں نے تو اس طرح پر حقہ چھوڑا کہ ان کو قادیان میں وارد ہونے کے وقت حقہ کی تلاش میں تکیوں میں یا مرزا نظام الدین وغیرہ کی ٹولی میں جانا پڑتا تھا۔ اور حضرت صاحب کی مجلس سے اٹھ کر وہاں جانا چونکہ بہشت سے نکل کر دوزخ میں جانے کا حکم رکھتا تھا اسلئے با غیرت لوگوں نے ہمیشہ کے لئے حقہ کو الوداع کہی۔

ہاتھ دھونا وغیرہ کھانے سے پہلے عموماً اور بعد میں ضرور ہاتھ دھویا کرتے تھے۔ اور سردیوں میں اکثر گرم پانی استعمال فرماتے صابون بہت ہی کم برتتے تھے۔ کپڑے یا تولیہ سے ہاتھ پونچھا کرتے تھے۔ بعض ملانوں کی طرح ڈاڑھی سے چکنے ہاتھ پونچھنے کی عادت ہرگز نہ تھی۔ کلی بھی کھانے کے بعد فرماتے تھے۔ اور خلال بھی ضرور رکھتے تھے۔ جو اکثر کھانے کے بعد کیا کرتے تھے۔

رمضان کی سحری کے لئے آپ کے لئے سالن یا مرغی کی ایک ران اور فرنی عام طور پر ہوا کرتے تھے اور سادہ روٹی کے بجائے ایک پراٹھا ہوا کرتا تھا۔ اگرچہ آپ اس میں سے تھوڑا سا ہی کھاتے تھے۔

کھانے میں مجاہدہ اسجگہ یہ بھی ذکر کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے اوائل عمر میں گوشہ تنہائی میں بہت بہت مجاہدات کئے ہیں اور ایک موقعہ پر متواتر چھ ماہ کے روزے منشاء الٰہی سے رکھے اور خوراک آپکی صرف نصف روٹی یا کم روزہ افطار کرنے کے بعد ہوتی تھی۔ اور سحری بھی نہ کھاتے تھے۔ اور گھر سے جو کھانا آتا وہ چھپا کر کسی مسکین کو دیدیا کرتے تھے۔ تاکہ گھر والوں کو معلوم نہ ہو۔ مگر اپنی جماعت کے لئے عام طور پر آپ نے ایسے مجاہدے پسند نہیں فرمائے۔ بلکہ اسکی جگہ تبلیغ اور قلمی خدمات کو مخالفان اسلام کے برخلاف اس زمانہ کا جہاد قرار دیا۔ پس ایسے شخص کی نسبت یہ خیال کرنا کہ وہ دنیاوی لذتوں کا خواہشمند ہے سراسر ظلم نہیں تو کیا ہے ؟۔

لنگر خانہ میں آپ کے زمانہ میں زیادہ تر دال اور خاص مہمانوں کے لئے گوشت پکا کرتا تھا۔ مگر جلسوں یا عیدین کے موقعہ پر یا جب کبھی آپ کے بچوں کا عقیقہ یا کوئی اور خوشی کا موقعہ ہو تو آپ عام طور پر اس دن گوشت یا پلاؤ یا زردہ کا حکم دیدیا کرتے تھے کہ غربا کو بھی اس میں شریک ہونے کا موقع ملے۔

الہام کھانا کھلانے کی بابت آپ کو ایک الہامی حکم ہے یاایھا النبی اطعموا الجائع والمعتر یعنے اے نبی بھوکے اور سوال کرنے والے کو کھلاؤ۔

ادویات آپ خاندانی طبیب تھے۔ آپ کے والد ماجد اس علاقہ میں نامی گرامی طبیب گزر چکے ہیں۔ اور آپ نے بھی طب سبقاً سبقاً پڑھی ہے مگر باقاعدہ مطب نہیں کیا۔ کچھ تو خود بیمار رہنے کی وجہ سے اور کچھ چونکہ لوگ علاج پوچھنے آجاتے تھے۔ آپ اکثر مفید اور مشہور ادویا اپنے گھر میں موجود رکھتے تھے نہ صرف یونانی بلکہ انگریزی بھی۔ اور آخر میں تو آپ کی ادویات کی الماری میں زیادہ تر انگریزی ادویہ ہی رہتی تھیں مفصل ذکر طبابت کے نیچے آئیگا۔ یہاں اتنا ذکر کردینا ضروری ہے کہ آپ کئی قسم کی مقوی دماغ ادویات کا استعمال فرمایا کرتے تھے مثلاً کوکا۔ کولا۔ مچھلی کے تیل کا مرکب۔ ایسٹن سیرپ۔ کونین فولاد وغیرہ اور خواہ کیسی ہی تلخ یا بدمزہ دوا ہو آپ اسکو بے تکلف پی لیا کرتے۔

سر کے دورے۔ اور سردی کی تکلیف کے لئے سب سے زیادہ آپ مشک یا عنبر استعمال فرمایا کرتے تھے۔ اور ہمیشہ نہائت اعلیٰ قسم کا منگوایا کرتے تھے۔ یہ مشک خریدنے کی ڈیوٹی آخری ایام میں حکیم محمد حسین صاحب لاہوری موجد مفرح عنبری کے سپرد تھی۔ عنبر اور مشک دونوں مدت تک سیٹھ عبدالرحمٰن صاحب مدراسی کی معرفت بھی آتے رہے۔ مشک کی تو آپ کو اس قدر ضرورت رہتی کہ بعض اوقات سامنے رومال میں باندھ رکھتے تھے کہ جس وقت ضرورت ہوئی فوراً نکال لیا۔“

خاکسار عرض کرتا ہے کہ میر صاحب کا ارادہ اس مضمون کو مکمل کرنے کا تھا مگر افسوس کہ نامکمل رہا اور اسکے باقی حصص ابھی تک لکھے نہیں گئے۔ نیز خاکسار عرض کرتا ہے کہ میں نے اس مضمون میں کہیں کہیں کسی قدر لفظی تبدیلی کردی ہے۔

(۴۴۵) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ مولوی محمد اسماعیل صاحب مولوی فاضل نے مجھ سے بیان کیا کہ مولوی عبداللہ صاحب سنوری مرحوم بیان فرماتے تھے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے قرآن شریف سے فال لینے سے منع فرمایا ہے۔

(۴۴۶) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ مولوی محمد اسماعیل صاحب مولوی فاضل نے مجھ سے بیان کیا کہ مولوی عبداللہ صاحب سنوری مرحوم بیان کرتے تھے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے مجھے قرضہ سے نجات پانے کے لئے یہ دعا سکھائی تھی کہ پانچوں فرض نمازوں کے بعد التزام کے ساتھ

گیارہ دفعہ لاحول ولا قوۃ الا باللہ پڑھنا چاہئے اور مینے اس کو بارہا آزمایا ہے اور بالکل درست پایا ہے۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ اس قسم کی باتیں بطور منتر جنتر کے نہیں ہوتیں کہ کوئی شخص خواہ کچھ کرتا رہے وہ محض اس وظیفہ کے ذریعہ سے قرض سے نجات حاصل کرسکتا ہے۔ بلکہ خدا کے پیدا کردہ اسباب کی رعایت نہائت ضروری ہے۔ اور ان معاملات میں اس قسم کی دعاؤں کا صرف یہ مطلب ہوسکتا ہے کہ اگر دوسرے حالات موافق ہوں تو ایسی دعا خدا کے رحم کو اپنی طرف کھینچنے کا موجب ہوتی ہے۔ نیز اس دعا کے الفاظ بھی ایسے ہیں کہ وہ اس قسم کے معاملات میں خدا کے رحم کو اُبھارنے والے ہیں۔ واللہ اعلم۔

(۴۴۷) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ مولوی محمد ابراہیم صاحب بقاپوری نے مجھ سے بذریعہ خط بیان کیا کہ ایک دفعہ مسجد مبارک میں حقیقۃ الوحی کے عربی استفتاء کا پروف دیکھتے وقت مولوی محمد احسن صاحب نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے عرض کیا کہ فلاں لفظ تو صحیح ہے مگر حضور نے اس پر نشان لگایا ہے۔ حضور نے فرمایا کہ مینے تو کوئی نشان نہیں لگایا۔ اور مولوی صاحب کے عرض کرنے پر کہ پھر یہ نشان کسنے لگایا ہے حضرت صاحب نے فرمایا کہ شاید میر مہدی حسین صاحب نے لگایا ہوگا۔ مولوی صاحب نے کہا کہ میر صاحب کو کیا حق تھا؟ حضرت صاحب نے مسکراتے ہوئے فرمایا کہ ان کو بھی ایک حق ہے جسے دخل بے جا کہتے ہیں۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ حضرت صاحب کے آخری ایام میں میر مہدی حسین صاحب حضرت صاحب کے کتب خانہ کے مہتمم ہوتے تھے اور حضرت صاحب کے دیکھنے کے بعد کبھی کبھی اپنے شوق سے کاپی اور پروف وغیرہ دیکھ لیا کرتے تھے اور ان کی عادت میں چونکہ کسی قدر وہم ہے بعض اوقات اپنے خیال میں کسی لفظ کو سہو کاتب سمجھ کر اپنی رائے سے درست کرنا چاہتے تھے۔

(۴۴۸) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ مولوی محمد ابراہیم صاحب بقاپوری نے مجھ سے بذریعہ خط بیان کیا کہ ایک دفعہ مینے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو دیکھا کہ نماز میں آپ نے ناک پر دایاں ہاتھ پھیر کر کھجلی کی۔ اسی طرح دوسری دفعہ مینے دیکھا کہ حضور علیہ السلام نے پاؤں کی کھجلی دائیں پاؤں سے رفع فرمائی۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے سوانح یا سیرت کے لحاظ سے اس روائت میں کوئی بات خاص طور پر قابل ذکر نہیں ہے لیکن مینے اس وجہ سے درج

کر دیا ہے کہ تا یہ پتہ لگے کہ کس طرح حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے صحابہ اپنے آقا کی حرکات و سکنات کا باریک مطالعہ رکھتے تھے۔ در اصل یہ بات صرف غیر معمولی محبت سے حاصل ہو سکتی ہے کہ اس قدر جزئی باتیں محسوس طور پر نظر میں آکر ذہن میں محفوظ رہ جائیں۔ اس قسم کی روایات حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے متعلق میرے پاس بہت پہنچی ہیں جن کے اندر آپ کی سیرت و سوانح کے متعلق کوئی خاص مواد نہیں ہے۔ لیکن ان سے آپ کے صحابہ کی اس غیر معمولی محبت کا پتہ لگتا ہے جو ان کو آپ کی ذات سے تھی مگر میں نے بخوف طوالت عموماً ایسی روایات کو درج نہیں کیا۔

(۴۴۹) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ مولوی محمد ابراہیم صاحب بقاپوری نے مجھ سے بیان کیا کہ ایک دفعہ سیر کے وقت میں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا کہ بخاری میں حضرت ابوہریرہ کی ایک روایت آتی ہے کہ آنحضرت صلعم نے مجھے دو برتن علم کے دیئے ہیں ایک کو تو میں نے لوگوں میں پھیلا دیا ہے اور اگر دوسرا ظاہر کروں تو میرا گلا کاٹا جاوے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلعم اپنی بعض باتیں بعض صحابہ سے مخفی رکھتے تھے۔ اس پر حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ اس کا اگر یہی مطلب ہی تو چاہیئے تھا کہ اس طرح کی خاص باتیں حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ وغیرہ خاص خاص صحابہ کو بتلائی جاتیں نہ کہ صرف ابوہریرہ کو۔ پھر فرمایا کہ بعض اوقات انسان کو کوئی بات بتلائی جاتی ہے تو وہ اسکو اپنی سمجھ کے مطابق بڑی عظمت اور اہمیت دیکر خود بتلانا نہیں چاہتا۔

(۴۵۰) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ مولوی رحیم بخش صاحب ساکن تلونڈی جھنگلاں نے مجھ سے بذریعہ تحریر بیان کیا کہ ایک دفعہ میں قادیان میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت میں حاضر تھا حضرت صاحب نے فرمایا کہ چلو ذرا سیر کر آئیں۔ چنانچہ حضرت صاحب بڑے بازار میں سے ہوتے ہوئے اس طرف تشریف لے گئے جہاں اب ہائی سکول ہے۔ جب سیر کرتے کرتے واپس شہر کو آئے تو حضرت صاحب نے فرمایا کہ مجھے الہام ہوا ہے ینجیك من الغم وكان ربك قديرا اور آپ نے فرمایا کہ ہمیں خدا کے فضل سے غم تو کوئی نہیں ہے شاید آئندہ کوئی غم پیش آئے۔ جب مکان پر آئے تو ایک شخص امرتسر سے یہ خبر لایا کہ آپ کا وہ نگینہ جو الیس اللہ بکاف عبدہ لکھنے کے واسطے حکیم محمد شریف صاحب کے پاس امرتسر بھیجا ہوا تھا وہ گم ہو گیا ہے اور نیز ایک ورق براہین احمدیہ کا لایا جو بہت خراب تھا اور پڑھا نہیں جاتا تھا۔ یہ معلوم کر کے آپ کو بہت

تشویش ہوئی۔ اور فرمایا کہ حکیم محمد شریف ہمارا دوست ہے اور اسکو دل کی بیماری ہے نگینہ گم جانے سے اسے بہت تشویش ہوئی ہوگی اور اندیشہ ہے کہ اس کی بیماری زیادہ نہ ہو جاوے۔ اور کتاب کے ورق کے متعلق فرمایا کہ بہت ردی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ کتاب بالکل خراب چھپتی ہے اس طرح لوگ اسے نہیں پڑھیں گے اور ہمارے پاس پیسے بھی نہیں ہیں کہ دوبارہ اچھی کر کے چھپوائیں۔ المختصر حضرت صاحب اسیوقت بٹالہ کی طرف پا پیادہ روانہ ہوگئے اور میں اور دو اور آدمی جو اسوقت موجود تھے ساتھ ہولئے۔ جب ہم دیوانیوال کے تکیہ پر پہنچے تو حضور نے فرمایا کہ نماز پڑھ لیں اور حضور نے خاکسار کو فرمایا کہ رحیم بخش تو نماز پڑھا۔ چنانچہ میں نے ظہر اور عصر کی نماز جمع کرائی جسکے بعد ہمارے ساتھی تو علیحدہ ہوگئے اور حضرت صاحب اور یہ خاکسار بٹالہ سے گاڑی میں سوار ہو کر امرتسر پہنچے۔ جب حکیم صاحب کے مکان پر پہنچے تو حکیم صاحب نے بہت خوش ہو کر کہا کہ یہ آپ کا نگینہ گم ہوگیا تھا مگر ابھی مل گیا ہے اور جب مطبع میں جاکر کتاب دیکھی تو وہ اچھی چھپ رہی تھی جس پر آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالےٰ نے ہم کو پہلے سے بشارت دیدی تھی کہ ہم تجھے غم سے نجات دیں گے۔ سو وہ یہی غم تھا۔ اسکے بعد آپ نے فرمایا رحیم بخش چلو رام باغ کی سیر کر آئیں۔ شہر سے باہر سیر کرتے کرتے خاکسار نے عرض کیا۔ مرزا جی جو ولی ہوتے ہیں کیا وہ بھی باغوں کی سیر کیا کرتے ہیں؟ وہ تو عبادت الٰہی میں رات دن گذارتے ہیں۔ آپ نے فرمایا باغ کی سیر منع نہیں ہے۔ پھر ایک قصہ سنایا کہ ایک بزرگ تھے وہ عمر بھر عبادت الٰہی کرتے رہے اور جب آخر عمر کو پہنچے تو خیال آیا کہ اپنے پیچھے کچھ نیکی چھوڑ جائیں چنانچہ ایک کتاب لکھنے کا ارادہ کیا۔ مگر کتاب لکھنے بیٹھے تو چونکہ دنیا کا کچھ بھی دیکھا ہوا نہیں تھا کوئی مثال نہیں دے سکتے تھے کہ کس طرح نیکی اور بدی پر جزا سزا کا ہونا وغیرہ سمجھائیں۔ آخر ان کو دنیا میں پھر کر دنیا کو دیکھنا پڑا۔ اور پھر انہوں نے میلے وغیرہ بھی دیکھے۔ پھر آپ نے مجھ سے مسکراتے ہوئے فرمایا رحیم بخش! ہم نے بھی براہین میں گلاب کے پھول کی مثال دی ہوئی ہے۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ یہ واقعہ ۱۸۸۲ء یا ۱۸۸۳ء یا ۱۸۸۴ء کا معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ براہین کی طبع کا یہی زمانہ ہے لیکن یہ بات حیرت میں ڈالتی ہے کہ اس روایت میں الیس اللہ بکاف عبدہٗ والے نگینہ کی تیاری کا زمانہ بھی یہی بتایا گیا ہے۔ حالانکہ حضرت صاحب کی تحریرات سے ایسا معلوم ہوتا ہے (گو اس معاملہ میں صراحت نہیں ہے) کہ جب ہمارے دادا صاحب کی وفات ہوئی اور اس سے قبل

حضرت صاحب کو یہ الہام ہوا تو اسی زمانہ میں حضرت صاحب نے یہ انگوٹھی تیار کروالی تھی۔ سو یا تو اس روایت میں جو نگینہ کی تیاری کا ذکر ہے یہ کوئی دوسرا واقعہ ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شائد یہ نگینہ دو دفعہ تیار کرایا گیا ہے اور یا اس کی پہلی تیاری ہی بعد میں براہین احمدیہ کے زمانہ میں ہوئی ہے یعنے الہام ۱۸۷۶ء میں ہوا ہے۔ جبکہ دادا صاحب کی وفات ہوئی اور انگوٹھی چند سال بعد میں تیار کرائی گئی ہے۔ اور اس روایت کو تسلیم کرتے ہوئے بھی موخر الذکر صورت زیادہ درست معلوم ہوتی ہے۔ واللہ اعلم۔

(۴۵۱) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ قاضی محمد یوسف صاحب پشاوری نے مجھ سے بذریعہ تحریر بیان کیا کہ خواجہ کمال الدین صاحب سے مینے سنا ہے کہ مولوی کرم دین بھیں والے کے مقدمہ کے دوران میں ایک دفعہ حضرت صاحب بٹالہ کے رستے گورداسپور کی طرف روانہ ہوئے۔ آپ کے ساتھ رتھ میں خود خواجہ صاحب اور مولوی محمد احسن صاحب مرحوم تھے اور باقی لوگ یکوں میں پیچھے آرہے تھے۔ اتفاقاً یکے کچھ زیادہ پیچھے رہ گئے اور رتھ اکیلی رہ گئی۔ رات کا وقت تھا آسمان ابرآلود تھا اور چاروں طرف سخت اندھیرا تھا۔ جب رتھ وڈالہ سے بطرف بٹالہ آگے بڑھا تو چند ڈاکو گنڈاسوں اور چھویوں سے مسلح ہو کر رستہ میں آگئے اور حضرت صاحب کی رتھ کو گھیر لیا اور پھر وہ آپس میں یہ تکرار کرنے لگ گئے کہ ہر شخص دوسرے سے کہتا تھا کہ تو آگے ہو کر حملہ کر مگر کوئی آگے نہ آتا تھا اور اسی تکرار میں کچھ وقت گذر گیا اور اتنے میں پچھلے یکے آن ملے اور ڈاکو بھاگ گئے۔ قاضی صاحب لکھتے ہیں کہ خواجہ صاحب بیان کرتے تھے کہ اس وقت یعنی جس وقت ڈاکو حملہ کرکے آئے تھے مینے دیکھا کہ حضرت صاحب کی پیشانی سے ایک خاص قسم کی شعاع نکلتی تھی جس سے آپ کا چہرہ مبارک چمک اُٹھتا تھا۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ قادیاں اور بٹالہ کی درمیانی سڑک پر اکثر چوری اور ڈاکہ کی وارداتیں ہو جاتی ہیں مگر اس وقت خدا کا خاص تصرف تھا کہ ڈاکو خود مرعوب ہو گئے اور کسی کو آگے آنے کی جرأت نہیں ہوئی۔ قاضی صاحب بیان کرتے ہیں کہ مینے یہ واقعہ خواجہ صاحب سے انہی دنوں میں بمقام پشاور سنا تھا۔

(۴۵۲) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ میر شفیع احمد صاحب محقق دہلوی نے مجھ سے بذریعہ خط بیان کیا کہ جب آخری دفعہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام لاہور جاکر ٹھہرے تو میں

ان دنوں خواجہ صاحب کا ملازم تھا۔ اور حضرت صاحب کی ڈاک لاکر حضور کو پہنچایا کرتا تھا۔ ڈاک میں دو تین خط بیرنگ ہوا کرتے تھے جو میں وصول کر لیتا تھا اور حضرت صاحب کو پہنچا دیتا تھا اور حضرت صاحب مجھے ان کے پیسے دیدیا کرتے تھے۔ ایک دن میں نے خواجہ صاحب کے سامنے بیرنگ خط وصول کئے تو خواجہ صاحب نے مجھے روکا کہ بیرنگ خط مت لو۔ میں نے کہا میں تو ہر روز وصول کرتا ہوں اور حضرت صاحب کو پہنچاتا ہوں اور حضرت نے مجھے کبھی نہیں روکا۔ مگر اسپر بھی مجھے خواجہ صاحب نے سختی کے ساتھ روک دیا۔ جب میں حضرت صاحب کی ڈاک پہنچانے گیا تو میں نے عرض کیا کہ حضور آج مجھے خواجہ صاحب نے بیرنگ خط وصول کرنے سے سختی سے روک دیا ہے۔ حضور فرمائیں تو میں اب بھی بھاگ کر لے آؤں۔ حضرت صاحب مسکرائے اور فرمانے لگے کہ ان بیرنگ خطوں میں سوائے گالیوں کے کچھ نہیں ہوتا اور یہ خط گمنام ہوتے ہیں۔ اگر یہ لوگ اپنا پتہ لکھ دیں تو ہم انہیں سمجھا سکیں مگر شائد یہ لوگ ڈرتے ہیں کہ ہم ان کے خلاف قانونی چارہ جوئی نہ کریں حالانکہ ہمارا کام مقدمہ کرنا نہیں ہے۔ اس دن سے میں نے بیرنگ خط وصول کرنے چھوڑ دیئے۔

(۴۵۳) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ میر شفیع احمدؐ صاحب دہلوی نے مجھ سے بذریعہ خط بیان کیا کہ میں نے خواجہ کمال الدین صاحب کی زبانی سُنا ہے کہ جن دنوں میں حضرت صاحب کے خلاف مولوی کرم دین نے گورداسپور میں مقدمہ دائر کر رکھا تھا اور خواجہ صاحب اور مولوی محمد علی صاحب حضرت صاحب کی طرف سے پیروی کرتے تھے۔ ان دنوں میں ایک دفعہ خواجہ صاحب کچھ دنوں کے لئے پشاور اپنے اہل و عیال کے پاس آئے جہاں وہ اس زمانہ میں پریکٹس کیا کرتے تھے اور ان کے ساتھ حضرت مولوی عبدالکریم مرحوم بھی حضرت صاحب سے اجازت لے کر پشاور دیکھنے کے لئے چلے آئے۔ خواجہ صاحب نے بیان کیا کہ جب میں پشاور آیا تو بیوی بچوں کو بہت پریشان حال پایا کیونکہ ان کے پاس کوئی روپیہ پیسہ نہیں تھا اور وہ کچھ دنوں سے قرض لیکر گذارہ کرتے تھے جسپر میں نے بیوی کے تین سو روپے کے کڑے فروخت کر دیئے اور اس طرح اپنے گذارہ کا انتظام کیا اس حالت کا حضرت مولوی عبدالکریم صاحب کو بھی علم ہو گیا اور انھوں نے واپس آ کر گورداسپور میں حضرت صاحب سے ساری کیفیت عرض کر دی۔ حضرت صاحب کو یہ واقعہ سُنکر رنج ہوا اور آپ نے فرمایا کہ ہم انشاء اللہ دعا کریں گے۔ تھوڑی دیر کے بعد حضرت صاحب نے اندرون خانہ سے تین سو روپے

میاں محمود احمد صاحب (یعنے حضرت خلیفہ ثانی) کے ہاتھ مولوی عبدالکریم صاحب کو بھجوائے کہ یہ روپیہ خواجہ صاحب کے لئے ہے ان کو دیدیں۔ مولوی صاحب نے میاں صاحب کو میرے پاس بھیجدیا مجھے جب یہ روپیہ ملا تو میں اسے لیکر فورًا مولوی صاحب کے پاس آیا اور کہا کہ یہ کیسا روپیہ ہے۔ مولوی صاحب نے فرمایا کہ مینے تمھاری حالت حضرت صاحب کی خدمت میں عرض کردی تھی اور اب حضرت صاحب نے یہ روپیہ بھجوایا ہے۔ مینے عرض کیا مولوی صاحب آپنے یہ کیا غضب کردیا۔ مولوی صاحب نے فرمایا اگر حضرت صاحب سے عرض نہ کیا جاتا تو اور کس سے کہا جاتا۔ اللہ تعالیٰ کے نیچے ہمارے لئے اسوقت حضور ہی ہیں۔ تم خاموش ہوکر روپیہ لے لو اور خدا کا شکر کرو یہ روپیہ بہت بابرکت ہے۔ اور حضرت صاحب نے تمھارے واسطے دعا کا بھی وعدہ فرمایا ہے۔ چنانچہ مینے وہ روپیہ رکھ لیا اور پھر اسکے بعد مینے دیکھا کہ گورداسپور میں ہی میرے پاس مقدمات آنے لگ گئے۔ اور روز دو چار موکل آجاتے تھے اور مینے اس قدر جلد حضرت کی دعا کا اثر دیکھا کہ جس کی کوئی حد نہیں۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ مینے یہ واقعہ کسی قدر اختلاف کے ساتھ حضرت خلیفۃ المسیح ثانی سے بھی سُنا ہوا ہے۔ مگر اس کی تفصیل مجھے یاد نہیں رہی۔

(۴۵۴) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ میر شفیع احمد صاحب دہلوی نے مجھ سے بذریعہ خط بیان کیا کہ ایک دفعہ ایک معزز احمدی کو سر پرتول چندر چٹرجی بنگالی کا ایک رشتہ دار گاڑی میں ملگیا اور اسے انھوں نے تبلیغ کی اور وہ بہت متأثر ہوا اور ان کے ساتھ قادیان چلا آیا اور یہاں آکر مسلمان ہوگیا۔ نام کی تبدیلی کے متعلق کسی نے عرض کیا تو حضور نے فرمایا کہ ان کا اپنا نام بھی اچھا ہے بس نام کے ساتھ احمد زیادہ کردو کسی اور تبدیلی کی ضرورت نہیں۔ لوگوں نے اسکے بنگالی طرز کے بال کتروا دیئے جسے دیکھ کر حضور نے فرمایا کہ بال کیوں کتروا دیئے؟ پہلے بال بھی اچھے تھے بلکہ اب خراب ہو گئے ہیں۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ معلوم ہوتا ہے کہ کسی نے اسکے بال ایسے رنگ میں کتروا دیئے ہوں گے جو قریبًا منڈے ہوئے کے برابر ہوں اور ایسی طرز کے بال حضرت صاحب پسند نہیں فرماتے تھے بلکہ سر کے بال منڈانے کے متعلق فرمایا کرتے تھے کہ خارجیوں کا طریق ہے۔ نیز خاکسار عرض کرتا ہے کہ اسلام لانے کے وقت نام بدلنا ضروری نہیں ہوتا ہاں البتہ اگر مشرکانہ نام ہو تو وہ ضرور بدل دینا چاہئے۔

(۴۵۵) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ میر شفیع احمد صاحب دہلوی نے مجھ سے بیان کیا کہ میںنے وزیر محمد خان صاحب سے سُنا ہے کہ ایک دفعہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام باہر کھانا تناول فرما رہے تھے اور آپ کے ساتھ حضرت مولوی نورالدین صاحب اور مولوی عبدالکریم صاحب اور مولوی محمد احسن صاحب بھی تھے اور میں بھی شریک تھا۔ اسوقت اندر سے قیمہ بھرے ہوئے کریلے حضرت ام المومنین صاحبہ نے بھجوائے۔ اور حضرت صاحب نے ایک ایک کریلا حضرت خلیفہ اوّل اور مولوی عبدالکریم صاحب اور مولوی محمد احسن صاحب کے سامنے رکھدیا اور اسکے بعد دو کریلے حضرت صاحب کے سامنے رہے مجھے خیال آیا کہ شائد حضرت صاحب میرے سامنے کوئی کریلا نہیں رکھیں گے۔ مگر یہ خیال آتا ہی تھا کہ حضرت صاحب نے وہ دونوں کریلے اُٹھا کر میرے سامنے رکھدیئے۔ میںنے بہت عرض کیا کہ ایک حضور بھی لے لیں مگر حضرت صاحب نے نہیں لیا۔

(۴۵۶) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ پیر سراج الحق صاحب نعمانی نے مجھ سے بیان کیا کہ جب ابتدأ ۱۸۸۱ء میں قادیان آیا تو اسوقت میرے اندازہ میں حضرت صاحب کی عمر پینتالیس ۴۵ سال کے قریب معلوم ہوتی تھی اور ابھی آپ کی شادی حضرت ام المومنین کے ساتھ نہیں ہوئی تھی۔

(۴۵۷) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ میاں محمد خان صاحب نمبردار گل منج ضلع گورداسپور نے مجھ سے بذریعہ خط بیان کیا کہ ایک دفعہ جب کہ میری عمر سولہ سترہ سال کی تھی میں اپنے گاؤں کے ایک آدمی کے ساتھ امرتسر اپنے ایک رشتہ دار سے ملنے گیا اور واپسی پر ہم قادیان میں سے گذرے چونکہ نماز عصر کا وقت تنگ ہو رہا تھا ہم نماز پڑھنے کے لئے بڑی مسجد میں چلے گئے۔ وہاں ہم نے دیکھا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اکیلے ٹہل رہے تھے۔ اور آپ کے ہاتھ میں کوئی کتاب تھی۔ جب ہم نماز سے فارغ ہو چکے تو حضرت صاحب نے ہم سے پنجابی زبان میں پوچھا لڑکو! تمہارا گھر کہاں ہے؟ میںنے عرض کیا کہ گل منج میں ہے۔ جس پر آپ نے ہم سے گل منج کا فاصلہ دریافت کیا۔ اور میںنے عرض کیا کہ قادیان سے چار پانچ میل پر ہے۔ پھر حضرت صاحب نے فرمایا کہ کیا تمہارے گاؤں میں میری کتاب پہنچ گئی ہے؟ ہم نے عرض کیا کہ وہاں تو کوئی کتاب نہیں گئی۔ حضرت صاحب نے فرمایا دُور دراز جگہوں میں تو وہ پہنچ گئی ہے تعجب ہے تمہارے گاؤں میں نہیں پہنچی تم میرے ساتھ چلو میں تمہیں کتاب دیتا ہوں۔ سو حضرت صاحب ہم دونوں کو لیکر مسجد مبارک کے ساتھ والی کوٹھری میں تشریف لے گئے۔ وہاں بہت کتابیں

رکھی تھیں۔ حضرت صاحب نے دریافت فرمایا تمہارے گاؤں میں کتنے آدمی پڑھے ہوئے ہیں۔ میں نے زیادہ کتابوں کے لالچ سے کہدیا کہ آٹھ نو آدمی پڑھے لکھے ہیں۔ حالانکہ صرف چار یا پانچ آدمی پڑھے ہوئے تھے۔ ان دنوں میں مَیں تیسری جماعت میں پڑھا کرتا تھا۔ اسکے بعد تمام علاقہ میں حضرت صاحب کا چرچا ہونے لگ گیا کہ قادیان والا مرزا مہدی اور مسیح ہونیکا دعویٰ کرتا ہے۔ اور میں نے جلد ہی بیعت کرلی۔"

(۴۵۸) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ میر عنایت علی صاحب لدھیانوی نے مجھ سے بذریعہ خط بیان کیا کہ ایک دفعہ حضرت اقدس معہ مولوی عبدالکریم صاحب مرحوم اور غلام قادر صاحب فصیح لدھیانہ محلہ اقبال گنج میں تشریف رکھتے تھے۔ دعویٰ مسیحیت ہوچکا تھا اور مخالفت کا زور تھا اور مولوی محمد حسین بٹالوی حضور کے مقابلہ میں آکر شکست کھا چکا تھا۔ غرض لدھیانہ میں ایک شورش ہو رہی تھی اور محرم بھی غالباً قریب تھا۔ اس پر لدھیانہ کے ڈپٹی کمشنر کو اندیشہ ہوا کہ کہیں لدھیانہ میں ان مولویوں کی وجہ سے فساد نہ ہوجاوے ان کو لدھیانہ سے رخصت کر دینے کا حکم دیا اور اس کام کے لئے ڈپٹی کمشنر نے ڈپٹی دلاور علی صاحب اور کرم بخش صاحب تھانہ دار کو مقرر کیا۔ ان لوگوں نے مولوی محمد حسین کو ڈپٹی کمشنر کا حکم سُنا کر لدھیانہ سے رخصت کر دیا۔ اور پھر وہ حضرت صاحب کے پاس حاضر ہوئے اور سڑک پر کھڑے ہوکر اندر آنے کی اجازت چاہی۔ حضرت صاحب نے ان کو فوراً اندر مکان میں بلالیا اور ہم لوگوں کو حضرت صاحب نے فرمادیا کہ آپ ذرا باہر چلے جائیں۔ چنانچہ ڈپٹی صاحب وغیرہ نے حضرت صاحب کے ساتھ کوئی آدھ گھنٹہ ملاقات کی اور پھر واپس چلے گئے۔ ہم نے اندر جاکر حضرت صاحب سے دریافت کیا کہ یہ لوگ کیوں آئے تھے؟ جس پر حضرت صاحب نے فرمایا کہ وہ ڈپٹی کمشنر کا ایک پیغام لائے تھے۔ کہ لدھیانہ میں فساد کا اندیشہ ہے بہتر ہے کہ آپ کچھ عرصہ کیلئے یہاں سے تشریف لے جائیں۔ حضرت صاحب نے جواب میں فرمایا کہ اب یہاں ہمارا کوئی کام نہیں ہے اور ہم جانے کو تیار ہیں لیکن سردست ہم سفر نہیں کرسکتے کیونکہ بچوں کی طبیعت اچھی نہیں ہے۔ انھوں نے کہا کہ خیر کوئی بات نہیں ہم ڈپٹی کمشنر سے کہدیں گے اور ہمیں آپ کی ملاقات کا بہت شوق تھا سو شکر ہے کہ اس بہانہ سے زیارت ہوگئی۔ اسکے بعد حضرت صاحب اندرون خانہ تشریف لے گئے اور ایک چٹھی ڈپٹی کمشنر کے نام لکھ کر لائے جس میں اپنے خاندانی حالات اور اپنی تعلیم وغیرہ کا ذکر فرمایا اور بعض خاندانی چٹھیات کی نقل بھی ساتھ لگادی۔ اس چٹھی کا

غلام قادر صاحب فصیح نے انگریزی میں ترجمہ کیا اور پھر اسے ڈپٹی کمشنر صاحب کے نام ارسال کر دیا گیا۔ وہاں سے جواب آیا کہ آپ کے لئے کوئی ایسا حکم نہیں ہے۔ آپ بے شک لدھیانہ میں ٹھہر سکتے ہیں جس پر مولوی محمد حسین نے لاہور جا کر بڑا شور برپا کیا کہ مجھے تو نکال دیا گیا ہے اور مرزا صاحب کو اجازت دی گئی ہے۔ مگر کسی حاکم کے پاس اسکی شنوائی نہیں ہوئی۔ اسکے بعد دیر تک حضرت صاحب لدھیانہ میں رہے خاکسار عرض کرتا ہے کہ میں نے حضرت خلیفہ ثانی سے سنا ہوا ہے کہ اس موقعہ پر حضرت صاحب احتیاطاً امرتسر چلے آئے تھے اور امرتسر میں آپ کو ڈپٹی کمشنر کی چٹھی ملی تھی جس پر آپ پھر لدھیانہ تشریف لے گئے۔ واللہ اعلم ان دونوں روایتوں میں سے کون سی درست ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ دونوں ٹھیک ہوں۔ یعنی حضرت صاحب ڈپٹی دلاور علی صاحب وغیرہ کی ملاقات کے بعد احتیاطاً امرتسر چلے آئے ہوں۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ڈپٹی دلاور علی صاحب وغیرہ کو ڈپٹی کمشنر کے حکم کے متعلق غلط فہمی پیدا ہو گئی تھی اور ڈپٹی کمشنر کا منشاء صرف مولوی محمد حسین کے رخصت کئے جانے کے متعلق تھا چنانچہ ڈپٹی کمشنر کے جواب سے جو دوسری جگہ نقل کیا جا چکا ہے پتہ لگتا ہے کہ اس نے کبھی بھی حضرت صاحب کے متعلق ایسے خیال کا اظہار نہیں کیا۔ واللہ اعلم۔

(۴۵۹) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ ڈاکٹر میر محمد اسماعیل صاحب نے مجھ سے بیان کیا کہ جس دن شب کو عشاء کے قریب حسین کامی سفیر روم قادیان آیا اس دن نماز مغرب کے بعد حضرت صاحب مسجد مبارک میں شاہ نشین پر احباب کے ساتھ بیٹھے تھے کہ آپ کو دوران سر کا دورہ شروع ہوا اور آپ شاہ نشین سے نیچے اتر کر فرش پر لیٹ گئے اور بعض لوگ آپ کو دبانے لگ گئے مگر حضور نے دیر میں سب کو ہٹا دیا۔ جب اکثر دوست وہاں سے رخصت ہو گئے تو آپ نے مولوی عبدالکریم صاحب مرحوم سے فرمایا کہ کچھ قرآن شریف پڑھ کر سنائیں۔ مولوی صاحب مرحوم دیر تک نہایت خوش الحانی سے قرآن شریف سناتے رہے یہاں تک کہ آپ کو افاقہ ہو گیا۔

(۴۶۰) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ ڈاکٹر میر محمد اسماعیل صاحب نے مجھ سے بیان کیا کہ لیکھرام کے قتل کے واقعہ پر جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے گھر کی تلاشی ہوئی تو پولیس کے افسر بعض کاغذات اپنی خیال میں مشتبہ سمجھ کر ساتھ لے گئے اور چند دن کے بعد ان کاغذات کو واپس لے کر پھر بعض افسر قادیان آئے اور چند خطوط کی بابت جس میں کسی ایک خاص امر کا کنایۃً ذکر تھا

حضرت صاحب سے سوال کیا کہ یہ کیا معاملہ ہے؟ حضرت صاحب نے فوراً بتادیا کہ یہ خطوط محمدی بیگم کے رشتے کے متعلق ہیں اور امر معلومہ سے مراد یہی امر ہے اور یہ خط مرزا امام دین نے میرے نام بھیجے تھے جو میرا چچازاد بھائی ہے اور محمدی بیگم کا حقیقی ماموں ہے۔ اس پر مرزا امام دین کو پولیس والوں نے حضور کے مکان کے اندر ہی بلوالیا۔ اور اس سے سوال کیا کہ کیا یہ خط آپ کے لکھے ہوئے ہیں؟ وہ صاف مکر گیا۔ پھر زیادہ زور دینے پر کہنے لگا کہ مجھے ٹھیک معلوم نہیں ہے۔ اس پر مرزا امام دین کا خط پہچاننے کے لئے اس سے ایک سادہ کاغذ پر عبارت لکھوائی گئی تو مبصروں اور کاتبوں نے دونوں تحریروں کو ملا کر یقینی طور پر پولیس افسروں کے اوپر ثابت کر دیا کہ یہ خطوط مرزا امام دین ہی کے لکھے ہوئے ہیں۔ جب مرزا امام دین کو کوئی گنجائش مفرکی نہ رہی اور پولیس افسر نے کسی قدر سختی سے پوچھا تو کہنے لگا شائد میرے ہی ہوں اور بالآخر صاف تسلیم کر لیا کہ میرے ہی ہیں اور امر معلومہ سے وہی مراد ہے جو مرزا غلام احمد صاحب (حضرت مسیح موعود) نے بیان کیا ہے۔ اس واقعہ کے وقت کئی لوگ موجود تھے۔ اس سارے دوران میں مرزا امام دین کے چہرہ پر ایک رنگ آتا اور ایک جاتا تھا اور حاضرین نے اسکی ذلت کو خوب محسوس کیا۔ بعد ازاں پولیس افسر چلے گئے اور تلاشی کا معاملہ رفع دفعہ ہوگیا۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ حضرت صاحب نے اپنی خانہ تلاشی کا ذکر اشتہار مورخہ ۱۱ اپریل ۱۸۹۷ء میں کیا ہے۔ جہاں لکھا ہے کہ یہ خانہ تلاشی ۸ اپریل ۱۸۹۷ء کو ہوئی تھی۔ نیز خاکسار عرض کرتا ہے کہ محمدی بیگم کے جس ماموں کا ذکر سیرۃ المہدی حصہ اول کی روایت ۱۷۵ (صحیح ۱۷۹) میں ہے وہ یہی صاحب مرزا امام دین تھے۔

(۴۶۱) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ ڈاکٹر میر محمد اسماعیل صاحب نے مجھ سے بیان کیا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ میں پانچ وقت کی نماز اور جمعہ کی نماز تو مولوی عبدالکریم صاحب پڑھاتے تھے۔ مگر عیدین کی نماز ہمیشہ حضرت مولوی نورالدین صاحب پڑھایا کرتے تھے۔ الاّ ماشاء اللہ اور جنازوں کی نماز عموماً حضرت مسیح موعود علیہ السلام خود پڑھاتے تھے۔

(۴۶۲) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ ڈاکٹر میر محمد اسماعیل صاحب نے مجھ سے بیان کیا کہ ایک دفعہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے لالہ ملاوامل کے متعلق یہ واقعہ سنایا کہ ایک دفعہ ملاوامل تپ کہنہ سے سخت بیمار ہو گیا اور یہ خیال ہو گیا کہ اسے دق ہے۔ جب دواؤں سے فائدہ نہ ہوا تو میلے

اسے جوزہ کی یخنی کچھ عرصہ تک مسلسل استعمال کرنے کیلئے بتائی اس پر پہلے تو اسنے بوجہ گوشت خور نہ ہونے کے اعتراض کیا مگر بالآخر اسنے مان لیا اور کچھ عرصہ تک اسکا استعمال کرتا رہا حتیٰ کہ اس کا بخار بالکل جاتا رہا۔ اس واقعہ کے ایک عرصہ بعد پھر ملاوامل ہمارے پاس آیا اور کہنے لگا مرزا صاحب مجھے پھر کچھ حرارت محسوس ہونے لگی ہے۔ خوف ہے کہ پھر نہ اسی طرح بیمار ہو جاؤں اور اشارۃً یہ بھی ذکر کیا کہ پہلی دفعہ آپ نے جوزہ کی یخنی بتائی تھی۔ مینے اس کی نبض دیکھی تو کچھ حرارت وغیرہ معلوم نہ ہوئی۔ اس پر مینے خیال کیا کہ شائد وہ پھر جوزہ کا استعمال کرنا چاہتا ہے۔ مگر خود بخود استعمال کرنے سے حجاب کرتا ہے۔ اور بطور معالج کے میری اجازت حاصل کرنا چاہتا ہے۔ چنانچہ مینے اسے کہدیا کہ ہاں جوزہ کی یخنی بہت مفید ہے ضرور استعمال کرو۔"

(۴۶۳) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ ڈاکٹر میر محمد اسمٰعیل صاحب نے مجھ سے بیان کیا کہ ایک دفعہ حضرت صاحب نے مجھے ایک کاغذ کی تلاش کے لئے اپنے پرانے بستے دیکھنے کے لئے دیئے۔ وہ کاغذ تو نہ ملا لیکن اس بستہ میں مجھے لالہ ملاوامل کے پرانے خطوط دستیاب ہوئے جو اسنے طالب علمی کے زمانہ میں حضرت صاحب کے نام دینی مسائل کی دریافت کے متعلق لکھے تھے اور ایک جگہ حضرت صاحب کا اپنے ہاتھ کا لکھا ہوا یہ الہام ملا۔ "بر تر گمان و وہم سے احمد کی شان ہے۔ اسکا غلام دیکھو مسیح الزمان ہے۔" لیکن تعجب ہے کہ آجکل درثمین میں "اسکا" کی بجائے "جس کا" چھپا ہوا ہے۔ نیز ایک بستہ میں مجھے ایک پرچہ ملا جس پر حضور کا اپنا دستخطی یہ مضمون لکھا ہوا تھا کہ الذین یؤمنون بما انزل الیك وما انزل من قبلك وبالاٰخرۃ ھم یوقنون سے یہ مراد ہے کہ جو لوگ اس وحی پر ایمان لاتے ہیں جو تجھ پر نازل کی گئی ہے اور اس وحی پر جو تجھ سے پہلے نازل ہوئی ہے اور اس وحی پر بھی یقین رکھتے ہیں جو آخری زمانہ میں مسیح موعود پر نازل ہوگی۔"

(۴۶۴) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ حافظ نور محمدؐ صاحب ساکن فیض اللہ چک نے مجھ سے بذریعہ تحریر بیان کیا کہ مینے سنا ہے کہ ایک دفعہ مولوی عبدالکریم صاحب مرحوم نے حضرت صاحب سے دریافت کیا کہ کیا کبھی حضور کو بھی ریا پیدا ہوتا ہے حضور نے فرمایا اگر آپ چار پایوں کے اندر کھڑے ہوں تو کیا آپ کو ریا پیدا ہوگا پھر فرمایا ریا تو اپنی جنس میں ہوتا ہے۔ مطلب یہ کہ انبیاء اپنی روحانی کمال کیوجہ سے گویا دوسرے لوگوں کی جنس سے باہر ہوتے ہیں اور دنیا سے کٹ کر

ان کا آسمان کے ساتھ پیوند ہو جاتا ہے پس وہ اہل دنیا کے اندر ریا نہیں محسوس کرتے۔

(۴۶۵) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ حافظ نور محمد صاحب متوطن فیض اللہ چک نے مجھ سے تحریری طور پر بیان کیا کہ میں نے حافظ حامد علی صاحب مرحوم سے سُنا ہے کہ حضرت اقدس نے فرمایا ہے اگر کبھی کسی مقدمہ میں یا اور کسی طرح کسی حاکم کے سامنے جانا ہو تو جانے سے پہلے سات مرتبہ سورۃ فاتحہ پڑھ لینی چاہئے اور سات مرتبہ اپنی انگلی سے اپنی پیشانی پر "یا عزیز" لکھ لینا چاہئے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ کامیابی دیتا ہے۔ خاکسار عرض کرتا ہے یہ طریق غالباً حالتِ استغناء عن غیر اللہ اور حالت توکل علی اللہ کے پیدا کرنے کے لئے ہے۔

(۴۶۶) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ حافظ نور محمد صاحب فیض اللہ چک والے نے مجھ سے بذریعہ تحریر بیان کیا کہ ایک دفعہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا کہ فرشتوں نے جو آدم کی پیدائش کے وقت کہا تھا اتجعل فیھا من یفسد فیھا ویسفك الدماء سو حضرت آدم سے تو کوئی ایسا فعل سرزد نہیں ہوا لیکن معلوم ہوتا ہے کہ فرشتوں کی نظر مستقبل پر جا پڑی ہوگی یعنے ان کو معلوم ہو گیا ہوگا کہ آئندہ نسل آدم میں ایسے ایسے واقعات ہوں گے۔ اس سے ہمیں بعض اوقات خیال آتا ہے کہ یہ جو ہمارے بعض مخالف کہتے ہیں کہ ان کو ہمارے خلاف الہام ہوا ہے ممکن ہے کہ یہ بھی جھوٹے نہ ہوں اور کسی آیندہ کے زمانہ میں ہمارے سلسلہ میں بعض خرابیاں پیدا ہو جائیں جیسا کہ بُعد زمانہ سے ہر امت میں پیدا ہو جایا کرتی ہیں۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ مخالفوں کے الہام کا سچا یا جھوٹا ہونا تو الگ سوال ہے لیکن حضرت صاحب کی احتیاط اور حسن ظنی کمال کو پہنچی ہوئی ہے جس سے بڑھ کر ممکن نہیں۔ ایک طرف مخالفین ہیں جو ہزارہا نشانات دیکھ کر اور سینکڑوں دلائل و براہین کا مطالعہ کر کے پھر بھی جھوٹا اور مفتری کہتے چلے جاتے ہیں اور دوسری طرف حضرت مسیح موعود ہیں کہ باوجود اس یقین کامل کے کہ آپ حق پر ہیں اور آپ کے مخالفین سراسر باطل پر ہیں۔ آپ ان کے متعلق حسن ظنی کا دامن نہیں چھوڑتے اور جھوٹا کہنے سے تامل فرماتے ہیں اسی قسم کا منظر آنحضرت صلعم کے حالات زندگی میں بھی نظر آتا ہے۔ ابن صیاد جس کے متعلق بعض صحابہ نے یہاں تک یقین کر لیا تھا کہ وہ دجال ہے وہ آنحضرت صلعم کے سامنے آتا ہے اور آپ سے پوچھتا ہے کہ کیا آپ مجھے خدا کا رسول نہیں مانتے؟ آپ جواب میں یہ نہیں فرماتے کہ تو جھوٹا ہے بلکہ

یہ فرماتے ہیں کہ میں تو خدا کے سارے رسولوں کو مانتا ہوں۔ اللہ اللہ اللہ اللہ اللہ کیا شانِ دلربائی ہے۔

(۴۶۷) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ جہاں تک میں نے تحقیق کی ہے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زندگی کے مندرجہ ذیل واقعات ذیل کے سنین میں وقوع پذیر ہوئے ہیں۔ واللہ اعلم۔

سنہ ۱۸۳۶ء یا سنہ ۱۸۳۷ء۔ ولادت حضرت مسیح موعود علیہ السلام۔

سنہ ۱۸۴۲ء یا سنہ ۱۸۴۳ء۔ ابتدائی تعلیم از منشی فضل الٰہی صاحب۔

سنہ ۱۸۴۶ء یا سنہ ۱۸۴۷ء۔ صرف و نحو کی تعلیم از مولوی فضل احمد صاحب۔

سنہ ۱۸۵۲ء یا سنہ ۱۸۵۳ء۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی پہلی شادی (غالباً)۔

سنہ ۱۸۵۳ء یا سنہ ۱۸۵۴ء۔ نحو، منطق و حکمت و دیگر علوم مروجہ کی تعلیم از مولوی گل علی شاہ صاحب اور اسی زمانہ کے قریب بعض کتب طب اپنے والد ماجد سے۔

سنہ ۱۸۵۵ء یا سنہ ۱۸۵۶ء۔ ولادت خان بہادر مرزا سلطان احمد صاحب (غالباً)۔

سنہ ۱۸۵۷ء یا سنہ ۱۸۵۸ء۔ ولادت مرزا فضل احمدؒ (غالباً)۔

سنہ ۱۸۶۴ء یا سنہ ۱۸۶۵ء۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو رویا میں آنحضرت صلعم کی زیارت اور اشارات ماموریت۔

سنہ ۱۸۶۴ء تا سنہ ۱۸۶۸ء۔ ایام ملازمت بمقام سیالکوٹ۔

سنہ ۱۸۶۸ء۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی والدہ ماجدہ کا انتقال۔

سنہ ۱۸۶۸ء یا سنہ ۱۸۶۹ء۔ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کے ساتھ بعض مسائل میں مباحثہ کی تیاری اور الہام "بادشاہ تیرے کپڑوں سے برکت ڈھونڈیں گے" جو غالباً سب سے پہلا الہام ہے۔

سنہ ۱۸۷۵ء یا سنہ ۱۸۷۶ء۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا آٹھ یا نو ماہ تک لگاتار روزے رکھنا (غالباً)

سنہ ۱۸۷۶ء۔ تعمیر مسجد اقصیٰ۔ الہام الیس اللہ بکاف عبدہٗ۔ اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے والد ماجد کا انتقال۔

سنہ ۱۸۷۷ء۔ اخبارات میں مضامین بھجوانے کا آغاز (غالباً) مقدمہ از جانب محکمہ ڈاکخانہ (غالباً) سفر سیالکوٹ۔

۱۸۷۸ء۔ انعامی مضمون رقمی صماً صد روپیہ بمقابلہ آریہ سماج۔ تیاری تصنیف براہین احمدیہ (غالباً)

۱۸۷۹ء۔ ابتدا تصنیف براہین احمدیہ و اعلان طبع و اشاعت ۔

۱۸۸۰ء۔ اشاعت حصہ اوّل و حصہ دوم براہین احمدیہ ۔

۱۸۸۲ء۔ اشاعت حصہ سوئم براہین احمدیہ والہام ماموریت قل انی امرت و انا اوّل المؤمنین ۔

۱۸۸۳ء۔ وفات مرزا غلام قادر صاحب برادر حضرت مسیح موعود علیہ السلام ۔

۱۸۸۴ء۔ اشاعت حصہ چہارم براہین احمدیہ۔ اشتہار اعلان دعویٰ مجددیت و اشتہار دعوت برائے دکھانے نشان آسمانی۔ تعمیر مسجد مبارک۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے کرتے پر چھینٹے پڑنے کا نشان۔ نکاح حضرت ام المومنین بمقام دہلی ۔

۱۸۸۵ء۔ لیکھرام کا قادیان میں آنا۔ قادیان کے آریوں کے ساتھ نشان آسمانی دکھانے کی قرارداد۔

۱۸۸۶ء۔ چلّہ ہوشیارپور۔ الہام دربارہ مصلح موعود۔ مناظرہ ماسٹر مرلی دھر بمقام ہوشیارپور۔ ولادت عصمت۔ تصنیف و اشاعت سرمہ چشم آریہ ۔

۱۸۸۷ء۔ تصنیف و اشاعت شحنہ حق۔ ولادت بشیر اوّل ۔

۱۸۸۸ء۔ پیشگوئی دربارہ مرزا احمد بیگ ہوشیارپوری و نکاح محمدی بیگم۔ وفات بشیر اوّل۔ اشتہار اعلان بیعت ۔

۱۸۸۹ء۔ ولادت حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد خلیفۃ المسیح ثانی بیعت اولیٰ بمقام لدھیانہ۔ سفر علیگڈھ ۔

۱۸۹۰ء۔ تصنیف فتح اسلام و توضیح المرام ۔

۱۸۹۱ء۔ سفر لدھانہ۔ اشاعت فتح اسلام و توضیح المرام۔ اعلان دعویٰ مسیحیت۔ دعوت مباحثہ بنام مخالف علماء۔ مناظرہ مولوی محمد حسین بٹالوی بمقام لدھیانہ (الحق لدھیانہ) سفر دہلی۔ تیاری مناظرہ مولوی نذیر حسین دہلوی بمقام جامع مسجد دہلی۔ مناظرہ مولوی محمد بشیر بھوپالوی بمقام دہلی۔ (الحق دہلی)، سفر پٹیالہ۔ ولادت شوکت۔ وفات عصمت۔ تصنیف و اشاعت ازالہ اوہام۔ اعلان دعویٰ مہدویت۔ طلاق زوجہ اوّل۔ فتویٰ کفر۔ تصنیف و اشاعت آسمانی فیصلہ۔ پہلا سالانہ جلسہ ۔

۱۸۹۲ء - سفر لاہور۔ مناظرہ مولوی عبد الحکیم کلانوری بمقام لاہور۔ سفر سیالکوٹ۔ سفر جالندھر وفات شوکت۔ تصنیف واشاعت نشان آسمانی۔ موت مرزا احمد بیگ ہوشیار پوری۔ ابتدا تصنیف آئینہ کمالات اسلام۔

۱۸۹۳ء - بقیہ تصنیف واشاعت آئینہ کمالات اسلام۔ قادیان میں پریس کا قیام۔ دعوت مباہلہ بنام مخالفین۔ مخالفین کو آسمانی نشان دکھانے کی دعوت۔ لیکھرام کے متعلق پیشگوئی میعادی چھ سال۔ عربی میں مقابلہ کی دعوت۔ تصنیف واشاعت برکات الدعاء۔ ولادت خاکسار مرزا بشیر احمد۔ تصنیف واشاعت حجۃ الاسلام وسچائی کا اظہار۔ مناظرہ آتھم بمقام امرتسر و پیشگوئی درباره آتھم (جنگ مقدس) مباہلہ عبد الحق غزنوی بمقام امرتسر۔ تصنیف واشاعت تحفہ بغداد و کرامات الصادقین وشہادۃ القرآن۔

۱۸۹۴ء - تصنیف واشاعت حمامۃ البشریٰ۔ نشان کسوف وخسوف تصنیف واشاعت نور الحق و اتمام الحجۃ وسر الخلافہ۔ پیشگوئی آتھم کی میعاد گذر جانے اور آتھم کے بوجہ رجوع الی الحق کے نہ مرنے پر مخالفین کا شور و استہزاء اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی طرف سے جوابی اشتہارات۔ تصنیف واشاعت انوار الاسلام۔

۱۸۹۵ء - ولادت مرزا شریف احمد صاحب۔ تصنیف منن الرحمٰن اس تحقیق کے متعلق کہ عربی ام الالسنہ ہے۔ تصنیف واشاعت نور القرآن۔ سفر ڈیرہ بابا نانک۔ تصنیف واشاعت ست بچن۔ بابا نانک علیہ الرحمۃ کے مسلمان ہونے کی تحقیق کا اعلان۔ مسیح ناصری علیہ السلام کی قبر واقع سری نگر کی تحقیق کا اعلان۔ تصنیف واشاعت آریہ دھرم۔

۱۸۹۶ء - تحریک تعطیل جمعہ۔ موت آتھم۔ ابتدا تصنیف انجام آتھم۔ تصنیف واشاعت اسلامی اصول کی فلاسفی۔ نشان جلسہ اعظم مذاہب لاہور۔

۱۸۹۷ء - اشاعت انجام آتھم۔ مخالف علماء کو نام لے کر مباہلہ کی دعوت۔ موت لیکھرام۔ ولادت مبارکہ بیگم۔ تلاشی مکانات حضرت مسیح موعود علیہ السلام۔ تصنیف واشاعت استفتاء وسراج منیر و تحفہ قیصریہ۔ و حجۃ اللہ و محمود کی آمین وسراج الدین عیسائی کے سوالوں کا جواب۔ قادیان میں ترکی قونسل کی آمد۔ مقدمہ اقدام قتل منجانب پادری مارٹن کلارک۔ مقدمہ انکم ٹیکس کا اجراء

امرتسر۔ سفر ملتان برائے شہادت۔ میموریل بخدمت وائسرائے ہند برائے اصلاح مذہبی مناقشات۔ ابتدائی تصنیف کتاب البریہ۔ تجویز قیام مدرسہ تعلیم الاسلام قادیان۔

۱۸۹۸ء۔ قیام مدرسہ تعلیم الاسلام قادیان۔ اشاعت کتاب البریہ۔ پنجاب میں طاعون کے پھیلنے کی پیشگوئی۔ الحکم کا اجرا قادیان سے۔ تصنیف فریاد درد۔ تصنیف واشاعت ضرورۃ الامام۔ تصنیف نجم الہدیٰ۔ تصنیف واشاعت راز حقیقت وکشف الغطاء۔ جماعت کے نام رشتہ ناطہ اور غیر احمدیوں کی امامت میں نماز پڑھنے کے متعلق احکام۔ تصنیف ایام الصلح۔

۱۸۹۹ء۔ اشاعت ایام الصلح۔ مقدمہ ضمانت برائے حفاظت امن منجانب مولوی محمد حسین بٹالوی۔ تصنیف واشاعت حقیقۃ المہدی۔ تصنیف مسیح ہندوستان میں۔ ولادت مبارک احمد۔ تصنیف واشاعت ستارہ قیصرہ۔ جماعت میں عربی کی تعلیم کے لئے سلسلہ اسباق کا جاری کرنا۔ تصنیف تریاق القلوب۔

۱۹۰۰ء۔ مسجد مبارک کے رستہ میں مخالفین کی طرف سے دیوار کا کھڑا کر دیا جانا۔ تصنیف تحفہ غزنویہ۔ خطبہ الہامیہ بر موقع عید الاضحیٰ۔ بشپ آف لاہور کو مقابلہ کا چیلنج۔ تجویز عمارت منارۃ المسیح۔ فتوائے ممانعت جہاد۔ تصنیف واشاعت رسالہ جہاد۔ تصنیف لجۃ النور۔ ابتدا تصنیف تحفہ گولڑویہ۔ تصنیف واشاعت اربعین۔ جماعت کا نام احمدی رکھا جانا۔

۱۹۰۱ء۔ بقیہ تصنیف تحفہ گولڑویہ۔ تصنیف خطبہ الہامیہ۔ تصنیف واشاعت اعجاز المسیح۔ بشیر وشریف ومبارک کی آمین۔ مقدمہ دیوار و ہدم دیوار۔

۱۹۰۲ء۔ رسالہ ریویو آف ریلیجنز اردو وانگریزی کا اجراء۔ تصنیف واشاعت دافع البلاء والہدیٰ۔ تصنیف نزول المسیح۔ اشاعت تحفہ گولڑویہ وتحفہ غزنویہ۔ وخطبہ الہامیہ وتریاق القلوب۔ البدر کا قادیان سے اجراء۔ نکاح خاکسار مرزا بشیر احمد۔ نکاح وشادی حضرت خلیفۃ المسیح ثانی۔ تصنیف واشاعت کشتی نوح وتحفہ ندوہ۔ مناظرہ مابین مولوی سید سرور شاہ صاحب ومولوی ثناء اللہ امرتسری بمقام مُد ضلع امرتسر۔ تصنیف واشاعت اعجاز احمدی در ریویو بر مباحثہ بٹالوی وچکڑالوی۔ مولوی ثناء اللہ کا قادیان آنا۔

۱۹۰۳ء۔ تصنیف واشاعت مواہب الرحمن۔ سفر جہلم برائے مقدمہ مولوی کرم دین۔ تصنیف واشاعت

نسیمِ دعوت و سناتن دھرم۔ منارۃ المسیح کی بنیادی اینٹ کا رکھا جانا۔ طاعون کا پنجاب میں زور اور بیعت کی کثرت کا آغاز۔ ولادت امۃ النصیر۔ مقدمہ مولوی کرم دین گورداسپور میں۔ شہادت مولوی عبداللطیف صاحب شہید بمقام کابل۔ تصنیف و اشاعت تذکرۃ الشہادتین و سیرۃ الابدال۔ وفات امۃ النصیر۔

سنہ ۱۹۰۴ء۔ مقدمہ مولوی کرم دین گورداسپور میں۔ سفر لاہور اور لیکچر لاہور۔ سفر سیالکوٹ اور لیکچر سیالکوٹ۔ اعلان دعوٰے مثیل کرشن۔ ولادت امۃ الحفیظ بیگم۔ فیصلہ مقدمہ مولوی کرم دین ماتحت عدالت میں۔

سنہ ۱۹۰۵ء۔ مقدمہ مولوی کرم دین کا فیصلہ عدالت اپیل میں۔ بڑا زلزلہ اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا باغ میں جاکر قیام کرنا۔ تصنیف براہین احمدیہ حصہ پنجم۔ البدر کا بدر میں تبدیل ہونا۔ وفات حضرت مولوی عبدالکریم صاحب۔ وفات مولوی برہان الدین صاحب جہلمی۔ تجویز قیام مدرسہ احمدیہ قادیان۔ سفر دہلی و قیام لدھیانہ و امرتسر و لیکچر بردو مقامات۔ الہامات قربِ وصال۔ تصنیف و اشاعت الوصیت۔ تجویز قیام مقبرہ بہشتی۔

سنہ ۱۹۰۶ء۔ اشاعت ضمیمہ الوصیت۔ ابتدا انتظام مقبرہ بہشتی۔ قیام صدر انجمن احمدیہ قادیان۔ تصنیف و اشاعت چشمہ مسیحی۔ تصنیف تجلیات الٰہیہ۔ شادی خاکسار مرزا بشیر احمد۔ ولادت نصیر احمد پسر حضرت خلیفۃ المسیح ثانی۔ تشحیذ الاذہان کا اجراء۔

سنہ ۱۹۰۷ء۔ تصنیف و اشاعت قادیان کے آریہ اور ہم۔ ہلاکت ارکین اخبار شبھ چنتک قادیان۔ ہلاکت ڈوئی۔ ہلاکت سعد اللہ لدھیانوی۔ تصنیف و اشاعت حقیقۃ الوحی۔ ولادت امۃ السلام دختر خاکسار مرزا بشیر احمد۔ نکاح مبارکہ احمد۔ وفات مبارک احمد۔ توسیع مسجد مبارک۔ نکاح مرزا شریف احمد صاحب۔ نکاح مبارکہ بیگم۔ جلسہ وچھووالی لاہور و مضمون حضرت مسیح موعود علیہ السلام۔

سنہ ۱۹۰۸ء۔ تصنیف و اشاعت چشمہ معرفت۔ فنانشل کمشنر پنجاب کا قادیان آنا اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ملاقات۔ سفر لاہور۔ رؤسا کو تبلیغ بذریعہ تقریر۔ تصنیف لیکچر پیغام صلح۔ الہام دربارہ قربِ وصال۔ وصال حضرت مسیح موعود علیہ السلام بمقام لاہور۔ قیام خلافت و بیعت

خلافت بمقام قادیان ۔ تدفین حضرت مسیح موعود علیہ السلام ۔

(۴۶۸) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ جب سیرۃ المہدی کا حصہ اوّل شائع ہوا تو اس پر ایک طویل تنقیدی مضمون ڈاکٹر بشارت احمدؐ صاحب کی طرف سے پیغام صلح لاہور میں شائع ہوا تھا جس میں بعض اصولی اعتراض سیرۃ المہدی حصہ اوّل کے متعلق کئے گئے تھے اور بعض روایات پر تفصیلی جرح بھی کی گئی تھی ۔ اس مضمون کا جواب میری طرف سے گذشتہ سال الفضل میں شائع ہوا جس میں ڈاکٹر صاحب موصوف کے جملہ اصولی اعتراضات کا جواب دیا گیا تھا اور بعض تفصیلی اعتراضات کا جواب بھی لکھا گیا تھا ۔ لیکن پیشتر اسکے کہ میں ڈاکٹر صاحب کے سارے اعتراضات کا جواب ختم کرتا مجھے اس سلسلہ مضمون کو بعض ناگزیر وجوہات سے درمیان میں چھوڑنا پڑا ۔ اب بعض دوستوں کی تحریک پر میں اسجگہ ڈاکٹر صاحب کے اصولی اعتراضات کا جواب درج کرتا ہوں اور تفصیلی اعتراضات کے متعلق صرف یہ عرض کرتا ہوں کہ ان کا جواب کچھ تو الفضل میں شائع ہو چکا ہے ۔ کچھ سیرۃ المہدی کے موجودہ حصہ یعنی حصہ دوئم میں متفرق طور پر آ گیا ہے اور کچھ اگر ضرورت ہوئی تو انشاء اللہ پھر کبھی موقعہ پر بیان کر دیا جاویگا ۔

"کچھ عرصہ ہوا ۔ میں نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حالات میں ایک کتاب سیرۃ المہدی حصہ اول شائع کی تھی ۔ اس کتاب کی تصنیف کے وقت میرے دل میں جو نیت تھی اُسے صرف میں ہی جانتا ہوں یا مجھ سے بڑھکر میرا خدا جانتا ہے جس سے کوئی بات بھی پوشیدہ نہیں ۔ اور مجھے اسوقت یہ وہم و گمان تک نہ تھا کہ کوئی احمدی کہلانے والا شخص اس کتاب کو اس معاندانہ نظر سے دیکھیگا جس سے کہ بعض غیر مبایعین نے اسے دیکھا ہے ۔ مگر اس سلسلہ مضامین نے جو ڈاکٹر بشارت احمدؐ صاحب کی طرف سے گذشتہ ایام میں پیغام صلح لاہور میں شائع ہوتا رہا ہے ۔ میری امیدوں کو ایک سخت ناگوار صدمہ پہنچایا ہے ۔ جرح و تنقید کا ہر شخص کو حق پہنچتا ہے ۔ اور کوئی حق پسند اور منصف مزاج آدمی دوستوں کی ہمدردانہ اور معقول تنقید کو ناپسندیدگی کی نظر سے نہیں دیکھ سکتا ۔ بلکہ درحقیقت یہ ایک خوشی کا مقام ہوتا ہے ۔ کیونکہ اس قسم کی بحثیں جو نیک نیتی کے ساتھ معقول طور پر کی جائیں ، طرفین کے علاوہ عام لوگوں کی بھی تنویر کا موجب ہوتی ہیں ۔ کیونکہ اس طرح بہت سے مفید معلومات دنیا کے سامنے آجاتے ہیں ۔ اور چونکہ طرفین کی نیتیں صاف

ہوتی ہیں۔ اور سوائے منصفانہ علمی تنقید کے اور کوئی غرض نہیں ہوتی۔ اس لئے ایسے مضامین سے وہ بدنتائج بھی پیدا نہیں ہوتے۔ جو بصورت دیگر پیدا ہونے یقینی ہوسکتے ہیں۔ مگر مجھے بڑی افسوس اور رنج کے ساتھ یہ کہنا پڑتا ہے۔ کہ ڈاکٹر بشارت احمدؒ صاحب کا مضمون اس شریفانہ مقام تنقید سے بہت گرا ہوا ہے۔ میں اب بھی ڈاکٹر صاحب کی نیت پر حملہ نہیں کرنا چاہتا۔ لیکن اس افسوسناک حقیقت کو بھی چھپایا نہیں جا سکتا کہ ڈاکٹر صاحب کے طویل مضمون میں شروع سے لیکر آخر تک بغض و عداوت کے شرارے اُڑتے نظر آتے ہیں۔ اور ان کے مضمون کا لب ولہجہ نہ صرف سخت دل آزار ہے۔ بلکہ ثقاہت اور متانت سے بھی گرا ہوا ہے۔ جابجا تمسخر آمیز طریق پر ہنسی اُڑائی گئی ہے۔ اور عامی لوگوں کی طرح شوخ اور چست اشعار کے استعمال سے مضمون کے تقدس کو بُری طرح صدمہ پہنچایا گیا ہے۔ مجھے اس سے قبل ڈاکٹر صاحب کی کسی تحریر کے دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا تھا۔ اور حق یہ ہے۔ کہ باوجود عقیدہ کے اختلاف کے میں آج تک ڈاکٹر صاحب کے متعلق اچھی رائے رکھتا تھا۔ مگر اب مجھے بڑے افسوس کے ساتھ اس رائے میں ترمیم کرنی پڑی ہے۔ مجھے یاد نہیں۔ کہ میری ذات کی طرف سے ڈاکٹر صاحب کو آج تک کبھی کوئی وجہ شکائت کی پیدا ہوئی ہو۔ پس میں ڈاکٹر صاحب کے اس رویّہ کو اصول انتقام کے ماتحت لاکر بھی قابل معافی نہیں سمجھ سکتا۔ میں انسان ہوں۔ اور انسانوں میں سے بھی ایک کمزور انسان۔ اور مجھے ہرگز یہ دعویٰ نہیں کہ میری رائے یا تحقیق غلطی سے پاک ہوتی ہے۔ اور نہ ایسا دعویٰ کسی عقلمند کے مُنہ سے نکل سکتا ہے۔ میں نے اس بات کی ضرورت سمجھ کر کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے حالات جلد ضبط تحریر میں آجانے چاہئیں محض نیک نیتی کے طور پر سیرت المہدی کی تصنیف کا سلسلہ شروع کیا تھا اگر اس میں میں نے غلطی کی ہے۔ یا کوئی دھوکا کھایا ہے۔ تو ہر شخص کا حق ہے۔ کہ وہ مجھے میری غلطی پر متنبہ کرے۔ تاکہ اگر یہ اصلاح درست ہو۔ تو نہ صرف میں خود آئندہ اس غلطی کے ارتکاب سے محفوظ ہو جاؤں۔ بلکہ دوسرے لوگ بھی ایک غلط بات پر قائم ہوجانے سے بچ جائیں۔ لیکن یہ کسی کو حق نہیں پہنچتا کہ وہ بلاوجہ کسی کی نیت پر حملہ کرے۔ اور ایک نہائت درجہ دل آزار اور تمسخر آمیز طریق کو اختیار کرکے بجائے اصلاح کرنے کے بُغض و عداوت کا تخم بوئے۔ اس قسم کے طریق سے سوائے اس کے کہ دلوں میں کدورت پیدا ہو۔ اور کوئی نتیجہ نہیں نکل سکتا۔ مجھے افسوس ہے کہ ڈاکٹر صاحب نے اپنے زورِ قلم

بہت نامناسب استعمال کیا ہے۔ جسے کسی مذہب و ملت کا شرافت پسند انسان بھی نظر استحسان سے نہیں دیکھ سکتا۔

میں ڈاکٹر صاحب کے مضمون سے مختلف عبارتیں نقل کرکے ان کے اس افسوس ناک رویّہ کو ثابت کرنے کا ارادہ رکھتا تھا۔ لیکن بعد میں مجھے خیال آیا۔ کہ جو ہونا تھا۔ وہ تو ہو چکا۔ اب ان عبارتوں کو نقل کرکے مزید بدمزگی پیدا کرنے سے کیا حاصل ہے۔ پس میری صرف خدا سے ہی دعا ہے۔ کہ وہ ڈاکٹر صاحب کو یہ توفیق عطا فرمائے کہ وہ میرے ان الفاظ کو نیک نیتی پر محمول سمجھ کر اپنے طرز تحریر میں آئندہ کے لئے اصلاح کی طرف مائل ہوں اور ساتھ ہی میری خدا سے یہ بھی دعا ہے کہ وہ میرے نفس کی کمزوریوں کو بھی عام اس سے کہ وہ میرے علم میں ہوں یا مجھ سے مخفی۔ دُور فرما کر مجھے اپنی رضامندی کے رستوں پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین اللّٰھم آمین!

اصل مضمون کے شروع کرنے سے قبل مجھے ایک اور بات بھی کہنی ہے۔ اور وہ یہ کہ علاوہ دل آزار طریق اختیار کرنے کے ڈاکٹر صاحب نے اپنے مضمون میں غیر جانبدارانہ انصاف سے بھی کام نہیں لیا۔ ہر شخص سمجھ سکتا ہے۔ کہ تنقید کرنے والے کا یہ فرض ہے۔ کہ وہ جس کتاب پر ریویو کرنے لگا ہے۔ اس کے تمام پہلوؤں پر روشنی ڈالے۔ یعنی اچھی اور بُری دونوں باتوں کو اپنی تنقید میں شامل کرکے کتاب کے حُسن و قبح کا ایک اجمالی ریویو لوگوں کے سامنے پیش کرے۔ تاکہ دوسرے لوگ اس کتاب کے ہر پہلو سے آگاہی حاصل کر سکیں۔ یہ اصول دُنیا بھر میں مسلم ہے۔ اور اسلام نے تو خصوصیت کے ساتھ اس پر زور دیا ہے۔ چنانچہ یہود و نصارٰی کے باہمی تنازع کا ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے۔ وقالت الیھود لیست النصارٰی علی شئ وقالت النصارٰی لیست الیھود علےٰ شئ وھم یتلون الکتٰب۔ یعنی یہود و نصارٰی ایک دوسرے کے خلاف عداوت میں اس قدر ترقی کر گئے ہیں۔ کہ ایک دوسرے کے محاسن ان کو نظر ہی نہیں آتے۔ اور یہود یہی کہتے چلے جاتے ہیں۔ کہ نصارٰی میں کوئی خوبی نہیں ہے۔ اور نصارٰی یہ کہتے ہیں۔ کہ یہود تمام خوبیوں سے مُعرّا ہیں۔ حالانکہ دونوں کو کم از کم اتنا تو سوچنا چاہیئے۔ کہ تورات اور نبیوں پر ایمان لانے میں وہ دونوں ایک دوسرے کے شریک حال ہیں۔ پھر فرماتا ہے۔ لایجرمنکم شناٰن قوم ان تعدلوا اعدلوا ھو اقرب للتقوٰی۔ یعنے کسی قوم کی عداوت کا یہ نتیجہ نہیں ہونا چاہئے کہ

انسان انصاف کو ہاتھ سے دیدے۔ کیونکہ بے انصافی تقویٰ سے بعید ہے۔ اور پھر عملاً بھی قرآن شریف نے اسی اصول کو اختیار کیا ہے۔ چنانچہ شراب و جوئے کی نسبت اجمالی ریویو کرتے ہوئے فرماتا ہے:۔ فیھما اثم کبیر ومنافع للناس واثمھما اکبر من نفعھما۔ یعنی شراب اور جوئے میں لوگوں کے لئے بہت ضرر اور نقصان ہے۔ مگر ان کے اندر بعض فوائد بھی ہیں۔ لیکن ان کے نقصانات ان کے فوائد سے زیادہ ہیں کیسی منصفانہ تعلیم ہے۔ جو اسلام ہمارے سامنے پیش کرتا ہے۔ مگر افسوس کہ ڈاکٹر صاحب نے اس زرین اصول کو نظر انداز کر کے اپنا فرض محض یہی قرار دیا کہ صرف ان باتوں کو لوگوں کے سامنے لایا جائے۔ جو ان کی نظر میں قابل اعتراض تھیں۔ میں ڈاکٹر صاحب سے امانت و دیانت کا واسطہ دیکر پوچھتا ہوں۔ کہ کیا میری کتاب میں ان کو کوئی بھی ایسی خوبی نظر نہیں آئی جسے وہ اپنے اس طویل مضمون میں بیان کرنے کے قابل سمجھتے؟ کیا میری تصنیف بلا استثناء محض فضول اور غلط اور قابل اعتراض باتوں کا مجموعہ ہے؟ کیا سیرۃ المہدی میں کوئی ایسے نئے اور مفید معلومات نہیں ہیں جنہیں اس پر تنقید کرتے ہوئے قابل ذکر سمجھا جا سکتا ہے؟ اگر ڈاکٹر صاحب کی دیانتداری کے ساتھ یہی رائے ہے۔ کہ سیرۃ المہدی حصہ اول میں کوئی بھی ایسی خوبی نہیں۔ جو بوقت ریویو قابل ذکر خیال کی جائے۔ تو میں خاموش ہو جاؤں گا۔ لیکن اگر ایسا نہیں ہے تو میں یہ کہنے کا حق رکھتا ہوں۔ کہ ڈاکٹر صاحب کی تنقید انصاف اور دیانتداری پر مبنی نہیں ہے۔ اسلام کے اشد ترین دشمن جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم (فداہ نفسی) کی عداوت میں عموماً کسی چیز کی بھی پروا نہیں کرتے۔ آپ کی ذات والا صفات پر ریویو کرتے ہوئے اس بات کی احتیاط کر لیتے ہیں۔ کہ کم از کم دکھاوے کے لئے ہی آپ کی بعض خوبیاں بھی ذکر کر دی جائیں۔ تاکہ عامۃ الناس کو یہ خیال پیدا نہ ہو۔ کہ یہ ریویو محض عداوت پر مبنی ہے۔ اور لوگ ان کی تنقید کو ایک غیر جانبدارانہ اور منصفانہ تنقید خیال کر کے دھوکہ میں آجائیں۔ لیکن نہ معلوم میں نے ڈاکٹر صاحب کا کونسا ایسا سنگین جرم کیا ہے جس کی وجہ سے وہ میرے خلاف ایسے غضبناک ہو گئے ہیں۔ کہ اور نہیں تو کم از کم اپنے مضمون کو مقبول بنانے کے لئے ہی ان کے ذہن میں یہ خیال نہیں آتا۔ کہ جہاں اتنے عیوب بیان کئے ہیں۔ وہاں دو ایک معمولی سی خوبیاں بھی بیان کر دی جائیں۔

مضمون تو اس عنوان سے شروع ہوتا ہے کہ "سیرۃ المہدی پر ایک نظر"۔ مگر شروع سے

لیکر آخر تک پڑھ جاؤ۔ سوائے عیب گیری اور نقائص اور عیوب ظاہر کرنے کے اور کچھ نظر نہیں آتا۔ گویا یہ نظر" عدل وانصاف کی نظر نہیں۔ جسے حسن و قبح سب کچھ نظر آنا چاہیئے۔ بلکہ عداوت اور دشمنی کی نظر ہے۔ جو سوائے عیب اور نقص کے اور کچھ نہیں دیکھ سکتی۔ مکرم ڈاکٹر صاحب! کچھ وسعت حوصلہ پیدا کیجئے۔ اور اپنے دل و دماغ کو اس بات کا عادی بنائیے کہ وہ اس شخص کے محاسن کا بھی اعتراف کر سکیں۔ جسے آپ اپنا دشمن تصوّر فرماتے ہیں۔ میں نے یہ الفاظ نیک نیتی سے عرض کئے ہیں۔ اور خدا شاہد ہے کہ میں تو آپ کا دشمن بھی نہیں ہوں؛ گو آپ کے بعض معتقدات سے مجھے شدید اختلاف ہے؛

اس کے بعد میں اصل مضمون کی طرف متوجہ ہوتا ہوں۔ ڈاکٹر صاحب موصوف نے اپنے مضمون کے شروع میں چند اصولی باتیں لکھی ہیں۔ جو ان کی اس رائے کا خلاصہ ہیں۔ جو انہوں نے بحیثیت مجموعی سیرۃ المہدی حصہ اوّل کے متعلق قائم کی ہے۔ سب سے پہلی بات جو ڈاکٹر صاحب نے بیان کی ہے۔ وہ یہ ہے۔ کہ کتاب کا نام سیرۃ المہدی رکھنا غلطی ہے۔ کیونکہ "وہ سیرۃ المہدی کہلانے کی حقدار ہی نہیں۔ زیادہ تر یہ ایک مجموعہ روایات ہے۔ جن میں افسوس سے کہنا پڑتا ہے۔ کہ ایسی روایات کی بھی کمی نہیں جن کا سیرۃ سے کوئی تعلق نہیں"۔ اس اعتراض کے جواب میں مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے۔ کہ ڈاکٹر صاحب نے ایک تنقید کرنے والے کے فرض کو پورا نہیں کیا۔ ناقد کا یہ فرض اولین ہے۔ کہ وہ جس کتاب یا مضمون کے متعلق تنقید کرنے لگے پہلے اس کتاب یا مضمون کا کما حقہ مطالعہ کرلے۔ تاکہ جو جرح وہ کرنا چاہتا ہے اگر اس کا جواب خود اسی کتاب یا مضمون کے کسی حصہ میں آگیا ہو۔ تو پھر وہ اس بے فائدہ تنقید کی زحمت سے بچ جاوے اور پڑھنے والوں کا بھی وقت ضائع نہ ہو۔ مگر افسوس ہے۔ کہ ڈاکٹر صاحب نے تنقید کے شوق میں اپنے اس فرض کو بالکل نظر انداز کر دیا ہے۔ اگر وہ ذرا تکلیف اُٹھا کر اس "عرض حال" کو پڑھ لیتے جو سیرۃ المہدی کے شروع میں درج ہے۔ تو ان کو معلوم ہو جاتا۔ کہ ان کا اعتراض پہلے سے ہی میرے مدنظر ہے۔ اور میں اصولی طور پر اس اعتراض کا جواب دے چکا ہوں۔ چنانچہ سیرۃ المہدی کے "عرض حال" میں میرے یہ الفاظ درج ہیں:" بعض باتیں اس مجموعہ میں ایسی نظر آئیں گی جن کو بظاہر حضرت مسیح موعود کی سیرۃ یا سوانح سے کوئی تعلق

نہیں۔لیکن جس وقت استنباط واستدلال کا وقت آئے گا (خواہ میرے لئے یا کسی اور کے لئے) اس وقت غالبًا وہ اپنی ضرورت خود منوا لیںگی"۔ میرے ان الفاظ سے ظاہر ہے۔ کہ میں نے خود اس بات کو تسلیم کیا ہے۔ کہ اس کتاب میں بعض ایسی روایتیں درج ہیں۔ جن کا بادی النظر میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی سیرت سے تعلق نہیں ہے لیکن استدلال واستنباط کے وقت ان کا تعلق ظاہر کیا جاسکتا ہے۔ پس میری طرف سے اس خیال کے ظاہر ہوجانے کے باوجود ڈاکٹر صاحب کا اس اعتراض کو پیش کرنا سوائے اسکے اور کیا معنے رکھتا ہے۔ کہ ڈاکٹر صاحب کو صرف بہت سی اعتراض جمع کردینے کا شوق ہے۔ میں جب خود مانتا ہوں۔ کہ سیرۃ المہدی میں بعض بظاہر لاتعلق روایات درج ہیں۔ اور اپنی طرف سے اس خیال کو ضبط تحریر میں بھی لے آیا ہوں۔ تو پھر اس کو ایک نیا اعتراض بنا کر اپنی طرف سے پیش کرنا انصاف سے بعید ہے۔ اور پھر زیادہ قابل افسوس بات یہ ہے۔ کہ ڈاکٹر صاحب نے میرے ان الفاظ کا اپنے ریویو میں ذکر تک نہیں کیا۔ ورنہ انصاف کا یہ تقاضا تھا۔ کہ جب انہوں نے یہ اعتراض کیا تھا۔ تو ساتھ ہی میرے وہ الفاظ بھی درج کردیتے جن میں مینے خود اس اعتراض کو پیدا کرکے اس کا اجمالی جواب دیا ہے۔ اور پھر جو کچھ جی میں آتا فرماتے۔ مگر ڈاکٹر صاحب نے میرے الفاظ کا ذکر تک نہیں کیا۔ اور صرف اپنی طرف سے یہ اعتراض پیش کردیا ہے تاکہ یہ ظاہر ہو کہ یہ تنقید صرف ان کی حدت نظر اور دماغ سوزی کا نتیجہ ہے۔ اور اعتراضات کے نمبر کا اضافہ مزید برآں رہے۔ افسوس! اور پھر یہ شرافت سے بھی بعید ہے۔ کہ جب میں نے یہ صاف لکھدیا تھا۔ کہ استدلال واستنباط کے وقت ان روایات کا تعلق ظاہر کیا جائے گا۔ تو ایسی جلد بازی سے کام لے کر شور پیدا کردیا جاوے۔ اگر بہت ہی بے صبری تھی۔ تو حق یہ تھا۔ کہ پہلے مجھے تحریر فرماتے۔ کہ تمہاری فلاں فلاں روایت سیرۃ سے بالکل بے تعلق ہے۔ اور کسی طرح بھی اس سے حضرت مسیح موعود کی سیرۃ پر روشنی نہیں پڑتی۔ اور پھر اگر میں کوئی تعلق ظاہر نہ کرسکتا تو بے شک میرے خلاف یہ فتویٰ شائع فرمادیتے۔ کہ اس کی کتاب سیرۃ کہلانے کی حقدار نہیں۔ کیونکہ اس میں ایسی روایات آگئی ہیں۔ جن کا کسی صورت میں بھی سیرت کے ساتھ کوئی واسطہ نہیں ہے۔

دوسرا جواب اس اعتراض کا میں یہ دینا چاہتا ہوں۔ کہ اگر بالفرض سیرۃ المہدی میں بعض ایسی روایات آگئی ہیں جن کا واقعی سیرت کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے۔ تو پھر بھی کتاب کا نام

سیرۃ رکھنے میں کوئی حرج نہیں۔ کیونکہ ڈاکٹر صاحب کم از کم اس بات کو ضرور تسلیم کریں گے۔ کہ سیرۃ المہدی میں زیادہ تر روایات وہی ہیں۔ جن کا سیرت کے ساتھ تعلق ہے۔ پس اگر ان کثیر التعداد روایات کی بنا پر کتاب کا نام سیرۃ رکھ دیا جاوے۔ تو قابل اعتراض نہیں ہونا چاہئیے۔ اور کم از کم یہ کہ یہ کوئی ایسی بات نہیں تھی جسے ڈاکٹر صاحب جائے اعتراض گردان کر اسے اپنی تنقید میں جگہ دیتے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا وجود باجود ہر مخلص احمدی کے لئے ایسا ہے۔ کہ خواہ نخواہ طبیعت میں یہ خواہش پیدا ہوتی ہے۔ کہ آپ کے متعلق جو کچھ بھی ہمارے علم میں آجاوے۔ وہی کم ہے اور جذبہ محبت کسی بات کو بھی جو آپ کے ساتھ تعلق رکھتی ہو۔ لاتعلق کہکر نظر انداز نہیں کرنے دیتا۔ پس اگر میرا شوق مجھے کہیں کہیں لاتعلق باتوں میں لے گیا ہے تو اس خیال سے کہ یہ باتیں بہرحال ہیں تو ہمارے آقا ہماری جان کی راحت اور ہماری آنکھوں کے سرور حضرت مسیح موعود ہی کے متعلق۔ میرا یہ علمی جرم اہل ذوق اور اہل اخلاص کے نزدیک قابل معافی ہونا چاہئیے۔ مکرم ڈاکٹر صاحب! اگر آپ محبت کے میدان میں بھی خشک فلسفہ اور تدوین علم کی باریکیوں کو راہ دینا چاہتے ہیں۔ تو آپ کو اختیار ہے۔ مگر تاریخ عالم اور صحیفہ فطرت کے مطالعہ سے تو یہی پتہ چلتا ہے۔ کہ جذبۂ محبت ایک حد تک ان سخت قیود سے آزاد سمجھا جانا چاہئیے۔ آپ اشعار کا شوق رکھتے ہیں۔ یہ شعر تو آپ نے ضرور سنا ہوگا ؎

خلق میگوئید کہ خسرو بت پرستی میکند آرے آرے میکنم با خلق عالم کار نیست

بس یہی میرا جواب ہے۔ حضرت مسیح موعود بھی فرماتے ہیں ؎

تا نہ دیوانہ شدم ہوش نیامد بسرم اے جنوں گرد تو گردم کہ چہ احساں کردی

پس جوش محبت میں ہمارا تھوڑا سا دیوانہ پن کسی احمدی کہلانے والے پر گراں نہیں گذرنا چاہئیے۔

تیسرا جواب اس اعتراض کا میری طرف سے یہ ہے کہ میں نے خود اس کتاب کے آغاز میں اپنی اس کتاب کی غرض و غایت لکھتے ہوئے یہ لکھ دیا تھا کہ اس مجموعہ میں ہر ایک قسم کی وہ روایت درج کی جاویگی جس کا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ساتھ کسی نہ کسی قسم کا تعلق ہے۔ چنانچہ کتاب کے شروع میں میری طرف سے یہ الفاظ درج ہیں "میرا ارادہ ہے۔ واللہ الموفق۔ کہ جمع کردوں اس کتاب میں تمام وہ ضروری باتیں جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنے متعلق تحریر فرمائی ہیں

اور جو دوسرے لوگوں نے لکھی ہیں۔ نیز جمع کروں تمام وہ زبانی روایات جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے متعلق مجھے پہنچی ہیں۔ یا جو آئندہ پہنچیں۔ اور نیز وہ باتیں جو میرا ذاتی علم اور مشاہدہ ہیں" میں امید کرتا ہوں۔ کہ ڈاکٹر صاحب اس بات کو تسلیم کرینگے۔ کہ ان الفاظ کے ماتحت مجھے اپنے دائرہ عمل میں ایک حد تک وسعت حاصل ہے۔ اور دراصل منشاء بھی میرا یہی تھا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے متعلق جو بھی قابل ذکر بات مجھے پہنچے۔ میں اسے درج کردوں۔ تاکہ لوگوں کے استمتاع کا دائرہ وسیع ہو جاوے۔ اور کوئی بات بھی جو آپ کے متعلق قابل بیان ہو ذکر سے نہ رہ جائے۔ کیونکہ اگر اسوقت کوئی بات ضبط تحریر میں آنے سے رہ گئی۔ تو بعد میں وہ ہمارے ہاتھ نہیں آسکے گی۔ اور نہ بعد میں ہمارے پاس اس کی تحقیق اور جانچ پڑتال کا کوئی پختہ ذریعہ ہوگا۔ مگر افسوس ہے کہ ڈاکٹر صاحب نے میرے ان الفاظ کو جو میں نے اسی غرض کو مدنظر رکھ کر لکھے تھے۔ بالکل نظر انداز کرکے خواہ نخواہ اعتراضات کی تعداد بڑھانے کے لئے میرے خلاف ایک الزام دھر دیا ہے۔

چوتھا اور حقیقی جواب اس اعتراض کا یہ ہے۔ کہ ڈاکٹر صاحب نے لفظ سیرۃ کے مفہوم پر غور نہیں کیا۔ اور اسکے مفہوم کو ایک بہت ہی محدود دائرہ میں مقید سمجھ کر مجھے اپنے اعتراض کا نشانہ بنالیا ہے۔ اگر ڈاکٹر صاحب سیرۃ کی مختلف کتب کا مطالعہ فرماویں۔ خصوصاً جو کتب متقدمین نے سیرۃ میں لکھی ہیں۔ انہیں دیکھیں تو ڈاکٹر صاحب کو معلوم ہو جائے گا۔ کہ سیرۃ کا لفظ نہائت وسیع معنوں میں لیا جاتا ہے۔ دراصل سیرۃ کی کتب میں تمام وہ روایات درج کردیجاتی ہیں جو کسی نہ کسی طرح اس شخص سے تعلق رکھتی ہوں جس کی سیرت لکھنی مقصود ہوتی ہے۔ مثلاً سیرۃ ابن ہشام آنحضرت صلعم کے حالات میں ایک نہائت ہی مشہور اور متداول کتاب ہے۔ اور میں امید کرتا ہوں۔ کہ ڈاکٹر صاحب نے اس کا ضرور مطالعہ کیا ہوگا۔ لیکن اسے کھول کر اوّل سے آخر تک پڑھ جاویں۔ اس میں سینکڑوں ایسی باتیں درج ملیں گی جن کا آنحضرت صلعم کے ساتھ براہ راست بلاواسطہ کوئی تعلق نہیں ہے لیکن چونکہ بالواسطہ طور پر وہ آپ کے حالات زندگی پر اور آپ کی سیرت و سوانح پر اثر ڈالتی ہیں۔ اس لئے قابل مصنف نے انہیں درج کردیا ہے۔ بعض جگہ صحابہ کے حالات میں ایسی ایسی باتیں درج ہیں۔ جن کا آنحضرت صلعم کی سیرت سے بظاہر کوئی بھی تعلق نہیں۔ اور ایک عامی آدمی حیرت میں پڑ جاتا ہے۔ کہ نہ معلوم آنحضرت صلعم کے حالات میں یہ روایات کیوں

درج کی گئی ہیں۔ لیکن اہل نظر و فکر ان سے بھی آپ کی سیرت و سوانح کے متعلق نہایت لطیف استدلال کرتے ہیں۔ مثلاً صحابہ کے حالات ایسے اسباب کے متعلق رائے قائم کرنے میں بہت مدد دیتے ہیں۔ کہ آنحضرت صلعم کی صحبت اور آپ کی تعلیم و تربیت نے آپ کے متبعین کی زندگیوں پر کیا اثر پیدا کیا۔ یعنے ان کو آپ نے کس حالت میں پایا۔ اور کس حالت میں چھوڑا۔ اور یہ ایک ایسی بات ہے۔ کہ جسے کوئی عقلمند انسان آپ کی سیرۃ و سوانح کے لحاظ سے لاتعلق نہیں کہہ سکتا۔ اسی طرح مثلاً آپ کی سیرۃ کی کتب میں آپ کے آباؤ اجداد کے حالات اور آپ کی بعثت کے وقت آپ کے ملک و قوم کی حالت کا مفصل بیان درج ہوتا ہے۔ جو بادی النظر میں ایک بلاتعلق بات سمجھی جا سکتی ہے۔ لیکن درحقیقت آپ کی سیرۃ و سوانح کو پوری طرح سمجھنے کے لئے ان باتوں کا علم نہایت ضروری ہے۔ الغرض سیرۃ کا مفہوم ایسا وسیع ہے۔ کہ اس میں ایک حد مناسب تک ہر وہ بات درج کی جا سکتی ہے۔ جو اس شخص کے ساتھ کوئی نہ کوئی تعلق رکھتی ہو جس کی سیرۃ لکھی جا رہی ہے۔ بعض اوقات کسی شخص کی سیرت لکھتے ہوئے۔ اس کے معروف اقوال اور تقریروں کے خلاصے درج کئے جاتے ہیں جن کو ایک جلد باز انسان سیرۃ کے لحاظ سے زائد و لاتعلق باتیں سمجھ سکتا ہے۔ حالانکہ کسی شخص کے اقوال وغیرہ کا علم اس کی سیرۃ کے متعلق کامل بصیرت حاصل کرنے کے لئے ضروری ہوتا ہے۔ پھر بعض وہ علمی نقطے اور نئی علمی تحقیقاتیں اور اصولی صداقتیں جو ایک شخص کے قلم یا منہ سے نکلی ہوں۔ وہ بھی اس کی سیرۃ میں بیان کی جاتی ہیں۔ تاکہ یہ اندازہ ہو سکے کہ وہ کس دل و دماغ کا انسان ہے۔ اور اسکی وجہ سے دنیا کے علوم میں کیا اضافہ ہوا ہے!

خلاصہ کلام یہ کہ ڈاکٹر صاحب نے سیرۃ کا مفہوم سمجھنے میں غلطی کھائی ہے۔ اور اس کو اسکے تنگ اور محدود دائرہ میں لے کر اعتراض کی طرف قدم بڑھا دیا ہے۔ ورنہ اگر وہ ٹھنڈے دل سے سوچتے اور سیرۃ کے اس مفہوم پر غور کرتے جو اہل سیر کے نزدیک رائج و متعارف ہے تو ان کو یہ غلطی نہ لگتی۔ اور اسی وسیع مفہوم کو مدنظر رکھ کر میں نے سیرۃ المہدی میں ہر قسم کی روایات درج کر دی ہیں۔ اور میں یقین رکھتا ہوں۔ کہ ایک صاحب بصیرت شخص ان میں سے کسی روایت کو زائد اور بے فائدہ قرار نہیں دے سکتا۔

میں نے اس خیال سے بھی اپنے انتخاب میں وسعت سے کام لیا ہے۔ کہ ممکن ہے۔ اس وقت ہمیں

ایک بات لاتعلق نظر آوے۔لیکن بعد میں آنے والے لوگ اپنے زمانہ کے حالات کے ماتحت اس بات سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی سیرۃ وسوانح کے متعلق مفید استدلالات کر سکیں۔جیسا کہ مثلاً ابتدائی اسلامی مورخین نے آنحضرت صلعم کے متعلق ہر قسم کی روایات جمع کر دیں۔ اور گو اسوقت ان میں سے بہت سی روائتوں سے ان متقدمین نے کوئی استدلال نہیں کیا۔لیکن اب بعد میں آنے والوں نے اپنے زمانہ کے حالات و ضروریات کے ماتحت ان روایات سے بہت علمی فائدہ اٹھایا ہے۔ اور مخالفین کے بہت سے اعتراضات کا جواب دینے کے لئے ان سے مدد حاصل کی ہے! اگر وہ لوگ ان روایات کو اپنے حالات کے ماتحت لاتعلق سمجھ کر چھوڑ دیتے۔ تو ایک بڑا مفید خزانہ اسلام کا ضائع ہو جاتا۔پس ہمیں بھی بعد میں آنے والوں کا خیال رکھ کر روایات کے درج کرنے میں فراخ دلی سے کام لینا چاہئے۔ اور حتی الوسع کسی روایت کو محض لاتعلق سمجھے جانے کی بنا پر رد نہیں کر دینا چاہئے ہاں بے شک یہ احتیاط ضروری ہے۔کہ کمزور اور غلط روایات درج نہوں۔مگر جو روایت اصول روایت و درایت کی رو سے صحیح قرار پائے۔ اور وہ ہو بھی حضرت مسیح موعود کے متعلق۔ تو خواہ وہ آپ کی سیرۃ کے لحاظ سے بظاہر لاتعلق یا غیر ضروری ہی نظر آوے اسے ضرور درج کر دینا چاہئے۔

بہر حال میں نے روایات کے انتخاب میں وسعت سے کام لیا ہے۔کیونکہ میرے نزدیک سیرۃ کا میدان ایسا وسیع ہے کہ بہت ہی کم ایسی روایات ہو سکتی ہیں۔جو من کل الوجوہ غیر متعلق قرار دیجائیں اس جگہ تفصیلات کی بحث نہیں۔کیونکہ ڈاکٹر صاحب نے صرف اصولی اعتراض اٹھایا ہے۔ اور مثالیں نہیں دیں۔ورنہ میں مثالیں دے کر بتاتا کہ سیرۃ المہدی کی وہ روایات جو بظاہر غیر متعلق نظر آتی ہیں۔ در اصل حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے گہرا تعلق رکھتی ہیں۔ لیکن اگر اب بھی ڈاکٹر صاحب کی تسلی نہو تو میں ایک سہل علاج ڈاکٹر صاحب کے لئے پیش کرتا ہوں۔ اور وہ یہ کہ میں سیرت ابن ہشام اور اسی قسم کی دیگر معروف کتب سیر سے چند باتیں ایسی نکال کر پیش کرونگا۔جن کا بظاہر آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت سے کوئی تعلق نظر نہیں آتا۔ اور پھر جو تعلق ڈاکٹر صاحب موصوف ان باتوں کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرۃ سے ثابت کرینگے۔میں انشاء اللہ اتنا ہی بلکہ اس سے بڑھکر تعلق سیرۃ المہدی کی ان روایات کا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی سیرت سے ثابت کر دونگا جن کو ڈاکٹر صاحب غیر متعلق قرار دیں گے۔ خلاصہ کلام یہ کہ یا بلحاظ اس کے کہ سیرت کے مفہوم کو بہت

وسعت حاصل ہے۔ اور مورخین اسکو عملاً بہت وسیع معنوں میں لیتے رہے ہیں اور کیا بلحاظ اس کے کہ ہمارے دل کی یہ آرزو ہے کہ حضرت مسیح موعود کی کوئی بات ضبط تحریر میں آنے سے رہ جائے اور کیا بلحاظ اس کے کہ ممکن ہے کہ آج ہمیں ایک بات لاتعلق نظر آوے۔ مگر بعد میں آنے والے لوگ اس سے فائدہ اٹھا سکیں۔ اور کیا بلحاظ اس کے میں نے اپنی کتاب کے شروع میں یہ بات لکھ دی تھی کہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے متعلق ہر قسم کی روایات اس مجموعہ میں درج کرنیکا ارادہ رکھتا ہوں اور کیا بلحاظ اس کے کہ میں نے خود اپنی کتاب کے دیباچہ میں یہ بھی لکھ دیا تھا کہ اس کتاب میں بعض روایات لاتعلق نظر آئینگی۔ لیکن استدلال واستنباط کے وقت ان کا تعلق ثابت کیا جا سکے گا۔ میں یہ سمجھتا ہوں کہ ڈاکٹر صاحب موصوف کو اس اعتراض کا حق حاصل نہیں تھا اور مجھے افسوس ہے کہ ڈاکٹر صاحب نے سراسر تعدی کے ساتھ مجھے غیر منصفانہ اعتراض کا نشانہ بنایا ہے۔

دوسرا اصولی اعتراض جو ڈاکٹر بشارت احمد صاحب نے سیرۃ المہدی کے متعلق کیا ہے۔ وہ یہ ہے۔ کہ گو کتاب کے دیباچہ میں یہ لکھا گیا ہے۔ کہ فی الحال روایات کو صرف جمع کر دیا گیا ہے اور ترتیب اور استنباط و استدلال بعد میں ہوتا رہے گا۔ لیکن عملاً خوب دل کھول کر بحثیں کی گئی ہیں۔ اور جگہ بجگہ استدلال و استنباط سے کام لیا گیا ہے۔ چنانچہ ڈاکٹر صاحب موصوف فرماتے ہیں:۔

"مصنف صاحب کا دعویٰ ہے کہ میں نے صرف اس میں روایات جمع کی ہیں۔ اور "ترتیب اور استنباط کا کام بعد میں ہوتا رہے گا" مگر اسی کتاب میں صفحوں کے صفحے مختلف کتابوں مثلاً براہین احمدیہ۔ سیرۃ مسیح موعود مصنفہ مولوی عبدالکریم صاحب مرحوم پنجاب چیفس اور مختلف اخبارات سے نقل کئے ہیں۔ اور مختلف مسائل پر خوب "استنباط" و "استدلال" سے کام لیا ہے" الخ

اس اعتراض کے جواب میں سب سے پہلی بات جو میں کہنا چاہتا ہوں۔ وہ یہ ہے۔ کہ میں نے بہت سوچا ہے مگر میں یہ نہیں سمجھ سکا۔ کہ ڈاکٹر صاحب کا اس اعتراض سے منشاء کیا ہے یعنی وہ کونسا علمی نکتہ ہے۔ جو اس اعتراض کے پیش کرنے سے ڈاکٹر صاحب موصوف پبلک کے سامنے لانا چاہتے ہیں۔ اگر میں نے یہ لکھا۔ کہ ترتیب و استدلال کا کام بعد میں ہوتا رہے گا۔ اور بفرض محال یہ بھی سمجھ لیا جائے کہ اس سے میری مراد وہی تھی۔ جو ڈاکٹر صاحب نے قرار دی ہے اور پھر

یہ بھی فرض کر لیا جائے۔ کہ میں نے اپنے اس بیان کے خلاف سیرۃ المہدی میں استدلال و استنباط سے کام لیا ہے پھر بھی میں سمجھتا ہوں۔ کہ ڈاکٹر صاحب کو چیں بجبیں ہونے کی کوئی وجہ نہیں تھی۔ اور یہ ایسی بات ہرگز نہیں تھی۔ جسے ڈاکٹر صاحب اپنے اصولی اعتراضات میں شامل کرتے میں اب بھی یہی کہوں گا۔ کہ میں ڈاکٹر صاحب کی نیت کے خلاف کچھ نہیں کہنا چاہتا۔ لیکن اس قسم کی باتیں خواہ نخواہ طبیعت کو بدظنی کی طرف مائل کر دیتی ہیں۔ ناظرین غور فرمائیں کہ ایک طرف تو ڈاکٹر صاحب کو سیرۃ المہدی پر تنقید کرتے ہوئے اس کے اندر ایک خوبی بھی ایسی نظر نہیں آئی جسے وہ اپنے مضمون میں درج کرنے کے قابل سمجھ سکیں۔ اور دوسری طرف اعتراضات کے مجموعہ کو دیکھا جائے تو ایسی ایسی باتیں بھی درج ہیں جن کو علمی تنقید سے کوئی بھی واسطہ نہیں۔ اور غالباً صرف اعتراضات کی تعداد بڑھانے کے لئے ان کو داخل کر دیا گیا ہے۔ کیا یہ طریق عمل انصاف و دیانت پر مبنی سمجھا جا سکتا ہے؟ اگر میں نے یہ بات لکھی کہ اس کتاب میں صرف روایات جمع کر دی گئی ہیں۔ اور استدلال بعد میں کیا جائیگا اور پھر دوران تحریر میں نے کہیں کہیں استدلال سے کام لے لیا۔ تو بس پوچھتا ہوں کہ حرج کونسا ہو گیا؟ اور وہ کونسا خطرناک جرم ہے۔ جس کا میں مرتکب ہوا ہوں۔ اور جسے ڈاکٹر صاحب قابل معافی نہیں سمجھ سکتے۔ اس تبدیلی کا اگر کوئی نتیجہ ہے تو صرف یہی ہے۔ کہ ایک زائد بات جس کا میں نے ناظرین کو وعدہ نہیں دلایا تھا۔ ایک حد تک ناظرین کو حاصل ہو گئی۔ میں نے روایات کے جمع کرنے کا وعدہ کیا تھا۔ اور وہ وعدہ میں نے پورا کیا۔ استدلال و استنباط کی امید میں نے نہیں دلائی تھی۔ بلکہ اسے کسی آئندہ وقت پر ملتوی کیا تھا۔ لیکن بایں ہمہ کہیں کہیں ضرورت کو دیکھ کر یہ کام بھی ساتھ ساتھ کرتا گیا ہوں۔ گویا میرا جرم یہ ہے کہ جس قدر بوجھ اٹھانے کی ذمہ واری میں نے لی تھی۔ اس سے کچھ زیادہ بوجھ اٹھایا ہے۔ اور میرے اس جرم پر ڈاکٹر صاحب غضبناک ہو رہے ہیں! فرماتے ہیں "ایک طرف یہ سب بحثیں دیکھو اور دوسری طرف اس کتاب کے متعلق اس بیان کو دیکھو استدلال کا وقت بعد میں آئیگا۔ تو حیرت ہو جاتی ہے" مکرم ڈاکٹر صاحب! بے شک آپ کو حیرت ہوئی ہوگی۔ کیونکہ آپ کے مضمون سے ظاہر ہے۔ کہ آپ کے سینہ میں قدر شناس دل نہیں ہے۔ ورنہ اگر کوئی قدردان ہوتا تو بجائے اعتراض کرنے کے شاکر ہوتا۔

یہ تو میں نے صرف اصولی جواب دیا ہے۔ ورنہ حقیقی جواب اس اعتراض کا یہ ہے کہ استدلال

واستنباط کے متعلق میں نے جو کچھ سیرۃ المہدی میں لکھا ہے۔ اس کا وہ مطلب ہرگز نہیں ہے۔ جو ڈاکٹر صاحب سمجھے ہیں۔ اور میں حیران ہوں کہ ڈاکٹر صاحب نے کس طرح میری عبارت سے یہ مطلب نکال لیا ہے۔ حالانکہ اس کا سیاق سباق صریح طور پر اس کے خلاف ہے۔ اگر ڈاکٹر صاحب جلد بازی سے کام نہ لیتے۔ اور میری جو عبارت ان کی آنکھوں میں کھٹکی ہے۔ اس سے کچھ آگے بھی نظر ڈال لیتے تو میں یقین کرتا ہوں۔ کہ ان کی تسلی ہو جاتی۔ مگر غضب تو یہ ہے کہ ڈاکٹر صاحب کے دل میں اعتراض کرنے کا شوق ایسا غلبہ پائے ہوئے ہیں کہ جونہی ان کو کوئی بات قابل گرفت نظر آتی ہے۔ وہ اسے لے دوڑتے ہیں۔ اور اس بات کی تکلیف گوارا نہیں کرتے کہ اس کے آگے پیچھے بھی نظر ڈال لیں۔ میں ڈاکٹر صاحب کے اپنے الفاظ میں یہ تو نہیں کہنا چاہتا۔ کہ اس طرح وہ "مفت میں اپنا مذاق اڑواتے ہیں۔" مگر یہ ضرور کہوں گا۔ کہ یہ طریق انصاف سے بہت بعید ہے۔ میری جس عبارت کو لے کر ڈاکٹر صاحب نے اعتراض کیا ہے۔ وہ یہ ہے:۔ "میرے نزدیک اسوقت سب سے بڑی ضرورت یہ ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق جتنی بھی روایتیں جمع ہو سکیں۔ ان کو ایک جگہ جمع کر کے محفوظ کر لیا جائے ترتیب و استنباط و استدلال کا کام بعد میں ہوتا رہے گا۔ کیونکہ وہ ہر وقت ہو سکتا ہے مگر جمع روایات کا کام اگر اب نہ ہوا۔ تو پھر نہ ہو سکیگا۔" اس عبارت کو لے کر ڈاکٹر صاحب یہ اعتراض کرتے ہیں۔ کہ اس میں ترتیب و استدلالات کے کام کو بعد کے لئے چھوڑا جانا بیان کیا گیا ہے۔ حالانکہ خود کتاب کے اندر جا بجا استدلالات موجود ہیں۔ پس استدلالات کے متعلق جو کچھ میں نے لکھا ہے۔ وہ ایک غلط بیانی ہے۔ اور گویا ناظرین کے ساتھ ایک دھوکا کیا گیا ہے۔ اس کے جواب میں میں یہ عرض کر چکا ہوں۔ کہ اگر بالفرض اس عبارت کے وہی معنے ہوں۔ جو ڈاکٹر صاحب نے لئے ہیں۔ تو پھر بھی یہ کوئی غلط بیانی یا دھوکا بازی نہیں ہے۔ جو قابل ملامت ہو۔ بلکہ میرا یہ فعل قابل شکریہ سمجھا جانا چاہئے لیکن حق یہ ہے۔ کہ اس عبارت کے وہ معنی ہی نہیں ہیں۔ جو ڈاکٹر صاحب نے قرار دئے ہیں۔ بلکہ اس میں صرف اُس مکمل استدلال کا ذکر ہے۔ جس کی ضرورت ترتیب کے نتیجہ میں پیش آتی ہے یعنی مراد یہ ہے۔ کہ اس مجموعہ میں ترتیب ملحوظ نہیں رکھی گئی۔ اور نہ وہ استدلالات کئے گئے ہیں۔ جو مختلف روایات کے ملانے اور ترتیب دینے کے نتیجہ میں ضروری ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ میرے الفاظ یہ ہیں:۔ "ترتیب و استنباط و استدلال کا کام بعد میں ہوتا رہیگا۔"

جس سے صاف ظاہر ہے۔ کہ یہاں وہ استدلال مراد ہے۔ جو ترتیب کے ساتھ تعلق رکھتا ہے۔ نہ کہ وہ عام تشریحات جو انفرادی طور پر روایات کے ضمن میں دی جاتی ہیں۔ چنانچہ میرے اس دعوے کی دلیل وہ الفاظ ہیں، جو اس عبارت سے تھوڑی دُور آگے چل کر مَیں نے لکھے ہیں۔ اور جن کو ڈاکٹر صاحب نے بالکل نظر انداز کر دیا ہے۔ وہ الفاظ یہ ہیں:۔

"مَیں نے بعض جگہ روایات کے اختتام پر اپنی طرف سے مختصر نوٹ دیئے ہیں اور مَیں سمجھتا ہوں کہ اس مجموعہ کے جمع کرنے میں میرے سب کاموں سے یہ کام زیادہ مشکل تھا۔ بعض روایات یقیناً ایسی ہیں۔ کہ اگر ان کو بغیر نوٹ کے چھوڑا جاتا تو ان کے اصل مفہوم کے متعلق غلط فہمی پیدا ہونے کا احتمال تھا۔ مگر ایسے نوٹوں کی ذمہ داری کلیۃً خاکسار پر ہے" (دیکھو عرض حال سیرۃ المہدی)۔

ان الفاظ کے ہوتے ہوئے کوئی انصاف پسند شخص "استنباط و استدلال" سے وہ عام تشریحی نوٹ مُراد نہیں لے سکتا جو انفرادی روایات کے متعلق بطور تشریح کے دیئے جاتے ہیں۔ بلکہ اس سے وہی استدلالات مقصود سمجھے جائیں گے جن کی مختلف روایات کے ملانے اور ترتیب دینے کے نتیجہ میں ضرورت پیش آتی ہے۔ ناظرین غور فرمائیں کہ ایک طرف تو میری طرف سے یہ نوٹ درج ہے۔ کہ ترتیب اور استنباط و استدلال کا کام بعد میں ہوتا رہیگا۔ اور دوسری طرف اسی جگہ میری یہ تحریر موجود ہے کہ میںنے مختلف روایات کے متعلق تشریحی نوٹ دیئے ہیں۔ اب ان دونوں تحریروں کے ہوتے ہوئے جو میرے ہی ہاتھ کی لکھی ہوئی ایک ہی کتاب کے عرض حال میں ایک ہی جگہ موجود ہیں۔ ڈاکٹر صاحب کا صرف ایک عبارت کو لے کر اعتراض کے لئے اُٹھ کھڑا ہونا۔ اور دوسری عبارت کا ذکر تک نہ کرنا کہاں تک عدل و انصاف پر مبنی سمجھا جا سکتا ہے؟ مینے اگر ایک جگہ یہ لکھا ہے کہ میں نے اس کتاب میں استدلال نہیں کئے۔ تو دوسری جگہ یہ عبارت بھی تو میرے ہی قلم سے نکلی ہوئی ہے۔ کہ میں نے جا بجا تشریحی نوٹ دیئے ہیں۔ اس صورت میں اگر ڈاکٹر صاحب ذرا وسعت حوصلہ سے کام لیتے اور میرے ان "استدلالات" کو جو ان کی طبیعت پر گراں گزرے ہیں۔ وہ تشریحی نوٹ سمجھ لیتے۔ جن کا میں نے اپنے عرض حال میں ذکر کیا ہے۔ تو بعید از انصاف نہ تھا۔ مگر افسوس ہے۔ کہ ڈاکٹر صاحب نے میرے ساتھ معاملہ کرنے میں عدل و انصاف سے کام نہیں لیا۔ خلاصہ کلام یہ کہ جہاں میں نے یہ لکھا ہے کہ

اس کتاب میں ترتیب واستنباط و استدلال سے کام نہیں لیا گیا۔ وہاں جیسا کہ میرے الفاظ سے ظاہر ہے وہ استدلالات مراد ہیں۔ جو مختلف روایات کے ترتیب دینے کے نتیجہ میں ضروری ہوتے ہیں۔ اور وہ تشریحی نوٹ مراد نہیں ہیں۔ جو انفرادی طور پر روایات کے ساتھ دیئے جاتے ہیں۔ کیونکہ دوسری جگہ میں نے خود صاف لکھدیا ہے۔ کہ میں نے جابجا تشریحی نوٹ دیئے ہیں۔ امید ہے یہ تشریح ڈاکٹر صاحب کی تسلی کے لئے کافی ہوگی۔

علاوہ ازیں یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ جہاں میں نے استدلال و استنباط کا ذکر کیا ہے۔ وہاں وہ استدلالات بھی مراد ہیں جو واقعات سے سیرۃ و اخلاق کے متعلق کئے جاتے ہیں۔ یعنے منشاء یہ ہے۔ کہ جو روایات بیان کی گئی ہیں۔ اور جو واقعاتِ زندگی ضبط تحریر میں لائے گئے ہیں۔ ان سے بالعموم حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی سیرۃ و اخلاق کے متعلق استدلالات نہیں کئے گئے۔ بلکہ ان کو صرف ایک مجموعہ کی صورت میں جمع کر لیا گیا ہے۔ اور استدلال و استنباط کو کسی آئندہ وقت پر ملتوی کر دیا گیا ہے۔ لیکن ظاہر ہے۔ کہ اس قسم کے استدلالات بھی ان تشریحی نوٹوں سے بالکل الگ حیثیت رکھتے ہیں۔ جو کہ روایات کے مفہوم کو واضح کرنے کے لئے ساتھ ساتھ دیئے جاتے ہیں۔ خلاصہ کلام یہ کہ جہاں میں نے یہ لکھا ہے۔ کہ استدلال و استنباط کا کام بعد میں ہوتا رہیگا۔ وہاں دو قسم کے استدلالات مراد ہیں۔ اوّل وہ استدلالات جن کی مختلف روایات کے ملانے اور ترتیب دینے سے ضرورت پیش آتی ہے۔ اور دوسرے وہ استدلالات جو روایات اور واقعات سے صاحب سیرۃ کے اخلاق و عادات کے متعلق کئے جاتے ہیں۔ اور ان دونوں قسم کے استدلالات کو میں نے کسی آئندہ وقت پر چھوڑ دیا ہے۔ والشاذ کالمعدوم باقی رہے وہ تشریحی نوٹ جو مختلف روایتوں کے متعلق درج کئے جانے ضروری تھے۔ سو ان میں نے ملتوی نہیں کیا۔ اور نہ ہی ان کا ملتوی کرنا درست تھا۔ کیونکہ انہیں چھوڑ دینے سے غلط فہمی کا احتمال تھا جس کا بعد میں ازالہ مشکل ہو جاتا۔ اور اسی لئے میں نے عرض حال میں یہ تصریح کر دی تھی۔ کہ گو میں نے استدلالات نہیں کئے۔ اور صرف روایات کو جمع کر دیا ہے۔ لیکن جہاں جہاں کسی روایت کے متعلق تشریح کی ضرورت محسوس کی ہے وہاں ساتھ ساتھ تشریحی نوٹ درج کر دیئے ہیں۔ مگر افسوس ہے۔ کہ ڈاکٹر صاحب نے استدلال و استنباط اور تشریحات میں فرق

نہ کرنے کی وجہ سے مجھے اپنے اعتراض کا نشانہ بنالیا ہے۔ ہاں بے شک میں نے ایک دو جگہ بعض بحثیں بھی کسی قدر طول کے ساتھ کی ہیں۔ لیکن ان بحثوں کو استدلالات اور تشریحات ہر دو کے ساتھ کوئی واسطہ نہیں ہے۔ کیونکہ نہ تو وہ استدلال کہلا سکتی ہیں۔ اور نہ ہی تشریح کا مفہوم ان پر عائد ہوتا ہے۔ بلکہ وہ ایک الگ مستقل چیز ہیں۔ جن کی ضرورت کو محسوس کرکے میں نے انہیں درج کر دیا ہے۔ اور میں سمجھتا ہوں۔ کہ ان بحثوں کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی سیرۃ و سوانح کے ساتھ ایک گہرا تعلق ہے۔ اور آپ کے مقام کو کما حقہ سمجھنے کے لیئے ان کا جاننا ضروریات سے ہے۔ مثلاً یہ سوال کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی تعلیم و تربیت کے ماتحت کیسی جماعت تیار کی ہے۔ ایک نہائت ہی ضروری سوال ہے جسے کوئی دانشمند مورخ آپ کی سیرۃ سے خارج کرنے کا خیال دل میں نہیں لا سکتا۔ بے شک ڈاکٹر صاحب موصوف یا کوئی اور صاحب یہ کہہ سکتے ہیں کہ جو خیال ظاہر کیا گیا ہے۔ وہ درست نہیں۔ اور حضرت مسیح موعود کی تعلیم و تربیت کا اثر کوئی خاص طور پر اچھا نہیں ہے۔ لیکن اسبات کو بہرحال تسلیم کرنا پڑیگا۔ کہ یہ بحث آپ کی سیرۃ سے ایک گہرا تعلق رکھتی ہے۔ جسے کسی صورت میں بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

اس بحث کو ختم کرنے سے قبل میں ڈاکٹر صاحب کے اس اعتراض کے ایک اور حصہ کی طرف بھی ناظرین کی توجہ مبذول کرانا چاہتا ہوں۔ ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں:۔

"مصنف کا دعویٰ ہے۔ کہ میں نے صرف اس میں روایات جمع کی ہیں۔ اور ترتیب اور استنباط و استدلال کا کام بعد میں ہوتا رہیگا۔ مگر اسی کتاب میں صفحوں کے صفحے مختلف کتابوں مثلاً براہین احمدیہ۔ سیرۃ مسیح موعود مصنفہ مولوی عبدالکریم صاحب مرحوم پنجاب چیفس اور مختلف اخبارات سے نقل کئے ہیں۔ ۔ ۔ ۔" الخ۔

گویا کتابوں اور اخباروں کی عبارتیں نقل کرنے کو ڈاکٹر صاحب استدلال و استنباط قرار دیتے ہیں۔ مگر میں حیران ہوں۔ کہ کسی کتاب یا اخبار سے کوئی عبارت نقل کرنا استدلال و استنباط کے حکم میں کیسے آسکتا ہے۔ اگر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی زندگی کے حالات اپنی کسی کتاب میں درج فرمائے۔ اور میں نے وہ حصہ سیرۃ المہدی میں درج کر دیا یا پنجاب چیفس میں جو حالات آپ کے خاندان کے درج ہیں وہ میں نے اپنی کتاب میں درج کر دیئے یا کسی اخبار میں کوئی ایسی بات مجھے

ملی جو آپ کی سیرت سے تعلق رکھتی تھی اور اسے میں نے لے لیا۔ تو میرا یہ فعل استدلال و استنباط کیسے بن گیا؟ میں واقعی حیرت میں ہوں۔ کہ اس قسم کی عبارتوں کے نقل کرنے کا نام ڈاکٹر صاحب نے کس اصول کی بنا پر استدلال و استنباط رکھا ہے۔ اور دنیا کی وہ کونسی لغت ہے جو اقتباس درج کرنے کو استدلال و استنباط کے نام سے یاد کرتی ہے۔ میں سمجھتا ہوں۔ کہ ڈاکٹر صاحب کے قلم سے یہ الفاظ جلدی میں نکل گئے ہیں۔ اور اگر وہ اپنے مضمون کی نظر ثانی فرمائیں۔ تو وہ یقیناً ان الفاظ کو خارج کر دینے کا فیصلہ فرمائیں گے۔ پھر ڈاکٹر صاحب نے یہ بھی نہیں غور کیا کہ میرے جس فعل پر ان کو اعتراض ہے وہ ایسا فعل ہے کہ جسے میں نے اپنی کتاب کے شروع میں اپنے فرائض میں سے ایک فرض اور اپنے اغراض میں سے ایک غرض قرار دیا ہے۔ چنانچہ میرے الفاظ یہ ہیں: "میرا ارادہ ہے واللہ الموفق۔ کہ جمع کروں اس کتاب میں تمام وہ ضروری باتیں جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنے متعلق خود تحریر فرمائی ہیں۔ اور وہ جو دوسروں نے لکھی ہیں۔ نیز جمع کروں تمام وہ زبانی روایات . . . الخ"

اس عبارت سے پتہ لگتا ہے۔ کہ میں نے اپنے سامنے صرف زبانی روایات کے جمع کرنے کا کام نہیں رکھا۔ بلکہ تمام متعلقہ تحریرات کے تلاش کرنے اور ایک جگہ جمع کر دینے کو بھی اپنی اغراض میں سے ایک غرض قرار دیا ہے۔ اندریں حالات میں نہیں سمجھ سکا۔ کہ ڈاکٹر صاحب نے میرے عبارتوں کے نقل کرنے کے فعل کو کس اصول کے ماتحت جرم قرار دیا ہے۔ مکرم ڈاکٹر صاحب! مجھے آپ معاف فرمائیں۔ مگر میں پھر یہی کہوں گا۔ کہ گو میں آپ کی نیت پر حملہ نہیں کرتا۔ لیکن آپ کی تنقید کسی طرح بھی عدل و انصاف پر مبنی نہیں سمجھی جا سکتی۔

تیسرا اصولی اعتراض جو ڈاکٹر صاحب موصوف نے سیرۃ المہدی حصہ اول پر کیا ہے۔ وہ ان کے اپنے الفاظ میں یہ ہے۔ کہ:-

"روایات کے جمع کرنے میں احادیث رسول اللہ صلعم کی نقل اتاری ہے۔ یہانتک کہ اردو تحریر میں اردو کے صرف و نحو کو نظر انداز کر کے عربی صرف و نحو کے مطابق طرز بیان اختیار کیا ہے . . . مگر جہاں راوی خود مصنف صاحب ہوتے ہیں۔ وہاں عربی چولا اتر جاتا ہے۔"

یہ اعتراض بھی گذشتہ اعتراض کی طرح ایک ایسا اعتراض ہے۔ جسے مضمون کی علمی تنقید سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اور اگر ڈاکٹر صاحب پسند فرماتے۔ تو اپنے علمی مضمون کی شان کو کم کرنے کے بغیر اس اعتراض کو چھوڑ سکتے تھے۔ در اصل منتقدین کا یہ قاعدہ ہے۔ کہ اگر وہ اپنی تنقید میں اس قسم کی باتوں کا ذکر لانا بھی چاہیں۔ تو ایک مشورہ کے طور پر ذکر کرتے ہیں جس میں سوائے اصلاح کے خیال کے اور کسی غرض وغایت کا شائبہ نہیں ہوتا۔ مگر افسوس ہے کہ ڈاکٹر صاحب کے دل کو ایسی وسعت حاصل نہیں ہے کہ وہ بزعم خود کوئی قابل گرفت بات دیکھ کر بھر بغیر اعتراض جمائے صبر کر سکیں اور زیادہ قابل افسوس یہ ہے۔ کہ ڈاکٹر صاحب اعتراض بھی ایسے لب ولہجہ میں کرتے ہیں جس میں بجائے ہمدردی اور اصلاح کے تحقیر وتمسخر کا رنگ نظر آتا ہے۔ بہرحال اب جبکہ ڈاکٹر صاحب نے یہ اعتراض اپنے اصولی اعتراضات میں شامل کرکے پبلک کے سامنے پیش کیا ہے۔ مجھے سوائے اس کے کوئی چارہ نہیں۔ کہ اس کے جواب میں حقیقت حال عرض کروں؛

بات یہ ہے۔ کہ جیساکہ سیرۃ المہدی کے آغاز میں مذکور ہے۔ میں نے سیرۃ المہدی کی ابتدائی چند سطور تبرک وتیمن کے خیال سے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بیت الدعا میں جاکر دعا کرنے کے بعد وہیں بیٹھے ہوئے تحریر کی تھیں۔ اور میں خدا تعالیٰ کو گواہ رکھکر کہتا ہوں۔ کہ بغیر کسی تصنع یا نقل کے خیال کے یہ چند ابتدائی سطور مجھ سے اسی طرح لکھی گئیں جس طرح کہ عربی عبارت کا دستور ہے بلکہ چونکہ اس وقت میرے جذبات قلبی ایک خاص حالت میں تھے میں نے یہ محسوس بھی نہیں کیا۔ کہ میں عام محاورہ اردو کے خلاف لکھ رہا ہوں۔ پھر جب بعد میں بیت الدعا سے باہر آکر میں نے ان سطور کو پڑھا۔ تو میں نے محسوس کیا کہ میرے بعض فقرے عربی کے محاورہ کے مطابق لکھے گئے ہیں۔ اور پھر اسکے بعد میرے بعض دوستوں نے جب سیرۃ کا مسودہ دیکھا۔ تو انہوں نے بھی مجھے اس امر کی طرف توجہ دلائی۔ لیکن خواہ ڈاکٹر صاحب موصوف اسے میری کمزوری سمجھیں یا وہم پرستی قرار دیں۔ یا حسن ظنی سے کام لینا چاہیں تو تقاضائے محبت واحترام پر محمول خیال فرمالیں۔ مگر بہرحال حقیقت یہ ہے۔ کہ میں نے ان سطور کو جو میں نے دعا کے بعد بیت الدعا میں بیٹھ کر لکھی تھیں۔ بدلنا نہیں چاہا۔ چنانچہ وہ اسی طرح شائع ہوگئیں۔ اس سے زیادہ میں اس اعتراض کے جواب میں کچھ نہیں کہنا چاہتا۔ ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں۔ کہ تم نے

حدیث کی نقل میں ایسا کیا ہے۔ اور گو میرے نزدیک اچھی اور اعلیٰ چیزیں اس قابل ہوتی ہیں۔ کہ انکی اتباع اختیار کی جائے۔ اور اگر نیت بخیر ہو۔ تو ایسی اتباع اور نقل خواہ وہ ظاہری ہو یا معنوی اہل ذوق کے نزدیک موجب برکت سمجھی جانی چاہئے۔ نہ کہ جائے اعتراض لیکن حقیقت امر یہ ہے۔ کہ مینے نقل کے خیال سے ایسا نہیں کیا۔ واللہ علیٰ ما اقول شہید۔

ڈاکٹر صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

" جہاں راوی خود مصنف صاحب ہوتے ہیں وہاں عربی چولا اتر جاتاہے۔ وہاں روایت یوں شروع ہوتی ہے۔ کہ " خاکسار عرض کرتاہے " ہونا تو یوں چاہئے تھا۔ کہ " عرض کرتا ہے خاکسار "۔"

اس استہزاء کے جواب میں سلام عرض کرتا ہوں۔ ایک طرف مضمون کے تقدس کو دیکھئے۔ اور دوسری طرف اس تمسخر کو! مکرم ڈاکٹر صاحب! حیرت کا مقام یہ ہے نہ کہ وہ جس پر آپ محو حیرت ہونے لگتے ہیں۔ افسوس!

چوتھا اصولی اعتراض جو جناب ڈاکٹر صاحب نے اپنے مضمون کے شروع میں بیان کیا ہے یہ ہے۔ کہ سیرۃ المہدی حصہ اول میں راویوں کے " صادق و کاذب " عادل و ثقہ ہونے کے متعلق کوئی احتیاط نہیں برتی گئی اور نہ راویوں کے حالات لکھے ہیں۔ کہ ان کی اہلیت کا پتہ چل سکے۔ اور دوسری یہ کہ بعض روایتوں میں کوئی راوی چھٹا ہوا معلوم ہوتاہے۔ گویا کتاب کے اندر مرسل روایتیں درج ہیں جو پایہ اعتبار سے گری ہوئی ہیں۔ اور پھر اس کے بعد یہ مذاق اُڑایا ہے۔ کہ احادیث کی ظاہری نقل تو کی گئی ہے لیکن محدثین کی " تنقید اور باریک بینیوں " کا نام ونشان نہیں۔ اور روایات کے جمع کرنے میں " بھونڈاپن اختیار کیا گیا ہے "۔ الغرض ڈاکٹر صاحب۔ کے نزدیک سیرۃ المہدی " ایک گڑبڑ مجموعہ ہے "۔ اور مصنف یعنی خاکسار نے " مفت میں اپنا مذاق اڑوایا ہے "۔ چونکہ ڈاکٹر صاحب نے اسجگہ مثالیں نہیں دیں۔ اس لئے میں حیران ہوں۔ کہ کیا جواب دوں۔ ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں۔ کہ راویوں کے صادق وکاذب ہونے کا کوئی پتہ نہیں۔ میں عرض کرتا ہوں۔ کہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم کو کھول کر ملاحظہ فرمائیے۔ ان میں بھی راویوں کے صادق وکاذب ہونے کا کوئی پتہ نہیں چلتا۔ کم ازکم مجھے بخاری اور مسلم کے اندر بلکہ کسی تاریخ وسیرۃ کی کتاب کے

اندر یہ بات نظر نہیں آتی۔ کہ راویوں کے صادق وکاذب ثقہ وعدم ثقہ ہونے کے متعلق بیان درج ہو۔ بلکہ اس قسم کی بحثوں کے لئے الگ کتابیں ہوتی ہیں۔ جو اسماء الرجال کی کتابیں کہلاتی ہیں۔ اور جن میں مختلف راویوں کے حالات درج ہوتے ہیں جن سے ان کے صادق وکاذب عادل وغیر عادل حافظ وغیر حافظ ہونے کا پتہ چلتا ہے اور انہی کتب کی بنا پر لوگ روایت کے لحاظ سے احادیث کے صحیح یا غیر صحیح مضبوط یا مشتبہ ہونے کے متعلق بحثیں کرتے ہیں۔ مگر میرے خلاف ڈاکٹر صاحب کو نہ معلوم کیا ناراضگی ہے۔ کہ وہ اس بات میں بھی مجھے مجرم قرار دے رہے ہیں۔ کہ میں نے کیوں سیرۃ المہدی کے اندر ہی اس کے راویوں کے حالات درج نہیں کئے۔ حق یہ تھا۔ کہ اگر ان کو سیرۃ المہدی کا کوئی راوی مشتبہ یا قابل اعتراض نظر آتا تھا۔ تو وہ اس کا نام لے کر بیان فرماتے۔ اور پھر میرا فرض تھا۔ کہ یا تو میں اس راوی کا ثقہ وعادل ہونا ثابت کرتا اور یا اس بات کا اعتراف کرتا کہ ڈاکٹر صاحب کا اعتراض درست ہے۔ اور وہ راوی واقعی اس بات کا اہل نہیں کہ اس کی روایت قبول کی جائے۔ مگر یونہی ایک مجمل اعتراض کا میں کیا جواب دے سکتا ہوں سوائے اس کے کہ میں یہ کہوں کہ میں نے جن راویوں کو ان کی روایت کا اہل پایا ہے۔ صرف انہی کی روایت کو لیا ہے اور بس روایت کے لحاظ سے عموماً یہ دیکھا جاتا ہے۔ کہ آیا (۱) راوی جھوٹ بولنے سے متہم تو نہیں؟ (۲) اسکے حافظہ میں تو کوئی قابل اعتراض نقص نہیں؟ (۳) وہ سمجھ کا ایسا ناقص تو نہیں۔ کہ بات کا مطلب ہی نہ سمجھ سکے۔ گو یہ ضروری نہیں کہ وہ زیادہ فقیہہ ہو۔ (۴) وہ مبالغہ کرنے یا خلاصہ نکال کر روایت کرنے یا بات کے مفہوم کو لے کر اپنے الفاظ میں آزادی کے ساتھ بیان کر دینے کا عادی تو نہیں؟ (۵) اس خاص روایت میں جس کا وہ راوی ہے۔ اسے کوئی خاص غرض تو نہیں؟ (۶) وہ ایسا مجہول الحال تو نہیں۔ کہ ہمیں اس کے صادق وکاذب حافظ وغیر حافظ ہونے کا کوئی پتہ ہی نہ ہو۔ وغیر ذالک۔ اور جہاں تک میرا علم اور طاقت ہے۔ میں نے ان تمام باتوں کو اپنے راویوں کی چھان بین میں علی قدر مراتب ملحوظ رکھا ہے۔ واللہ اعلم۔ اس سے زیادہ میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ کیونکہ میرے سامنے کوئی مثال نہیں ہے۔

اس جگہ میں یہ بھی بیان کر دینا چاہتا ہوں کہ بعض صورتوں میں ایسا بھی ممکن ہے کہ ایک راوی حافظ وعادل نہ ہو لیکن جو روایت وہ بیان کرتا ہو وہ درست ہو۔ ایسی حالت میں بھی اگر دوسرے

قرائن سے روایت کی صحت کا یقین ہو تو روایت کے لئے لینے میں چنداں حرج نہیں۔ اور گو یہ مقام اندیشہ ناک ہے لیکن علم کی تلاش میں بعض اوقات اندیشہ ناک جگہوں میں ہاتھ ڈالنا پڑتا ہے۔

دوسرا حصہ اس اعتراض کا یہ ہے کہ سیرۃ المہدی میں بعض ایسی روایات آگئی ہیں جن میں کوئی راوی ایسی باتیں بیان کرتا ہے جس کا علم اس کے لئے براہ راست ممکن نہیں تھا۔ پس ضرور اس نے کسی اور سے سُن کر یا کسی جگہ سے پڑھ کر یہ روایت بیان کی ہوگی۔ اور چونکہ اس درمیانی راوی کا علم نہیں دیا گیا، اس لئے روایت قابل وثوق نہیں سمجھی جا سکتی ہیں۔ اس اعتراض کی معقولیت کو اصولاً تسلیم کرتا ہوں اس قسم کی روایات اگر کوئی ہیں۔ تو وہ واقعی روایت کے اعلیٰ پایہ سے گری ہوئی ہیں۔ لیکن ساتھ ہی میں یہ بھی کہنا چاہتا ہوں۔ کہ اس کمزوری کی وجہ سے ایسی روایات کو کلیۃً متروک بھی نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ بسا اوقات اس قسم کی روایات سے نہایت مفید اور صحیح معلومات میسر آجاتے ہیں۔ دراصل اصول روایت کے لحاظ سے کسی روایت کے کمزور ہونے کے یہ معنی نہیں ہیں۔ کہ وہ روایت فی الواقع غلط بھی ہے۔ بلکہ بالکل ممکن ہے۔ کہ ایسی روایت بالکل صحیح اور قابل اعتماد ہو مثلاً فرض کرو۔ کہ میں نے ایک بات سنی اور کسی معتبر آدمی سے سُنی لیکن کچھ عرصہ کے بعد مجھے وہ بات تو یاد رہی لیکن راوی کا نام ذہن سے بالکل نکل گیا۔ اب جو میں وہ روایت بیان کرونگا۔ تو بغیر اس راوی کا نام بتانے کے کروں گا۔ اور اصول روایت کی رو سے میری یہ روایت واقعی کمزور سمجھی جائے گی لیکن دراصل اگر میرے حافظہ اور فہم نے غلطی نہیں کی۔ تو وہ بالکل صحیح اور درست ہوگی۔ بلکہ بعید نہیں کہ اپنی صحت میں وہ کئی ان دوسری روایتوں سے بھی بڑھ کر ہو۔ جو اصول روایت کے لحاظ سے صحیح قرار دی جاتی ہیں۔ مگر ہاں ہمارا اصول روایت کے ترازو میں وہ ہلکی ہی اترے گی۔ اس طرح عملاً بہت سی باتوں میں فرق پڑ جاتا ہے۔ پس باوجود ڈاکٹر صاحب کے ساتھ اصولاً متفق ہونے کے کہ ایسی روایت اگر کوئی ہو تو کمزور سمجھی جانی چاہئے۔ میں نہائت یقین کے ساتھ اس بات پر قائم ہوں کہ اس وجہ سے ہم ایسی روایات کو بالکل ترک بھی نہیں کر سکتے۔ کیونکہ اس طرح کئی مفید معلومات ہاتھ سے دینے پڑتے ہیں۔ عمدہ طریق یہی ہے۔ کہ اصول درایت سے تسلی کرنے کے بعد ایسی روایات کو درج کر دیا جائے۔ اور چونکہ ان کا مرسل ہونا بدیہی ہوگا۔ اس لئے ان کی کمزوری بھی لوگوں کے سامنے رہے گی۔ اور مناسب جرح و تعدیل کے ماتحت اہل علم ان

روایات سے فائدہ اُٹھا سکیں گے۔ احادیث کو ہی دیکھ لیجئے۔ ان میں ہزاروں ایسی روایات درج ہیں۔ جو اصول روایت کے لحاظ سے قابل اعتراض ہیں۔ لیکن ان سے بہت سے علمی فوائد بھی حاصل ہوتے رہتے ہیں۔ اور چونکہ ان کی روائتی کمزوری اہل علم سے مخفی نہیں ہوتی۔ اس لئے ان کی وجہ سے کوئی فتنہ بھی پیدا نہیں ہوسکتا۔ اور اگر کبھی پیدا ہوتا بھی ہے۔ تو اس کا سدباب کیا جاسکتا ہے بہرحال مناسب حدود کے اندر اندر مرسل روایات کا درج کیا جانا بشرطیکہ وہ اصول درایت کے لحاظ سے ردّ کئے جانے کے قابل نہ ہوں۔ اور ان سے کوئی نئے اور مفید معلومات حاصل ہوتے ہوں بحیثیت مجموعی ایسا نقصان دہ نہیں جیسا کہ مفید ہے۔ یعنی نفعهما اکبر من اثمهما والا معاملہ ہے۔ واللّٰہ اعلم۔ یہ تو اصولی جواب ہے۔ اور حقیقی جواب یہ ہے۔ کہ جہاں تک مجھے معلوم ہے میں نے ایسی روایتوں کے لینے میں بڑی احتیاط سے کام لیا ہے۔ اور جہاں کہیں بھی مجھے یہ شبہ گذرا ہے کہ راوی اپنی روایت کے متعلق بلاواسطہ اطلاع نہیں رکھتا وہاں یا تو میں نے اس کی روایت لی ہی نہیں اور یا روایت کے اختتام پر روایت کی اس کمزوری کا ذکر کر دیا ہے اس وقت مجھے ایک مثال یاد ہے۔ وہ درج کرتا ہوں مگر میں سمجھتا ہوں۔ کہ تلاش سے اور مثالیں بھی مل سکیں گی۔ سیرۃ المہدی کی صفحہ ۱۲۸ پر میں نے مولوی سید محمد سرور شاہ صاحب کی ایک روایت منشی احمد جان صاحب مرحوم مغفور لدھیانوی کے متعلق درج کی ہے۔ اور اس کے آخر میں میری طرف سے یہ نوٹ درج ہے "خاکسار عرض کرتا ہے کہ مولوی سید سرور شاہ صاحب منشی صاحب مرحوم سے خود نہیں ملے۔ لہذا انہوں نے کسی اور سے یہ واقع سنا ہوگا" میرے ان الفاظ سے صاف ظاہر ہے۔ کہ میں نے اس بات کو مدنظر رکھا ہے۔ کہ اگر راوی اپنی روایت کے متعلق بلاواسطہ علم نہیں رکھتا۔ تو اسے ظاہر کر دیا جائے۔ تاکہ جہاں ایک طرف روایت سے مناسب احتیاط کے ساتھ فائدہ اُٹھایا جاسکے۔ وہاں دوسری طرف اس کی کمزوری بھی سامنے رہے۔ ڈاکٹر صاحب نے چونکہ اس جگہ کوئی مثال نہیں دی اسلئے میں نہیں سمجھ سکتا کہ کون سی روایت ان کے مدنظر ہے لیکن اگر کوئی روایت پیش کی جائے۔ جس میں اس قسم کی کمزوری ہے۔ اور میں نے اسے ظاہر نہیں کیا۔ تو گو محدثین کے اصول کے لحاظ سے میں پھر بھی زیر الزام نہیں ہوں۔ کیونکہ محدثین اپنی کتابوں میں اس قسم کی کمزوریوں کو عموماً خود بیان نہیں کیا کرتے۔ بلکہ یہ کام تحقیق و تنقید کرنے والوں پر چھوڑ دیتے ہیں۔ لیکن پھر بھی میں اپنی غلطی کو تسلیم

کروں گا۔ اور آئندہ مزید احتیاط سے کام لوں گا۔ ہاں ایک غیر واضح سی مثال روایت نمبر ۳۱۰ کی ڈاکٹر صاحب نے بیان فرمائی ہے جس میں حضرت خلیفۃ المسیح ثانی ایدہ اللہ بنصرہ کی روایت سے کسی ہندو کا واقعہ درج ہے جس نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر مخالفانہ توجہ ڈالنی چاہی تھی لیکن خود مرعوب ہو کر بدحواس ہو گیا۔ ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں کہ اس روایت میں یہ درج نہیں ہے کہ حضرت خلیفہ ثانی نے یہ واقعہ خود دیکھا تھا یا کسی کی زبانی سُنا تھا۔ اور اگر کسی کی زبانی سُنا تھا۔ تو وہ کون تھا؟ اس کے جواب میں میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ جب ایک واقعہ کوئی شخص بیان کرتا ہے۔ اور روایت کے اندر کوئی ذکر اس بات کا موجود نہیں ہوتا کہ اس واقعہ کے وقت وہ خود بھی موجود نہیں تھا۔ اور نہ وہ واقعہ ایسے زمانہ یا جگہ سے تعلق رکھنا بیان کیا جاتا ہے کہ جس میں اس راوی کا موجود ہونا محال یا ممتنع ہو (مثلاً وہ ایسے زمانہ کا واقع ہو کہ جس میں وہ راوی ابھی پیدا ہی نہ ہوا ہو یا وہ ایسی جگہ سے تعلق رکھتا ہو کہ جہاں وہ راوی گیا ہی نہ ہو) تو لامحالہ یہی سمجھا جائے گا کہ راوی خود اپنا چشم دید واقعہ بیان کر رہا ہے۔ اور اس لئے یہ ضرورت نہیں ہوگی کہ راوی سے اس بات کی تصریح کرائی جاوے کہ آیا وہ واقعہ اس کا چشم دید ہے یا کہ اس نے کسی اور سے سُنا ہے۔ بہرحال میں نے ایسے موقعوں پر یہی سمجھا ہے کہ راوی خود اپنی دیکھی ہوئی بات بیان کر رہا ہے۔ اسی لئے میں نے اس سے سوال کر کے مزید تصریح کی ضرورت نہیں سمجھی۔ ہاں البتہ جہاں مجھے اس بات کا شک پیدا ہوا ہے کہ راوی کی روایت کسی بلا واسطہ علم پر مبنی نہیں ہے۔ وہاں میں نے خود سوال کر کے تصریح کرالی ہے۔ چنانچہ جو مثال مولوی سید سرور شاہ صاحب کی روایت کی میں نے اوپر بیان کی ہے۔ اس میں یہی صورت پیش آئی تھی۔ مولوی صاحب موصوف نے منشی احمد جان صاحب کے متعلق ایک بات بیان کی کہ انکی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ساتھ یوں یوں گفتگو ہوئی تھی۔ اب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تحریرات کی بناء پر میں یہ جانتا تھا کہ منشی صاحب مرحوم حضرت مسیح موعود کے دعوائے مسیحیت سے پہلے ہی انتقال کر گئے تھے اور یہ بھی مجھے معلوم ہے کہ مولوی سید محمد سرور شاہ صاحب کی ملاقات حضرت صاحب کے ساتھ بعد دعویٰ مسیحیت ہوئی ہے۔ پس لامحالہ مجھے یہ شک پیدا ہوا کہ مولوی صاحب کو اس بات کا علم کیسے ہوا۔ چنانچہ میں نے مولوی صاحب سے سوال کیا

اور انہوں نے مجھ سے بیان فرمایا کہ میں نے خود منشی صاحب مرحوم کو نہیں دیکھا۔ چنانچہ میں نے یہ بات روایت کے اختتام پر نوٹ کر دی۔ الغرض میں نے اپنی طرف سے تو حتی الوسع بڑی احتیاط سے کام لیا ہے لیکن اگر میں نے کسی جگہ غلطی کھائی ہے۔ یا کوئی کمزوری دکھائی ہے۔ تو میں جانتا ہوں۔ کہ میں ایک کمزور انسان ہوں۔ اور غلطی کا اعتراف کر لینا میرے مذہب میں ہرگز موجب ذلت نہیں۔ بلکہ موجب عزت ہے۔ پس اگر اب بھی ڈاکٹر صاحب یا کسی اور صاحب کی طرف سے کوئی ایسی بات ثابت کی جائے جس میں مینے کوئی غلط یا قابل اعتراض یا غیر محتاط طریق اختیار کیا ہے۔ تو میں نہ صرف اپنی غلطی کو تسلیم کر کے اپنی اصلاح کی کوشش کروں گا۔ بلکہ ایسے صاحب کا ممنون احسان ہونگا۔ افسوس صرف یہ ہے کہ محض اعتراض کرنے کے خیال سے اعتراض کر دیا جاتا ہے۔ اور دوسرے کی کوشش کو بلاوجہ حقیر اور بے فائدہ ثابت کرنے کا طریق اختیار کیا جاتا ہے۔ ورنہ ہمدردی کے ساتھ علمی تبادلہ خیالات ہو۔ تو معترض بھی فائدہ اُٹھائے، مصنف کی بھی تنویر ہو۔ اور لوگوں کے معلومات میں بھی مفید اضافہ کی راہ نکلے۔ اب میری کتاب ان مسائل کے متعلق تو ہے نہیں۔ جو مبایعین اور غیر مبایعین کے درمیان اختلاف کا موجب ہیں۔ بلکہ ایک ایسے مضمون کے متعلق ہے۔ جو تمام احمدی کہلانے والوں کے مشترکہ مفاد سے تعلق رکھتا ہے اور پھر اس مضمون کی اہمیت اور ضرورت سے بھی کسی احمدی کو انکار نہیں ہو سکتا۔ اندریں حالات اس قسم کی تصنیفات کے متعلق صرف اس خیال سے کہ ان کا مصنف مخالف جماعت سے تعلق رکھتا ہے۔ خواہ نخواہ مخالفانہ اور غیر ہمدردانہ اور دل آزار طریق اختیار کرنا دلوں کی کدورت کو زیادہ کرنے کے سوا اور کیا نتیجہ پیدا کر سکتا ہے۔

پھر ڈاکٹر صاحب تحریر فرماتے ہیں۔ کہ سیرۃ المہدی میں محدثین کی ظاہری نقل تو کی گئی ہے لیکن ان کی "تنقید اور باریک بینوں" کا نشان تک نہیں ہے۔ محدثین کا مقدس گروہ میرے لئے ہر طرح جائے عزت و احترام ہے اور گو جائز طور پر دوسروں سے آگے بڑھنے کی خواہش ہر صحیح الدماغ شخص کے دل و سینہ میں موجود ہوتی ہے، یا کم از کم ہونی چاہیئے۔ لیکن میرے دل کا یہ حال ہے۔ واللہ علٰے ما اقول شہید۔ کہ ائمہ حدیث کا خوشہ چین ہونے کو بھی اپنے لئے بڑی عزتوں میں سے ایک عزت خیال کرتا ہوں۔ اور ان کے مدمقابل کھڑا ہونا یا ان کے

سامنے اپنی کسی ناچیز کوشش کا نام لینا بھی ان کی ارفع اور اعلیٰ شان کے منافی سمجھتا ہوں۔ میں یہ عرض کر چکا ہوں۔ کہ کتاب کے شروع میں۔ جو چند فقرات عربی طریق کے مطابق لکھے گئے ہیں۔ وہ نقل کی نیت سے ہرگز نہیں لکھے گئے۔ لیکن اگر نقل کی نیت ہو بھی۔ تو میرے نزدیک اس میں ہرگز کوئی حرج نہیں ہے۔ مکرم ڈاکٹر صاحب! اگر ہم اپنے بزرگوں کے نقش پا پر نہ چلیں گے۔ تو اور کس کے چلیں گے۔ حضرت مسیح موعودؑ کی تو یہاں تک خواہش رہتی تھی کہ ممکن ہو تو احمدیوں کی زبان ہی عربی ہو جائے۔ پس اگر میری قلم سے چند فقرے عربی صرف ونحو کے مطابق لکھے گئے اور میں خدا کو گواہ رکھکر کہتا ہوں۔ کہ وہ میں نے نقل اور تصنع کے طور پر نہیں لکھے۔ تو آپ اس کے متعلق اس طرح دل آزار طریق پر اعتراض کرتے ہوئے بھلے نہیں لگتے۔ باقی رہی محدثین کی تنقید اور باریک بینی۔ سو وہ تو مسلم ہے۔ اور میری خدا سے دعا ہے۔ کہ وہ مجھے ان کا سا دل ودماغ اور علم وعمل عطا فرمائے۔ پس آپ اور کیا چاہتے ہیں۔ میں نے جہاں تک مجھ سے ہو سکا۔ چھان بین اور تحقیق وتدقیق سے کام لیا ہے۔ اور جہاں آپ نے آگے چل کر میری غلطیوں کی مثالیں پیش فرمائی ہیں۔ وہاں انشاءاللہ میں یہ ثابت کر سکوں گا۔ کہ میں نے روایات کے درج کرنے میں اندھا دھند طریق سے کام نہیں لیا۔ آپ کا یہ تحریر فرمانا کہ سیرۃ المہدی "ایک گڑبڑ مجموعہ ہے" نیز یہ کہ میں نے "مفت میں اپنا مذاق اڑوایا ہے" یہ آپکو مبارک ہو۔ اس قسم کی باتوں کا میں کیا جواب دوں۔ اگر سیرۃ المہدی ایک گڑبڑ مجموعہ ہے۔ تو بہرحال ہے تو وہ ہمارے آقا علیہ السلام کے حالات میں ہی۔ اور نہ ہونے سے تو اچھا ہے میں نے تو خود لکھ دیا تھا۔ کہ میں نے روایات کو بلا کسی ترتیب کے درج کیا ہے۔ پھر نہ معلوم آپ نے اسے ایک گڑبڑ مجموعہ قرار دینے میں کونسی نئی علمی تحقیق کا اظہار فرمایا ہے۔ آج اگر وہ بے ترتیب ہے۔ تو کل کوئی ہمت والا شخص اسے ترتیب بھی دے لے گا۔ بہرحال کام کی تکمیل کی طرف ایک قدم تو اُٹھایا گیا۔ اور اگر آپ ذوق شناس دل رکھتے۔ تو آپکو اس گڑبڑ مجموعہ میں بھی بہت سی اچھی باتیں نظر آجاتیں۔ اور مذاق اُڑوانے کی بھی آپ نے خوب کہی۔ مکرم ڈاکٹر صاحب! آپ خود ہی مذاق اُڑانے والے ہیں۔ سنجیدہ ہو جائیے۔ بس نہ میرا مذاق اڑے گا۔ اور نہ آپ کی متانت اور سنجیدگی پر کسی کو حرف گیری کا موقعہ ملے گا۔ آپ

پریشان کیوں ہوتے ہیں۔ یہ تو سب اپنے اختیار کی بات ہے "۔

پانچواں اصولی اعتراض جو ڈاکٹر صاحب موصوف نے اپنے مضمون کے شروع میں بیان کیا ہے۔ وہ یہ ہے۔ کہ سیرۃ المہدی میں:۔

" احادیث رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے ایک سیڑھی آگے چڑھنے کی کوشش کی گئی ہے۔ یعنی ہر ایک روایت کو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے شروع کیا ہے پڑھنے والے کو سمجھ نہیں آتا کہ یہ موجودہ زمانے کی راویوں کی کوئی روایت شروع ہو رہی ہے۔ . . . . یا قرآن کی سورت شروع ہوئی ہے۔ خاصہ پارہ عم نظر آتا ہے۔ گویا جا بجا سورتیں شروع ہو رہی ہیں۔ حدیث کی نقل ہوتے ہوتے قرآن کی نقل بھی ہونے لگی۔ اسی کا نام بچوں کا کھیل ہے "۔

میں اس اعتراض کے لب ولہجہ کے متعلق کچھ نہیں کہونگا۔ کیونکہ جو کچھ کہنا تھا اصولی طور پر کہہ چکا ہوں۔ اب کہاں تک اسے دہراتا جاؤں۔ مگر افسوس یہ ہے۔ کہ ڈاکٹر صاحب کی آنکھوں میں بسم اللہ بھی کھٹکنے سے نہیں رہی۔ تعصب بھی بڑی بلا ہے۔ میں تبرک وتیمن کے خیال سے ہر روایت کے شروع میں بسم اللہ لکھتا ہوں اور ڈاکٹر صاحب آتش غضب میں جلے جاتے ہیں۔ مگر مکرم ڈاکٹر صاحب اس معاملہ میں گو مجھے آپ کی اس تکلیف میں آپ سے ہمدردی ضرور ہے لیکن بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کا لکھنا تو میں کسی صورت میں نہیں چھوڑ سکتا۔ آپ کے الفاظ سے مطلب یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ جو کچھ قرآن شریف نے کیا ہے۔ اس کے خلاف کرو تاکہ نقل کرنے کے الزام کے نیچے نہ آجاؤ۔ میں کہتا ہوں۔ کہ خواہ دنیا ہمارا نام نقال رکھے یا اس سے بھی بڑھ کر کوئی خطاب دے لیکن قرآن شریف کے نمونہ پر چلنا کوئی مسلمان نہیں چھوڑ سکتا۔ اگر قرآن شریف کو باوجود اس کے کہ وہ خدا کا کلام اور مجسم برکت ورحمت ہے اپنی ہر سورت کے شروع میں خدا کا نام لینے کی ضرورت ہے تو ہم کمزور انسانوں کے لئے جنہیں اپنے ہر قدم پر لغزش کا اندیشہ رہتا ہے یہ ضرورت بدرجہ اولیٰ سمجھی جانی چاہئے۔ آنحضرت صلعم (فداہ نفسی) فرماتے ہیں کل امر ذی بال لا یبدأ ببسم اللہ فھو ابتر۔ یعنے ہر کام جو ذرا سی بھی اہمیت رکھتا ہو۔ وہ اگر بسم اللہ سے شروع نہ کیا جائے تو وہ برکات سے محروم ہو جاتا ہے۔ لیکن ڈاکٹر صاحب ہیں

کہ میرے بسم اللہ لکھنے کو بچوں کا کھیل قرار دے رہے ہیں۔ اور ڈاکٹر صاحب کا یہ منشاء ہو کہ بس صرف کتاب کے شروع میں ایک دفعہ بسم اللہ لکھ دینی کافی تھی اور ہر روایت کے آغاز میں اس کا دہرانا مناسب نہیں تھا۔ تو میں کہتا ہوں کہ قرآن شریف نے کیوں ہر سورت کے شروع میں اسے دہرایا ہے؟ کیا یہ کافی نہ تھا کہ قرآن شریف کے شروع میں صرف ایک دفعہ بسم اللہ درج کر دی جاتی اور پھر ہر سورت کے شروع میں اسے نہ لایا جاتا۔ جو جواب ڈاکٹر صاحب قرآن شریف کے متعلق دینگے وہی میری طرف سے تصور فرمالیں۔ دراصل بات یہ ہے۔ جیسے ڈاکٹر صاحب نے اپنے غصہ میں نظر انداز کر رکھا ہے کہ ہر کام جو ذرا بھی مستقل حیثیت رکھتا ہو۔ خدا کے نام سے شروع ہونا چاہیئے اور یہی آنحضرت صلعم کے اس ارشاد کا منشاء ہے۔ جو اوپر درج کیا گیا ہے۔ اسلام نے تو اس مسئلہ پر یہاں تک زور دیا ہے۔ کہ انسان کی کوئی حرکت و سکون بھی ایسا نہیں چھوڑا جس کے ساتھ خدا کے ذکر کو کسی نہ کسی طرح وابستہ نہ کر دیا ہو۔ اٹھنا بیٹھنا۔ کھانا پینا سونا جاگنا۔ بیوی کے پاس جانا۔ گھر سے نکلنا۔ گھر میں داخل ہونا۔ شہر سے نکلنا۔ شہر میں داخل ہونا کسی سے ملنا کسی سے رخصت ہونا۔ رفع حاجت کے لئے پاخانہ میں جانا۔ کپڑے بدلنا۔ کسی کام کو شروع کرنا۔ کسی کام کو ختم کرنا۔ غرض زندگی کی ہر حرکت و سکون میں خدا کے ذکر کو داخل کر دیا ہے اور میرے نزدیک اسلام کا یہ مسئلہ اس کی صداقت کے زبردست دلائل میں سے ایک دلیل ہے مگر نہ معلوم ڈاکٹر صاحب میرے بسم اللہ لکھنے پر کیوں چیں بجبیں ہو رہے ہیں۔ میں نے کوئی ڈاکہ مارا ہوتا یا کسی بے گناہ کو قتل کر دیا ہوتا یا کسی غریب بے بس کے حقوق کو دبا کر بیٹھ گیا ہوتا یا کسی الحاد و کفر کا ارتکاب کرتا۔ تو ڈاکٹر صاحب کی طرف سے یہ شور و غوغا کچھ اچھا بھی لگتا۔ لیکن ایک طرف اس چیخ و پکار کو دیکھئے۔ اور دوسری طرف میرے اس جرم کو دیکھئے کہ میں نے خدا کے نام کا استعمال اس حد سے کچھ زیادہ دفعہ کیا ہے جو ڈاکٹر صاحب کے خیال میں مناسب تھی۔ تو حیرت ہوتی ہے۔ خیر جو بات میں کہنا چاہتا تھا وہ یہ ہے کہ اسلام کی یہ تعلیم ہے۔ کہ ہر کام جو ذرا بھی مستقل حیثیت رکھتا ہو۔ بلکہ زندگی کی ہر حرکت و سکون خدا تعالےٰ کے اسم مبارک سے شروع کیا جائے تاکہ ایک تو کام کرنے والے کی نیت صاف رہے اور دوسرے خدا کا نام لینے کی وجہ سے کام میں برکت ہو چنانچہ قرآن شریف نے جو اپنی ہر سورت کو بسم اللہ سے

شروع فرمایا ہے۔ تو اس میں بھی ہمارے لئے یہی عملی سبق مقصود ہے۔ اب ناظرین کو یہ معلوم ہے اور ڈاکٹر صاحب موصوف سے بھی یہ امر مخفی نہیں کہ سیرۃ المہدی کوئی مرتب کتاب نہیں ہے بلکہ اس میں مختلف روایات بلاکسی ترتیب کے اپنی مستقل حیثیت میں الگ الگ درج ہیں۔ اس لئے ضروری تھا کہ میں اس کی ہر روایت کو بسم اللہ سے شروع کرتا۔ اگر سیرۃ المہدی کی روایات ایک ترتیب کے ساتھ ایک دوسرے کے ساتھ منسلک ہوتی ہوئی ایک متحدہ صورت میں جمع ہوتیں تو پھر یہ ساری روایات ایک واحد کام کے حکم میں سمجھی جاتیں۔ اور اس صورت میں صرف کتاب کے شروع میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کا لکھدینا کافی ہوتا۔ لیکن موجودہ صورت میں اس کی ہر روایت ایک مستقل منفرد حیثیت رکھتی ہے۔ اس لئے میں نے ہر روایت کو بسم اللہ سے شروع کیا ہے۔ جیسا کہ قرآن کریم نے اپنی ہر سورت کے شروع میں بسم اللہ کو رکھا ہے۔ بہر حال اگر قرآن شریف اپنی ہر سورت کے آغاز میں بسم اللہ کا درج کرنا ضروری قرار دیتا ہے۔ باوجود اس کے کہ اس کی تمام سورتیں ایک واحد لڑی میں ترتیب کے ساتھ پروئی ہوئی ہیں تو سیرۃ المہدی کی روایات جو بالکل کسی ترتیب میں بھی واقع نہیں ہوئیں بلکہ فی الحال ان میں سے ہر اک الگ الگ مستقل حیثیت رکھتی ہے حتیٰ کہ اسی وجہ سے ڈاکٹر صاحب نے سیرۃ المہدی کو "ایک گڑبڑ مجموعہ" قرار دیا ہے بدرجہ اولیٰ بسم اللہ سے شروع کی جانی چاہئیں۔ اور اسی خیال سے میں نے کسی روایت کو بغیر بسم اللہ کے شروع نہیں کیا۔"

در اصل حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے حالات جمع کرنے کا کام ایک بڑی ذمہ داری کا کام ہے اور سوائے خدا کی خاص نصرت و فضل کے اس کام کو بخیر و خوبی سرانجام دینا ایک نہائت مشکل امر ہے اور خواہ مجھے کمزور کہا جائے یا میرا نام وہم پرست رکھا جائے حقیقت یہ ہے کہ میں ہر قدم پر لغزش سے ڈرتا رہا ہوں اور اسی خیال کے ماتحت میں نے ہر روایت کو دعا کے بعد خدا کے نام سے شروع کیا ہے۔ یہ "اگر ایک بچوں کا کھیل ہے" تو بخدا مجھے یہ کھیل ہزار ہا سنجیدگیوں سے بڑھ کر پسند ہے۔ اور جناب ڈاکٹر صاحب موصوف سے میری یہ بصد منت درخواست ہے۔ کہ میرے اس کھیل میں روڑا نہ اٹکائیں۔ مگر خدا جانتا ہے کہ یہ کوئی

کھیل نہیں ہے۔ بلکہ ایک حقیقت کا اظہار ہے۔ اور اگر میں نے تصنع کے طور پر لوگوں کے دکھانے کے لئے یہ کام کیا ہے۔ تو مجھ سے بڑھ کر شقی کون ہو سکتا ہے۔ کہ خدائے قدوس کے نام کے ساتھ کھیل کرتا ہوں۔ اس صورت میں وہ مجھ سے خود سمجھیگا۔ اور اگر یہ کھیل نہیں۔ اور خدا گواہ ہے کہ یہ کھیل نہیں تو ڈاکٹر صاحب بھی اس دلیری کے ساتھ اعتراض کی طرف قدم اُٹھاتے ہوئے خدا سے ڈریں۔ بس اس سے زیادہ میں کچھ نہیں کہوں گا۔

چھٹا اصولی اعتراض جو ڈاکٹر صاحب موصوف نے اپنے مضمون کے شروع میں سیرۃ المہدی پر کیا ہے۔ وہ یہ ہے کہ:-

"دراصل یہ کتاب صرف محمودی صاحبان کے پڑھنے کے لئے بنائی گئی ہے یعنی صرف خوش عقیدہ لوگ پڑھیں۔ جن کی آنکھوں پر خوش عقیدگی کی پٹی بندھی ہوئی ہے نہ غیروں کے پڑھنے کے لائق ہے نہ لاہوری احمدیوں کے نہ کسی محقق کے۔ بعض روایتوں میں حضرت مسیح موعودؑ پر صاف زد پڑتی ہے۔ مگر چونکہ ان سے لاہوری احمدیوں پر بھی زد پڑنے میں مدد ملتی ہے۔ اسلئے بڑے اہتمام سے ایسی لغو سے لغو روایتیں مضبوط کر کے دل میں نہایت خوش ہوتے معلوم ہوتے ہیں" الخ۔

اس اعتراض کے لب و لہجہ کے معاملہ کو حوالہ بخدا کرتے ہوئے اس کے جواب میں صرف یہ عرض کرنا ہے۔ کہ اگر یہ اعتراض واقعی درست ہو تو میری کتاب صرف اس قابل ہے کہ اسے آگ کے حوالہ کر دیا جائے۔ اور اس کا مصنف اس بڑی سے بڑی سزا کا حقدار ہے۔ جو ایک ایسے شخص کو دی جا سکتی ہے۔ جو اپنی ذاتی اغراض کے ماتحت صداقت کی پروا نہیں کرتا۔ اور جو اپنے کسی مطلب کو حاصل کرنے کے لئے خدائے ذوالجلال کے ایک مقرب و ذی شان فرستادہ کو اعتراض کا نشانہ بناتا ہے۔ اور اگر یہ درست نہیں اور میرا خدا شاہد ہے کہ یہ درست نہیں۔ تو ڈاکٹر صاحب خدا سے ڈریں اور دوسرے کے دل کی نیت پر اس دلیری کے ساتھ حملہ کر دینے کو کوئی معمولی بات نہ جانیں۔ یہ درست ہے۔ کہ ان کے اس قسم کے حملوں کے جواب کی طاقت مجھ میں نہیں۔ ہے۔ لیکن خدا کو ہر طاقت حاصل ہے۔ اور مظلوم کی امداد کرنا اس کی سنت میں داخل ہے۔ مگر میں اب بھی ڈاکٹر صاحب کے لئے خدا سے دعا ہی کرتا ہوں۔ کہ وہ ان کی آنکھیں کھولے اور حق و صداقت کرنے پر

چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ ان کی غلطیاں ان کو معاف ہوں اور میری لغزشیں مجھے معاف۔ یہ نیت کا معاملہ ہے میں حیران ہوں کہ کیا کہوں اور کیا نہ کہوں۔ ہاں اس وقت ایک حدیث مجھے یاد آگئی ہے۔ وہ عرض کرتا ہوں۔ ایک جنگ میں اسامہؓ بن زیدؓ اور ایک کافر کا سامنا ہوا۔ کافر اچھا شمشیر زن تھا۔ خوب لڑتا رہا۔ لیکن آخر اسامہؓ کو بھی ایک موقعہ خدا نے عطا فرمایا۔ اور انہوں نے تلوار تول کر کافر پر وار کیا۔ کافر نے اپنے آپ کو خطرہ میں پا کر جھٹ سامنے سے یہ کہدیا کہ مسلمان ہوتا ہوں۔ مگر اسامہ نے پروانہ کی اور اسے تلوار کے گھاٹ اتار دیا۔ بعد میں کسی نے اس واقعہ کی خبر آنحضرت صلعم کو کر دی۔ آپ حضرت اسامہ پر سخت ناراض ہوئے اور غصہ سے آپ کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ آپ نے فرمایا اے اسامہ کیا تم نے اسے اس کے اظہار اسلام کے بعد مار دیا؟ اور آپ نے تین مرتبہ یہی الفاظ دہرائے۔ اسامہ نے عرض کیا یا رسول اللہ وہ شخص دکھاوے کے طور پر ایسا کہتا تھا تاکہ بچ جاوے۔ آپ نے جوش سے فرمایا افلا شققت عن قلبه حتی تعلم اقالها ام لا۔ یعنے تو نے پھر اس کا دل چیر کر کیوں نہ دیکھ لیا کہ وہ ٹھیک کہتا تھا کہ نہیں۔ اسامہ کہتے ہیں آنحضرت صلعم نے یہ الفاظ ایسی ناراضگی میں فرمائے۔ کہ تمنیت انی لم اکن اسلمت قبل ذالك الیوم۔ میرے دل میں یہ خواہش پیدا ہوئی۔ کہ کاش! میں اس سے قبل مسلمان ہی نہ ہوا ہوتا اور صرف آج اسلام قبول کرتا تاکہ آنحضرت صلعم کی یہ ناراضگی میرے حصہ میں نہ آتی۔ میں بھی جو رسول پاک کی خاک پا ہونا اپنے لئے سب فخروں سے بڑھ کر فخر سمجھتا ہوں۔ آپ کی اتباع میں ڈاکٹر صاحب سے یہی عرض کرتا ہوں۔ کہ میرے خلاف یہ خطرناک الزام لگانے سے قبل آپ نے میرا دل تو چیر کر دیکھ لیا ہوتا۔ کہ اس کے اندر کیا ہے۔ بس اس سے زیادہ کیا جواب دوں۔ ڈاکٹر صاحب کوئی مثال پیش فرماتے تو اس کے متعلق کچھ عرض کرتا۔ لیکن جو بات بغیر مثال دینے کے یونہی کہہ دی گئی ہو۔ اس کا کیا جواب دیا جائے؟ میرا خدا گواہ ہے۔ کہ میں نے سیرۃ المہدی کی کوئی روایت کسی ذاتی غرض کے ماتحت نہیں لکھی اور نہ کوئی روایت اس نیت سے تلاش کر کے درج کی ہے۔ کہ اس سے غیر مبایعین پر زد پڑے۔ بلکہ جو کچھ بھی مجھ تک پہنچا ہے۔ اسے بعد مناسب تحقیق کے درج کر دیا ہے۔ ولعنت اللہ علی من کذب۔ بایں ہمہ اگر میری یہ کتاب ڈاکٹر صاحب اور ان کے ہم رتبہ محققین کے اوقات گرامی کے شایان شان نہیں تو مجھے اس کا افسوس ہے۔"

ساتواں اور آخری اصولی اعتراض جو ڈاکٹر صاحب نے بیان کیا ہے۔ وہ یہ ہے۔ کہ سیرۃ المہدی کی بہت سی روایات درایت کے اصول کے لحاظ سے غلط ثابت ہوتی ہیں۔ اور جو بات درایتاً غلط ہو۔ وہ خواہ روایت کی رو سے کیسی ہی مضبوط نظر آئے اسے تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔ مثلاً ڈاکٹر صاحب کا بیان ہے کہ سیرت المہدی میں بعض ایسی روایتیں آگئی ہیں۔ جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اور آپ کی تحریرات کے صریح خلاف ہیں۔ بلکہ بعض حالتوں میں آپ کے منزل شان بھی ہیں۔ اور ایسی حالت میں کوئی شخص جو آپ کو بہت باز یقین کرتا ہو۔ ان روایات کو قبول نہیں کر سکتا۔ راوی کے بیان کو غلط قرار دیا جا سکتا ہے۔ مگر حضرت مسیح موعودؑ پر حرف آنے کو ہمارا ایمان۔ ہمارا مشاہدہ۔ ہمارا ضمیر قطعاً قبول نہیں کر سکتا۔ خلاصہ کلام یہ کہ ایسی روایتیں جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے طریق عمل اور آپؑ کی تحریرات کے صریح خلاف ہوں۔ قابل قبول نہیں ہیں۔ مگر سیرت المہدی میں اس قسم کی روایات کی بھی کوئی کمی نہیں وغیرہ وغیرہ۔"

اس اعتراض کے جواب میں میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ میں اصولاً اس بات سے متفق ہوں کہ جو روایات واقعی اور حقیقتاً حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے طریق عمل اور آپ کی تعلیم اور آپ کی تحریرات کے خلاف ہیں۔ وہ کسی صورت میں بھی قابل قبول نہیں ہو سکتیں۔ اور ان کے متعلق بہر حال یہ قرار دینا ہوگا۔ کہ اگر راوی صادق القول ہے تو یا تو اس کے حافظہ نے غلطی کھائی ہے۔ اور یا وہ بات کو اچھی طرح سمجھ نہیں سکا۔ اس لئے روایت کرنے میں ٹھوکر کھا گیا ہے۔ اور یا کوئی اور اس قسم کی غلطی واقع ہوگئی ہے۔ جس کی وجہ سے حقیقت امر پر پردہ پڑ گیا ہے۔ واقعی زبانی روایات سے سوائے اسکے کہ وہ تواتر کی حد کو پہنچ جائیں۔ صرف علم غالب حاصل ہوتا ہے۔ اور یقین کامل اور قطعیت تامہ کا مرتبہ ان کو کسی صورت میں نہیں دیا جا سکتا پس لامحالہ اگر کوئی زبانی روایت حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ثابت شدہ طریق عمل اور آپ کی مسلم تعلیم اور آپ کی غیر مشکوک تحریرات کے خلاف ہے۔ تو کوئی عقلمند اسے قبول کرنے کا خیال دل میں نہیں لا سکتا۔ اور اس حد تک میرا ڈاکٹر صاحب کے ساتھ اتفاق ہے۔ لیکن بایں ہمہ میں یہ بھی کہنا چاہتا ہوں کہ عملاً یہ معاملہ ایسا آسان نہیں ہے۔ جیسا کہ ڈاکٹر صاحب موصوف نے سمجھ رکھا ہے۔ درایت کا معاملہ ایک نہایت نازک اور پیچیدہ معاملہ ہے۔ اور اس میں جرأت

کے ساتھ قدم رکھنا سخت ضرر رساں نتائج پیدا کر سکتا ہے۔ در اصل جہاں بھی استدلال و استنباط اور قیاس و استخراج کا سوال آتا ہے۔ وہاں خطرناک احتمالات و اختلافات کا دروازہ بھی ساتھ ہی کھل جاتا ہے ایک مشہور مقولہ ہے کہ جتنے مُنہ اتنی باتیں۔ اور دنیا کے تجربہ نے اس مقولہ کی صداقت پر مہر تصدیق ثبت کر دی ہے۔ جہاں تک مشاہدہ اور واقعہ کا تعلق ہے۔ وہاں تک تو سب متفق رہتے ہیں۔ اور کوئی اختلاف پیدا نہیں ہوتا۔ والشاذ کالمعدوم۔ لیکن جونہی کہ کسی مشاہدہ یا واقعہ سے استدلال و استنباط کرنے اور اس کا ایک مفہوم قرار دے کر اس سے استخراج نتائج کرنے کا سوال پیدا ہوتا ہے۔ پھر ہر شخص اپنے اپنے رستہ پر چل نکلتا ہے۔ اور حق و باطل میں تمیز کرنا بہت مشکل ہو جاتا ہے۔ پس یہ بات منہ سے کہہ دینا تو بہت آسان ہے، کہ جو روایت حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے طریق عمل کے خلاف ہو۔ اسے ردّ کر دو۔ یا جو بات حضرت کی تحریرات کے خلاف نظر آئے اُسے قبول نہ کرو۔ اور کوئی عقلمند اُصولاً اس کا منکر نہیں ہو سکتا لیکن اگر ذرا غور سے کام لے کر اس کے عملی پہلو پر نگاہ کی جائے تب پتہ لگتا ہے کہ یہ جرح و تعدیل کوئی آسان کام نہیں ہے۔ اور ہر شخص اس کی اہلیت نہیں رکھتا کہ روایات کو اس طرح اپنے استدلال و استنباط کے سامنے کاٹ کاٹ کر گراتا چلا جائے۔ بے شک حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے طریق عمل کے خلاف کوئی روایت قابل شنوائی نہیں ہو سکتی۔ مگر طریق عمل کا فیصلہ کرنا کارے دارد اور میں اس شیر دل انسان کو دیکھنا چاہتا ہوں۔ جو یہ دعویٰ کرے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا طریق عمل قرار دینے میں اس کی رائے غلطی کے امکان سے بالا ہے۔ اسی طرح بے شک جو روایت حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تحریرات کے خلاف ہو۔ اسے کوئی احمدی قبول نہیں کر سکتا۔ مگر تحریرات کا مفہوم معین کرنا بعض حالتوں میں اپنے اندر ایسی مشکلات رکھتا ہے۔ جن کا حل نہایت دشوار ہو جاتا ہے۔ اور مجھے ایسے شخص کی جرأت پر حیرت ہو گی۔ جو یہ دعویٰ کرے کہ حضرت کی تحریرات کا مفہوم معین کرنے میں اس کا فیصلہ ہر صورت میں یقینی اور قطعی ہوتا ہے۔ پس جب درایت کا پہلو اپنے ساتھ غلطی کے احتمالات رکھتا ہے۔ تو اس پر ایسا اندھا دھند اعتماد کرنا کہ جو بھی روایت اپنی درایت کے خلاف نظر آئے اسے غلط قرار دے کر ردّ کر دیا جائے۔ ایک عامیانہ فعل ہو گا۔ جو کسی صورت میں بھی سلامت روی اور حق پسندی پر مبنی نہیں سمجھا جا سکتا۔ مثال کے طور پر میں ڈاکٹر صاحب کے

سامنے مسئلہ نبوت پیش کرتا ہوں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تحریرات ہر دو فریق کے سامنے ہیں۔ لیکن مبائعین کی جماعت ان تحریرات سے یہ نتیجہ نکالتی ہے۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نبوت کا دعوےٰ کیا ہے اور غیر مبائعین یہ استدلال کرتے ہیں کہ آپ نے نبوت کا دعویٰ نہیں کیا۔ اور فریقین کے استدلال کی بنیاد حضرت مسیح موعودؑ کی تحریرات پر ہے اب اگر درایت کے پہلو کو آنکھیں بند کر کے ایسا مرتبہ دیدیا جائے کہ جس کے سامنے روایت کسی صورت میں بھی قابل قبول نہ ہو۔ تو اس کا نتیجہ سوائے اس کے اور کیا ہو سکتا ہے۔ کہ جو روایت غیر مبائعین کو ایسی ملے جس میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی نبوت ثابت ہوتی ہو۔ تو وہ اسے رد کر دیں۔ کیونکہ وہ بقول ان کے آپ کی تحریرات کے خلاف ہے۔ اور اگر کوئی روایت مبائعین کے سامنے ایسی آئے جس سے یہ ظاہر ہوتا ہو۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو نبوت کا دعویٰ نہیں تھا تو وہ اسے قبول نہ کریں۔ کیونکہ بقول ان کے یہ روایت حضرت صاحب کی تحریرات کے خلاف ہے۔ اسی طرح مبائعین کا یہ دعویٰ ہے کہ غیر احمدیوں کا جنازہ پڑھنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے طریق عمل کے خلاف تھا۔ اور غیر مبائعین یہ کہتے ہیں کہ جو غیر احمدی مخالف نہیں ہیں۔ ان کا جنازہ پڑھ لینا حضرت مسیح موعودؑ کے طریق عمل کے خلاف نہیں۔ اب اس حالت میں ڈاکٹر صاحب کے پیش کردہ اُصول پر اندھا دھند عمل کرنے کا نتیجہ سوائے اسکے اور کیا ہو سکتا ہے۔ کہ اگر کسی مبائع کو کوئی ایسی روایت پہنچے۔ کہ جس سے یہ ظاہر ہوتا ہو۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام بعض حالتوں میں غیروں کا جنازہ پڑھ لیتے تھے۔ یا پڑھنا پسند فرماتے تھے۔ تو وہ اسے رد کر دے۔ کیونکہ بقول اس کے یہ بات حضرت کے طریق عمل کے خلاف ہے۔ اور جب کوئی روایت کسی غیر مبائع کو ایسی ملے جس سے یہ ثابت ہوتا ہو کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام غیروں کا جنازہ نہیں پڑھتے تھے یا پڑھنا پسند نہیں فرماتے تھے۔ تو خواہ یہ روایت اصول روایت کے لحاظ سے کیسی ہی پختہ اور مضبوط ہو۔ وہ اسے ردی کی ٹوکری میں ڈال دے کیونکہ بقول اس کے یہ روایت حضرت صاحب کے طریق عمل کے خلاف ہے۔ ناظرین خود غور فرمائیں۔ کہ اس قسم کی کارروائی کا سوائے اس کے اور کیا نتیجہ ہو سکتا ہے۔ کہ علم کی ترقی کا دروازہ بند ہو جائے۔ اور ہر شخص اپنے دماغ کی چار دیواری میں

ایسی طرح محصور ہو کر بیٹھ جائے کہ باہر کی ہوا اسے کسی طرح بھی نہ پہنچ سکے۔ اور اس کا معیار صداقت صرف یہ ہو کہ جو خیالات وہ اپنے دل میں قائم کر چکا ہے۔ ان کے خلاف ہر اک بات خواہ وہ کیسی ہی پختہ اور قابل اعتماد ذرائع سے پایہ ثبوت کو پہنچی ہوئی ہو، ردّ کئے جانے کے قابل ہے کیونکہ وہ اس کی درایت کے خلاف ہیں۔ مکرم ڈاکٹر صاحب! مجھے آپ کے بیان سے اصولی طور پر اتفاق ہے۔ مگر میں افسوس کرتا ہوں کہ آپ نے اس مسئلہ کے عملی پہلو پر کما حقہٗ غور نہیں فرمایا۔ ورنہ آپ درایت کے ایسے دلدادہ نہ ہو جاتے۔ کہ اس کے مقابلہ میں ہر قسم کی روایت کو ردّ کئے جانے کے قابل قرار دیتے۔

میں یقین رکھتا ہوں۔ کہ اگر آپ ٹھنڈے دل سے غور فرمائیں تو آپ کو معلوم ہو۔ کہ اصل چیز جس پر بنیاد رکھی جانی چاہئے وہ روایت ہی ہے۔ اور علم تاریخ کا سارا دارو مدار اسی اصل پر قائم ہے۔ اور درایت کے اصول صرف بطور زوائد کے روایت کو مضبوط کرنے کے لئے وضع کئے گئے ہیں۔ اور آجتک کسی مستند اسلامی مورخ نے ان پر ایسا اعتماد نہیں کیا۔ کہ ان کی وجہ سے صحیح اور ثابت شدہ روایات کو ترک کر دیا ہو۔ متقدمین کی تصنیفات تو قریبًا قریبًا کلیتہً صرف اصول روایت پر ہی مبنی ہیں۔ اور درایت کے اصول کی طرف انھوں نے بہت کم توجہ کی ہے۔ البتہ بعد کے مورخین میں سے بعض نے درایت پر زور دیا ہے۔ لیکن انھوں نے بھی اصل بنیاد روایت پر ہی رکھی ہے۔ اور درایت کو ایک حد مناسب تک پرکھنے اور جانچ پڑتال کرنے کا آلہ قرار دیا ہے اور یہی سلامت روی کی راہ ہے۔ واقعی اگر ایک بات کسی ایسے آدمی کے ذریعہ ہم تک پہنچتی ہے۔ جو صادق القول ہے۔ اور جس کے حافظہ میں بھی کوئی نقص نہیں اور جو فہم و فراست میں بھی اچھا ہے۔ اور روایت کے دوسرے پہلوؤں کے لحاظ سے بھی وہ قابل اعتراض نہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ ہم اس کی روایت کو صرف اس بنا پر ردّ کر دیں کہ وہ ہماری سمجھ میں نہیں آتی۔ یا یہ کہ ہمارے خیال میں وہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے طریق عمل یا تحریرات کے مخالف ہے۔ کیونکہ اس کا یہ مطلب ہوگا کہ ہم واقعات کو اپنے محدود استدلال بلکہ بعض حالتوں میں خود غرضانہ استدلال کے ماتحت لانا چاہتے ہیں۔ خوب سوچ لو کہ جو بات عملاً وقوع میں آگئی ہے۔ یعنی اصول روایت کی رو سے اس کے متعلق یہ قطعی طور پر ثابت ہے کہ وہ واقع ہو چکی۔ تو پھر خواہ ہماری سمجھ میں آئے یا نہ آئے۔ یا ہمارے کسی استدلال

کے موافق ہو یا مخالف ہمارا فرض ہے کہ ہم اسے قبول کریں۔ سوائے اسکے کہ وہ کسی ایسی نص صریح کے مخالف ہو جس کے مفہوم کے متعلق اُمت میں اجماع ہوچکا ہو۔ مثلاً یہ بات کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کیا تھا۔ ہر احمدی کہلانے والے کے نزدیک مسلّم ہے۔ اور کوئی احمدی خواہ وہ کسی جماعت یا گروہ سے تعلق رکھتا ہو۔ اس کا منکر نہیں۔ پس ایسی صورت میں اگر کوئی ایسی روایت ہم تک پہنچے جس میں یہ مذکور ہو۔ کہ آپ نے کبھی بھی مسیح موعود ہونے کا دعویٰ نہیں کیا تو خواہ بظاہر وہ روایت کیسی ہی مضبوط ہی نظر آئے۔ ہم اُسے قبول نہیں کریں گے۔ اور یہ سمجھ لیں گے۔ کہ راوی کو (اگر وہ سچا بھی ہے) کوئی ایسی غلطی لگ گئی ہے جس کا پتہ لگانا ہمارے لئے مشکل ہے۔ کیونکہ وہ حضرت مسیح موعودؑ کی صریح تحریرات (یعنے ایسی تحریرات جن کے مفہوم کے متعلق کوئی اختلاف نہیں ہے) کے مخالف ہے لیکن اگر کوئی روایت ہمیں مسئلہ نبوت یا کفر و اسلام یا خلافت یا جنازہ غیر احمدیان وغیرہ کے متعلق ملے۔ اور وہ اصول روایت کے لحاظ سے قابل اعتراض نہو تو خواہ وہ ہمارے عقیدہ کے کیسی ہی مخالف ہو، ہمارا فرض ہے کہ اسے دیانتداری کے ساتھ درج کردیں۔ اور اس سے استدلال واستنباط کرنے کے سوال کو ناظرین پر چھوڑ دیں تاکہ ہر شخص اپنی سمجھ کے مطابق اس سے فائدہ اُٹھا سکے۔ اور علمی تحقیق کا دروازہ بند نہ ہونے پائے۔ اور اگر ہم اس روایت کو اپنے خیال اور اپنی درائت کے مخالف ہونے کی وجہ سے ترک کردینگے تو ہمارا یہ فعل کبھی بھی دیانتداری پر مبنی نہیں سمجھا جاسکتا۔

پھر مجھے یہ بھی تعجب ہے کہ ڈاکٹر صاحب ایک طرف تو مجھ پر یہ الزام لگاتے ہیں کہ میری کتاب صرف "محمودی" خیال کے لوگوں کے مطلب کی ہے اور لاہوری محققین کے مطالعہ کے قابل نہیں۔ اور دوسری طرف یہ اعتراض ہے کہ کتاب درایت کے پہلو سے خالی ہے۔ حالانکہ ڈاکٹر صاحب کو اپنے اصول کے مطابق میرے خلاف اس اعتراض کا حق نہیں تھا۔ کیونکہ اگر میں نے بفرض محال صرف ان روایات کو لیا ہے جو ہمارے عقیدہ کی مؤیّد ہیں۔ تو میں نے کوئی بُرا کام نہیں بلکہ بقول ڈاکٹر صاحب عین اصول درایت کے مطابق کیا ہے۔ کیونکہ جو باتیں میرے نزدیک حضرت کے طریق عمل اور تحریروں کے خلاف تھیں۔ ان کو میں نے ردّ کردیا ہے۔ اور صرف انہیں کو لیا ہے جو میرے خیال میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے طریق عمل اور آپ کی تحریرات کے مطابق

تھیں۔ اور یہ ہو بھی کیسے سکتا تھا کہ میں ان کے خلاف کسی روایت کو قبول کروں۔ کیونکہ ڈاکٹر صاحب کے اپنے الفاظ ہیں:۔

"صریح حضرت مسیح موعود کی تحریروں اور طرز عمل کے خلاف اگر ایک روایت ہو تو حضرت مسیح موعود کو راست باز ماننے والا تو قطعاً اسکو قبول نہیں کر سکتا ..... ہم راوی پر حرف آنے کو قبول کر سکتے ہیں۔ مگر مسیح موعودؑ پر حرف آنے کو ہمارا ایمان ہماری ضمیر ہمارا مشاہدہ۔ ہمارا تجربہ قطعاً قبول کرنے کی اجازت نہیں دیتا"

بس اس اصول کے ماتحت اگر میں نے ان روایتوں کو جو میرے نزدیک حضرت کی تحریرات اور طرز عمل کے صریح خلاف تھیں۔ ردّ کر دیا اور درج نہیں کیا۔ اور اس طرح میری کتاب "محمودی عقائد" کی کتاب بن گئی، تو میں نے کچھ بُرا نہ کیا۔ بلکہ بڑا ثواب کمایا اور ڈاکٹر صاحب کے عین دلی منشاء کو پورا کرنیکا موجب بنا۔ اور ایسی حالت میں میرا یہ فعل قابل شکریہ سمجھا جانا چاہئے۔ نہ کہ قابل ملامت۔ اور اگر ڈاکٹر صاحب کا یہ منشاء ہے کہ روایت کے اصول کی رُو سے تو میں اپنے فہم کے مطابق پڑتال کیا کروں مگر درایت کے مطابق پرکھنے کے لئے ڈاکٹر صاحب اور ان کے ہم مشربوں کی فہم و فراست کی عینک لگا کر روایات کا امتحان کیا کروں۔ تو گو ایسا ممکن ہو لیکن ڈر صرف یہ ہے کہ کیا اس طرح میری کتاب "پیغامی" عقائد کی کتاب تو نہ بنجائے گی۔ اور کیا ڈاکٹر صاحب کی اس ساری تجویز کا یہی مطلب تو نہیں کہ محنت تو کروں میں۔ اور کتاب ان کے مطلب کی تیار ہو جائے۔ مکرم ڈاکٹر صاحب! افسوس! آپ نے اعتراض کرنے میں انصاف سے کام نہیں لیا۔ بلکہ یہ بھی نہیں سوچا کہ آپ کے بعض اعتراضات ایکدوسرے کے مخالف پڑے ہوئے ہیں۔ ایک طرف تو آپ یہ فرماتے ہیں کہ میری کتاب "محمودی" عقائد کی کتاب ہے۔ اور دوسری طرف میرے خلاف یہ ناراضگی ہے کہ میں نے درائیت سے کام نہیں لیا اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے طریق عمل اور تحریرات کے خلاف روایتیں درج کر دی ہیں۔ اب آپ خود فرمائیں کہ اس حالت میں میں کروں تو کیا کروں؟ اپنی درایت سے کام لوں تو میری کتاب محمودی عقائد کی کتاب بنتی ہے۔ اور اگر درائیت سے کام نہ لوں۔ تو یہ الزام آتا ہے۔ کہ درایت کا پہلو کمزور ہے۔ ایسی حالت میں میرے لئے آپ کے خوش کرنے کا سوائے اس کے اور کونسا رستہ کھلا ہے کہ میں درایت سے کام تو لوں۔ مگر اپنی درایت سے نہیں بلکہ آپ کی درایت سے

اور ہر بات جو آپ کے عقیدہ کے مطابق حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے طریق عمل اور تحریرات کے خلاف ہو۔ اُسے ردّ کرتا جاؤں جس کا نتیجہ یہ ہو کہ جب کتاب شائع ہو۔ تو آپ خوش ہو جائیں۔ کہ اب یہ کتاب روایت و درایت ہر دو پہلو سے اچھی ہے۔ کیونکہ اس میں کوئی بات لاہوری احباب کے عقائد کے خلاف نہیں۔ اگر جرح و تعدیل کا یہی طریق ہے۔ تو خدا ہی حافظ ہے۔"

یہ سب کچھ میں نے ڈاکٹر صاحب کے اصول کو مدنظر رکھ کر عرض کیا ہے ورنہ حق یہ ہے۔ کہ مَیں نے جہاں تک میری طاقت ہے۔ روایت و درائیت دونو پہلوؤں کو دیانتداری کے ساتھ علیٰ قدر مراتب ملحوظ رکھا ہے اور یہ نہیں دیکھا کہ چونکہ فلاں بات ہمارے عقیدہ کے مطابق ہے اسلئے اسے ضرور لے لیا جائے یا چونکہ فلاں بات لاہوری احباب کے عقیدہ کے مطابق ہے اسلئے اسے ضرور چھوڑ دیا جائے۔ بلکہ جو بات بھی روایت کے رو سے مَیں نے قابل قبول پائی ہے اور درایت کے رو سے اسے حضرت مسیح موعودؑ کی صریح اور اصولی اور غیر اختلافی اور محکم تحریرات کے خلاف نہیں پایا۔ اور آپ کے مسلم اور غیر مشکوک اور واضح اور روشن طریق عمل کے لحاظ سے اسے قابل ردّ نہیں سمجھا اسے مَیں نے لے لیا ہے۔ مگر ہاں ہم میں یہ سمجھتا ہوں کہ گو شائد احتیاط اسی میں ہو۔ جو میں نے کیا ہے۔ لیکن بحیثیت مجموعی روایات کے جمع کرنے والے کے لئے مناسب یہی ہے کہ وہ صرف اصول روایت تک اپنی نظر کو محدود رکھے۔ اور جو روائت بھی روائت کے اصول کے مطابق قابل قبول ہو اسے درج کرلے اور درایت کے میدان میں زیادہ قدم زن نہ ہو بلکہ اس کام کو ان لوگوں کے لئے چھوڑ دے جو عند الضرورت استدلال و استنباط کے طریق پر انفرادی روایات کو زیر بحث لاتے ہیں۔ ورنہ اندیشہ ہوگا کہ شخصی اور انفرادی عقیدے یا ذاتی مذاق کے خلاف ہونے کی وجہ سے بہت سی سچی اور مفید روایات چھوٹ جائیں گی اور دنیا ایک مفید ذخیرہ علم سے محروم رہ جائے گی۔ یہ میری دیانتداری کی رائے ہے۔ اور میں ابھی تک اپنی اس رائے پر اپنے خیال کے مطابق علیٰ وجہ البصیرت قائم ہوں۔ واللہ اعلم ولا علم لنا الّا ما علمتنا۔

خاکسار مرزا بشیر احمد قادیان

۱۴۔ نومبر ۱۹۲۵ء